دلِ پُر آرزو دے کر طبیعت میری بہلائی	مجھے ذوقِ سخن سے کیا غرض تھی ہاں مقدر نے

NUR-UD-DIN 'NURI'

لمعات نور
لمعات نور
لمعات نور
بہترین نگینہ قطعات علمی زینت کا پتہ، حافظ قمرالدین اینڈ سنز تاجران کتب موچی دروازہ کوچہ قاضی خانہ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

بہ عونِ صنّاعِ مکین و مکان و توفیقِ خالقِ زمین و زمان اعنی نسخہ

کتاب لاجواب الموسوم بہ

لمعاتِ نور

منتخبہ

جناب ماسٹر نور الدین صاحب نوری سابق لکچرار فنون لطیفہ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور

حسب فرمائش

خاکسار حافظ قمر الدین اینڈ سنز تاجران کتب

اندرون موچی دروازہ کوچہ قاضی خانہ لاہور

سنہ ۱۹۲۶ء

بہ فیروز پرنٹنگ ورکس واقع بیرون ... لاہور میں بہ اہتمام منشی عبدالحمید صاحب طبع ہوئی

تعداد ۱۰۰۰ قیمت مجلد ... بلا جلد ...

معنون

میں اپنی اس کتاب کو اپنے محترم بزرگ فاضل اجل علامہ اکمل عالی جناب آنریبل خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب بی۔اے بیرسٹرایٹ لا۔سابق پریزیڈنٹ لیجس لیٹو کونسل پنجاب کے نام نامی و اسم گرامی کے ساتھ نہائیت خلوص و صدق دل سے منسوب و معنون کرتا ہوں۔ یہ اُن احسانات کا ایک عاجزانہ اعتراف ہے۔ جو صاحب ممدوح نے ادبِ اردو کی ترقی کے متعلق ملک و قوم پر کئے ہیں ؂

خاکسار

نورالدین نور۔

لمعاتِ نور

کے متعلق

مشاہیر ادب کی چند رائیں

آنریبل جسٹس خان بہادر مرزا ظفر علی خاں صاحب

بی۔ اے۔ جج ہائی کورٹ پنجاب لاہور

پروفیسر نورالدین صاحب نوؔر نے "لمعاتِ نور" کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے۔ جس میں مختلف مضامین پر بہت سے نامی شعرا کا کلام جمع کیا ہے۔

یہ کتاب علاوہ اُن اشخاص کے جو شعر و شاعری کا شوق رکھتے ہیں۔ طلبا کے لئے بھی مفید ثابت ہوگی۔ فاضل پروفیسر نے ہر ایک استاد کے کلام کے اعلیٰ نمونے یکجا جمع کئے ہیں۔ اور مضامین کا انتخاب و ترتیب نہایت قابل تعریف ہے۔

ظفر علی

مسٹر کے۔ ایم۔ مترا۔ ایم۔ اے سینئر پروفیسر آف اورینٹل لٹریچر اینڈ ممبر آف دی بورڈ آف سٹڈی ان اورینٹل لنگویجز دیال سنگھ کالج لاہور

مجھے پروفیسر نورالدین صاحب نوؔر (سابق پروفیسر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور) کی تازہ تصنیف

لمعات نور کے مطالعہ کا موقعہ ملا ہے۔ اس میں اردو شاعری کے بہترین اور تابدار اشعار ایسی قابلیت اور لیاقت سے ترتیب دیئے گئے ہیں کہ مؤلف کے مذاق سلیم اور عالمانہ انتخاب کی بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے۔

کسی کتاب کے تصنیف کرنے کی نسبت مختلف کتب سے انتخاب کرنے کا کام زیادہ مشکل تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ پروفیسر نورالدین صاحب اپنے مشکل کام میں خوب کامیاب ہوئے ہیں۔

لمعات نور اپنی قسم کی ایک نئی کتاب ہے۔ اور ایسے بلند پایہ معیار پر لکھی گئی ہے۔ کہ اس لائن پر اس سے بہتر تو کجا اس کی ہم پایہ کتاب بھی آج تک کوئی شایع نہیں ہوئی۔

میں مصنف اور پبلشر دونوں کو کتاب کو اس شاندار طریق پر اور ایسی اعلیٰ جلد میں شائع کرنے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ "لمعات نور" کو بہت بڑی کامیابی نصیب ہو

مجھے امید ہے کہ مصنف صاحب اسکا دوسرا حصہ بھی جلدی شائع کرنے کی سعی فرمائیں گے

مورخہ ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء کے۔ ایم۔ منزا۔ ایم۔ اے

جناب میاں احسان الحق صاحب بیرسٹرایٹ لاء

سابق ٹرسٹی علی گڈھ کالج ڈسٹرکٹ و سشن جج جہلم

"لمعات نور" کا دلی شکریہ قبول فرمائیے

انتخاب نہایت پاکیزہ ہے۔ ترتیب بہت عمدہ اور سعی قابل تحسین۔

مورخہ ۲۵۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء احسان الحق

ڈاکٹر محمد صدرالدین ایم۔اے+ڈی۔لٹ ممتحن علوم

مشرقیہ پنجاب یونیورسٹی پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور

میں نے کتاب "لمعات نور" کو اکثر مقامات سے پڑھا ہے۔ بلحاظ حسن ترتیب و انتخاب مضامین اپنی طرز کی بہترین کتاب ہے۔ اور اردو لٹریچر میں ایک قیمتی اضافہ ہے

علامہ سر اقبال۔ جسٹس شاہدین ہمایوں۔ ونائیک پرشاد طالب بنارسی۔ مرزا آرشد گورگانی جوالا پرشاد برق۔ نواب مرزا داغ دہلوی۔ وغیرہ کی ہاف ٹون تصاویر نے کتاب کی خوبی اور بڑھا دی ہے۔ رنگین ٹائیٹل، خوبصورت مطلا جلد۔ اور کتابت و طباعت کے لحاظ سے ایسی کم شائع ہوئی ہیں۔ اردو قدر دانوں کو پروفیسر نورالدین صاحب نور مؤلف و حافظ قمرالدین صاحب پبلشر کا ممنون ہونا چاہئے۔

محمد صدرالدین ایم۔ اے ڈی لٹ

آنریبل سردار لاہب سنگھ صاحب ایم۔ اے پنجاب اور ایم۔ اے (کیمبرج) بیرسٹر ایٹ لاء گوجرانوالہ و ممبر لیجسلیٹو کونسل پنجاب

لمعات نور کی میں نے ورق گردانی کی ہے میری دانست میں اس گلدستہ کی ترتیب میں کافی محنت اور سخن سنجی کے آثار نمایاں ہیں۔ اور ضروری ہے کہ مقبول عام ہو۔

لاہب سنگھ

جناب قاضی فضل حق صاحب ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور فیلو پنجاب یونیورسٹی ممبر بورڈ آف سٹڈیز پنجاب یونیورسٹی

لمعات نور (مرتبہ پروفیسر نورالدین صاحب نور سابق پروفیسر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور) کو میں نے شروع سے لے کے اخیر تک بنظر امعان پڑھا۔ نظموں کی ترتیب (بلحاظ مضامین) اور انتخاب کلام لاجواب ہے۔ اردو لٹریچر میں پروفیسر صاحب نے ایک قابل قدر اور نہایت قیمتی اضافہ کیا ہے۔ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ اس میں جا بجا ملک کے نامور شعرا کی تصاویر مع مختصر سوانح حیات دی گئی ہیں۔ کتاب بلحاظ کتابت و طباعت نہایت بلند پایہ ہے۔ سرورق رنگین اور جلد مطلا ہے۔ جس سے کتاب دیدہ زیبی میں اور بڑھ گئی ہے۔ حافظ قمرالدین صاحب تاجر کتب موچی دروازہ لاہور کی ہمت بھی قابل داد ہے۔ کہ انہوں نے بصرف زر کثیر

اس کو شائع کیا ہے۔ اور امید ہے کہ علمی حلقوں میں اس کی قدر کی جائیگی۔

قاضی فضل حق ایم۔اے

میاں عبدالعزیز صاحب ایم۔اے۔ایم۔او۔ایل وکیل گوجرانوالہ ممتحن السنہ شرقیہ پنجاب یونیورسٹی پنجاب

زمانہ عجیب اضطراری حالت میں جا رہا ہے۔ مشاغل کثیر ہیں اور فرصت قلیل مکروہات دنیاوی مہلت نہیں دیتے کہ کسی مستقل تصنیف کا مکمل مطالعہ کیا جا سکے اسی وجہ سے مغرب میں شعراء کے کلام کے انتخاب جن سے ہر مذاق اور ہر عمر کا شخص استفادہ حاصل کر سکے بکثرت شایع ہوتے رہتے ہیں۔ ایسا مجموعۂ اشعار بچوں کے لئے سبق جوانوں کے لئے نصیحت اور بوڑھوں کے لئے تجربہ کا کام دیتا ہے۔ اردو لٹریچر میں اس قسم کا گلدستہ اشعار کوئی نہ تھا۔ جسمیں انسانی جذبات، تصورات اور احساسات کا ہر پہلو دکھایا گیا ہو۔ "لمعات نور" نے اس کمی کو پورا کر دیا ہے۔ بلحاظ انتخاب اشعار اور حسن ترتیب بلند پایہ ہے۔ وحدانیت الفاظ میں جلوہ گر ہے فلسفہ اور تصوف کے باریک اور لطیف نکات کا حل، راز ہستی کی عقدہ کشائی۔ قدرت کے دلکش مناظر کی تصاویر انقلابات زمانہ کا مرقع عبرت۔ بلبل کی فریاد اور پروانہ کا سوز سب کچھ اس میں موجود ہے۔ پروفیسر نورالدین صاحب کی محنت قابل تحسین ہے۔ حافظ قمرالدین اینڈ سنز پبلشرز نے حسن کتابت اور طباعت میں خوش مذاقی کا ثبوت دیا ہے۔ شائقین اردو کے لئے بیحد مفید ہے۔

عبدالعزیز منہاس

جناب سید عبدالقادر ایم۔اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور ممتحن پنجاب و دہلی و مسلم یونیورسٹیز

لمعات نور۔ یہ کتاب حال ہی میں پروفیسر نورالدین صاحب نور (سابق پروفیسر فنون لطیفہ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور) نے تیار کی ہے۔ میں نے اس کو اول سے اخیر تک بغور پڑھا یہ کتاب اپنی ترتیب و تقسیم مضامین کے لحاظ سے اردو زبان میں اپنی نوعیت کی ایک واحد کتاب ہے۔ رنگین سرورق۔ لکھائی چھپائی و کاغذ وغیرہ کو دیکھا جائے تو اردو طباعت میں حسن اہتمام کا

ایک بہترین نمونہ ہے منقش جلد پر کتاب اور مصنف کا نام نہایت خوشخط سنہری حروف میں دیدہ زیبی کی اعلیٰ سند پیش کر رہا ہے۔ بلا شائبہ اس نادر مجموعہ کی طباعت سے اردو لٹریچر میں گراں مایہ اضافہ ہوا ہے جس کے لئے پروفیسر صاحب موصوف کو بہمہ وجوہ مستحق مبارکباد سمجھتا ہوں۔ اور میرا یقین ہے کہ علمی حلقے میں یہ کتاب نہایت عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

قیمت پانچ روپیہ کتاب کے صوری و معنوی محاسن کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

سید عبد القادر۔ ایم۔ اے۔

جناب لالہ مہر چند صاحب سوری ایم۔ اے پروفیسر فورمین کرسچن کالج لاہور

میں نے "لمعات نور" مرتبہ پروفیسر نور الدین صاحب نور (سابق پروفیسر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور) کو اکثر مقامات سے پڑھا ہے نظموں اور اشعار کا انتخاب نہایت عالمانہ اور ترتیب لاجواب ہے۔ پروفیسر صاحب نے اُسے شائع کر کے اردو لٹریچر میں ایک نہایت قیمتی اضافہ کیا ہے جو اردو دان پبلک پر عموماً اور لیکچرار اصحاب پر خصوصاً احسانِ عظیم ہے۔

"لمعات نور" اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ یہ چار ابواب پر مشتمل ہے جنکی کئی فصلیں ہیں۔ اور اُن میں جابجا ملک کے نئے اور پرانے نامور شعرا کے کلام کے اچھے اچھے حصے منتخب کر کے انہیں مضمون کے لحاظ سے مختلف عنوانوں کے نیچے درج کیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ جابجا اردو شاعری کے مایۂ ناز اساتذہ کی ہاف ٹون تصاویر معہ مختصر سوانح حیات دی گئی ہیں جس نے کتاب کی خوبی کو اور بھی دوبالا کر دیا ہے۔

کتاب بلحاظ کاغذ، کتابت و طباعت بہت بلند پایہ ہے۔ جلد بھی نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ہے۔ سرورق نہایت خوبصورت اور رنگین جس پر آفتاب علم کی نورانی شعاعیں مختلف مضامین کے عنوانوں پر پڑ کر نفس مضمون کا پتہ دے رہی ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ نور سے لمعات نور ہی نکلا کرتے ہیں ؎

نور سے نکلے ہیں وہ لمعاتِ نور ہوگئی ہے روشنی نزدیک و دور

مہر چند سوری۔ ایم۔ اے

شیخ عبدالحمید صاحب ایم۔ اے سینئر پروفیسر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور

"لمعات نور" مولفہ و مرتبہ میاں نورالدین صاحب نور سابق پروفیسر فنون لطیفہ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کا میں نے جستہ جستہ مطالعہ کیا۔ انتخاب و ترتیب مضامین کے لحاظ سے اسے نہایت نادر و قابل قدر پایا۔ نامور سخنوران ہند کی ہاف ٹاؤن تصاویر خوبصورت منقش و مطلی جلد اور رنگین سرورق نے اسکی خوبی میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ مولف کی کوشش اور محنت اور حسن انتخاب نہایت قابل تحسین ہیں۔ یقین ہے علمی حلقوں میں یہ کتاب نہایت مقبول ہوگی۔ اردو دان پبلک لائق مولف کی مساعی سے کماحقہٗ بہرہ اندوز ہوگی۔ اور کتاب کے دوسرے جزو کی مشتاق اور منتظر رہے گی۔

عبدالحمید ایم۔ اے

رائے صاحب لالہ مدن گوپال بی۔ اے۔ پی۔ ای۔ ایس ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ٹیکنیکل سکول لاہور و اسسٹنٹ انسپکٹر آف انڈسٹریل سکولز پنجاب

"لمعات نور" مولفہ میاں نورالدین صاحب نور چار ابواب پر منقسم ہے تصوف، مناظر قدرت، جذبات فطرت اور سیاست ہر عنوان کے تحت میں کئی کئی نظمیں، قطعات اور غزلیات درج ہیں کتاب کیا ہے ایک ترو تازہ گلزار ہے جس میں رنگا رنگ کے پھول با قرینہ اپنی اپنی جگہ ناظرین کی باصرہ نوازی کا حق ادا کر رہے ہیں۔ اسکے مطالعہ سے زاہد صد سالہ سے رند بادہ خوار تک لطف حاصل کر سکتے ہیں۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ قدیم و جدید مشاہیر کے کلام کا مقابلہ و موازنہ نہایت تھوڑے وقت میں کیا جا سکتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ کتاب میں جا بجا ملک کے نامور شعرا کے ہاف ٹون فوٹو لگا کر صاحب تصویر کے سوانح حیات بھی درج کئے ہیں جنہوں نے کتاب کی زینت کو دوبالا کر دیا ہے۔ حق تو یوں ہے کہ اپنی طرز کی واحد اور پہلی کتاب کہی جا سکتی ہے۔ خوبصورت منقش مطلا جلد نے جس پر مولف و پبلشر کا نام سنہری حروف میں لکھا ہے۔ کتاب کی دیدہ زیبی میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ باوجود نفیس کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی کے قیمت صرف پانچ روپیہ ہے۔ میں باہمہ وجوہ میاں نورالدین صاحب نور کو مستحق مبارکباد سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اردو لٹریچر میں ایک قابل

قدر اضافہ کیا ہے جسکو یقین ہے کہ علمی حلقہ نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھے گا اور حافظ قمرالدین صاحب پبلشر کی ہمت وجرات کی تعریف کرتا ہوں کہ انہوں نے بڑے شوق سے بصرف زر کثیر اس کو ایسی شکل وصورت میں شایع کیا ہے۔ مورخہ ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء۔

مدن گوپال

مسٹر کے۔ایل۔رلیارام صاحب ہیڈ ماسٹر رنگ محل مشن ہائی سکول لاہور

میاں نورالدین صاحب نور سابق پروفیسر فنون لطیفہ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کا انتخاب اردو نظم جس کا نام "لمعات نور" ہے مختلف سخنوروں کے کلام کا ایک بیش قیمت ونادر مجموعہ ہے۔ جس میں ہر طرح کے مضامین مثلاً توحید۔ اخلاق۔ صبر۔ فقر۔ بخشش الٰہی مناظر قدرت۔ جذبات فطرت لطائف پہیلیاں وغیرہ موجود ہیں۔ جس سے ہر مذاق کا فرد بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔ یہ مجموعہ اس لحاظ سے زیادہ دلچسپ ہے کہ اس میں قدیم وجدید شعرا کا کلام بلاغت نظام موزون تقسیم وترتیب سے جمع کیا گیا ہے۔ جو کہ مؤلف کی روشن دماغی وچشم بینا کی دلیل ہے۔ کیونکہ کانٹوں سے پھولوں کو علیحدہ کر کے خوبصورت گلدستہ بنانے کے لئے مذاق سلیم اور کثرت مطالعہ کو بڑا دخل ہے۔ لہذا علمی حلقے کو ایسے بہترین انتخاب کی قدر کرنی چاہئے۔ جو آیندہ ہماری نسلوں کے مذاق اور خیالات کو درست کرنے کا ممد ومعاون ہو سکتا ہے۔ اس میں اقلیم سخن کے مشاہیر کی عکسی تصاویر کی کافی تعداد شامل ہے ہر تصویر پر بغرض تعارف صاحب تصویر کے مختصر سوانح حیات درج کر کے کتاب کی زینت کو بڑھایا گیا ہے۔ اور جناب خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لا جیسے فاضل ادیب کا دیباچہ اس دعوے پر دال ہے۔ جلد سنہری اور نہایت دیدہ زیب ہے۔ غرض یہ کتاب ہر علمی خزانے میں اردو لٹریچر کا قیمتی اضافہ ہوگی۔ اس لئے میں مؤلف اور پبلشر دونوں کو مستحق مبارکباد سمجھتا ہوں۔

مورخہ ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء   کے ایل۔ رلیارام

روزنامہ "زمیندار" لاہور

"لمعات نور" جناب مولوی نور الدین صاحب نورؔ لکچرار فنون لطیفہ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور
کی کتاب "لمعات نور" منتخب اردو اشعار کا ایک نہایت جامع اور بے نظیر مرقع ہے۔ جو اپنی
ترتیب کے اعتبار سے کم از کم اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب چار ابواب پر
مشتمل ہے۔ یعنی تصوف۔ مناظر قدرت۔ جذبات فطرت۔ سیاست پھر ہر باب کی کئی کئی فصلیں
ہیں۔ مثلاً باب اول پندرہ فصلوں پر مشتمل ہے۔ باب دوم سات فصلوں پر۔ باب سوم پچیس فصلوں
پر۔ اور باب چہارم پانچ فصلوں پر ہر فصل کے موضوع کے جس قدر عمدہ اشعار قدیم و جدید شعرا کے
کلام میں مل سکتے ہیں بہ ترتیب ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اور ہم حضرت مصنف کی اس محنت
مشقت اور دیدہ ریزی پر متعجب ہیں۔ کہ وہ کس ہمت اور حوصلہ کے ساتھ (۴۸۰) صفحے کے اس نادر
مجموعہ کی ترتیب میں مصروف ہوئے۔ بلا شائبہ مبالغہ اُنکی یہ ہمت اور یہ حوصلہ بہمہ وجوہ قابل
داد ہیں۔ کتاب لکھائی چھپائی اور کاغذ کے اعتبار سے بھی بہت بلند پایہ ہے۔ علی الخصوص اسکا
رنگین سرورق تو اردو کتابوں کی طباعت میں حسن اہتمام کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ کتاب میں اٹھارہ
عمدہ تصاویر ہیں مثلاً حضرت مصنف کی تصویر۔ خان بہادر شیخ عبد القادر صاحب کی تصویر جن کے نام
نامی کیساتھ یہ کتاب معنون ہے۔ بقیہ تصاویر ہندوستان کے بڑے بڑے شعرا کی ہیں۔ مثلاً مرزا
غالب۔ خواجہ حالی۔ اکبر الہ آبادی۔ مرزا داغ۔ علامہ اقبال۔ علامہ شبلی مولانا آزاد۔ مولانا ظفر علیخاں
وغیرہم۔ ہر تصویر کے ساتھ صاحب تصویر کے سوانح حیات بھی مختصراً بیان کر دیئے گئے ہیں۔ غرض یہ
کتاب ہر اعتبار سے ترتیب و اہتمام و جامعیت کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ جلد نہایت خوبصورت
اور دیدہ زیب ہے اس پر سنہری حروف میں کتاب اور مصنف کا نام ہے۔ پشتہ پر عمدہ سنہری کام ہے۔
اٹیریم ایجنسی کا نام ہے جس کے زیر اہتمام یہ کتاب چھپی ہے۔

ہم "لمعات نور" کیلئے حضرت مصنف اور حافظ قمر الدین تاجر کتب اندرون موچی دروازہ لاہور دونو
کو مستحق مبارکباد سمجھتے ہیں۔ اسلئے کہ یہ دونوں کی اجتماعی کوششوں کا نتیجہ ہے قیمت پانچ روپیہ
جو ویسے زیادہ معلوم ہوتی ہے لیکن کتاب کی معنوی و صوری محاسن کے مقابلہ میں کوئی حیثیت
نہیں رکھتی۔

روزنامہ زمیندار مورخہ ۳۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء

The

All-India Muslim Educational Conference Exhibition.

ALIGARH.

THIRTY-SIXTH SESSION. 1923.

CERTIFICATE OF MERIT.

Awarded to NUR-UD-DIN "NUR" of [illegible] Dist. Hoshiarpur for Lamat-i-Nur shown at the Educational Exhibition.

(Sd.) AFTABAHMED,

ALIGARH.
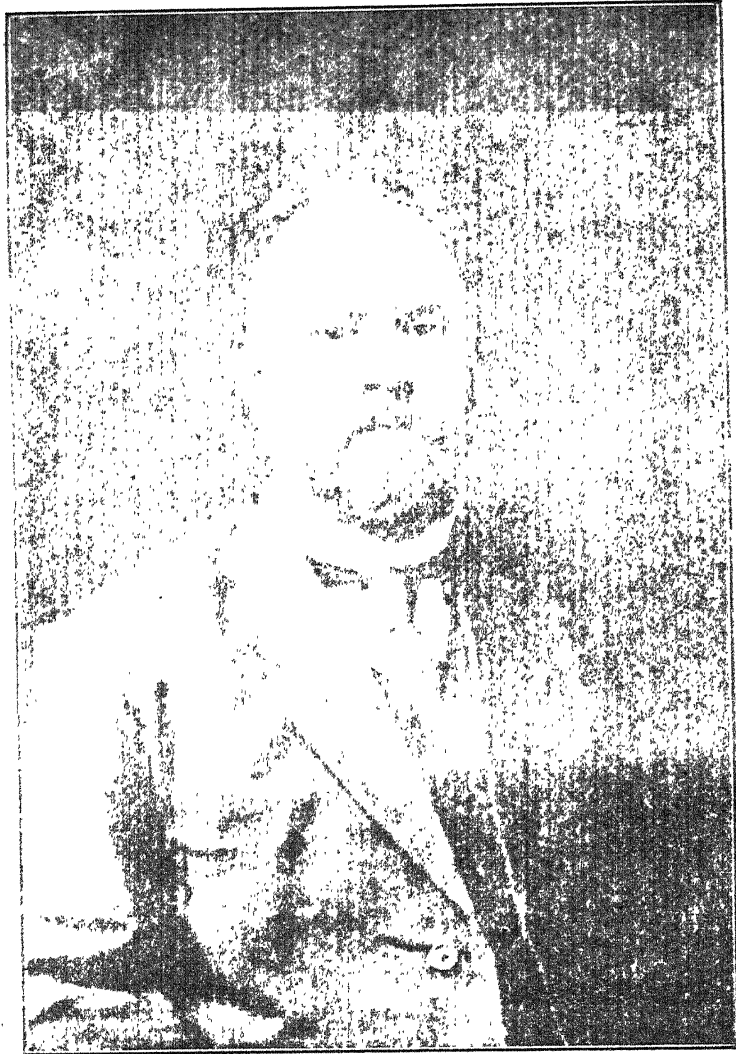
آنریبل خان بہادر شیخ عبدالقادر بی اے بیرسٹر ایٹ لا

اردو زبان کی علمی و ادبی خدمات جو صاحب موصوف نے اپنے مشہور رسالہ مخزن کے ذریعہ انجام دی ہیں۔ وہ ہماری تعریف و توصیف سے قطعاً بے نیاز ہیں۔ آپ کو صرف ادیب یا انشا پرداز کہنا آپ کی اعلیٰ قابلیت کا ناقص اعتراف ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ آپ بجا طور پر ادیب گر اور شاعر ساز ہیں۔ آسمان اردو پر آج جو ادبی ستارے اپنی جگمگاہٹ سے آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر رہے ہیں۔ وہ اسی آفتاب ادب کی ضیاء باریوں کے منت کش ہیں۔ ہماری شاعری کی دنیا اس وقت جن سحر نگاروں پر فخر کر رہی ہے۔ وہ پہلے پہل مخزن ہی کے سانچے میں ڈھالے جا چکے ہیں۔ ملک کا کوئی بہترین نقاد اور تذکرہ نویس شائد اب تک اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکا۔ کہ ان ملک کی مایۂ ناز متبرک ہستیوں کو اس بلند ادبی خیمہ نشین پر پہنچانے میں جہاں آج نظر آ رہی ہیں۔ شیخ صاحب قبلہ کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کو کس حد تک دخل ہے! آپ مخزن کے علاوہ پنجاب کے مشہور انگریزی اخبار "ابزرور" کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ ملک نے آپ کو اکثر ایک بہترین مقرر کی حیثیت میں بھی دیکھا ہے۔ انجمن ارباب علم پنجاب کی مستقل صدارت۔ پنجاب ہائی کورٹ کی ججی۔ اور صیغہ تعلیم پنجاب کی وزارت کے علاوہ آپ کی محترم شخصیت پنجاب کونسل کی کرسی صدارت کو بھی مفتخر فرما چکی ہے۔ اور تازہ ترین واقع یہ ہے۔ کہ آپ کو لیگ آف نیشن جنیوا میں ہندوستان کا نمائندہ انتخاب کیا گیا ہے جس پر ہم شیخ صاحب قبلہ کو دلی مبارک باد اور حکومت پنجاب کو داد دیتے ہیں۔ کہ اس کے حسن انتخاب نے ایسا اہم ذمہ داری کا کام اس جلیل القدر علمی شخصیت کے سپرد کیا ہے جس کے علمی و ادبی احسانوں سے ہمارا ملک ملکی زبان۔ اور ہماری قوم کبھی اور کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتی +

افتخار زمانہ ہیں یہ لوگ + عظمتوں کا فسانہ ہیں یہ لوگ

دیباچہ

لمعاتِ نور

یہ کتاب حال ہی میں میرے دوست پروفیسر نور الدین صاحب المتخلص بہ نور نے مرتّب کی ہے۔ اور اب اشاعت کیلئے تیار ہے۔ کتاب کا نام دلکش ہے اور ظاہر ہے۔ کہ پروفیسر صاحب کے نام کی مناسبت سے یہ نام بہت موزوں ہے۔ مگر اس ظاہری موزونیت کے سوا بھی پروفیسر صاحب موصوف نے اس نام کو نبھانے کی کوشش کی ہے اردو شاعری کے آسمان پر جو نورانی نام آفتاب و مہتاب بنکر چمکے ہیں اُنکے اشعار تابدار کی شعاعوں سے اس کتاب کے اوراق کو زینت دی گئی ہے۔ پروفیسر صاحب نے نہ صرف اساتذہ کے کلام کے اچھے اچھے حصے منتخب کرکے جمع کئے ہیں۔ بلکہ انہیں مضمون کے لحاظ سے مختلف عنوانوں کے نیچے درج کیا ہے۔ اور ہر عنوان کیلئے نئے اور پرانے شعراء کے کلام کے نمونے تلاش کئے ہیں۔ تاکہ مختلف سخنوروں کے کلام کا مقابلہ و موازنہ بھی ہوسکے۔ اور طرزِ ادا اور زبان میں جو تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں وہ بھی دیکھنے والوں کو نظر آسکیں

خوبصورت رنگین ورق پر آفتاب علم اپنی شعاعیں ڈال رہا ہے۔ جن سے ہر ایک کسی دلچسپ عنوان کی طرف اشارہ کر رہی ہے مگر ان چند سرخیوں میں جو ورق پر نظر آتی ہیں وہ سب عنوان شامل نہیں جو کتاب کے اندر ہیں ہر عنوان کے تحت میں کئی نظمیں ہیں غرض یہ مجموعہ سینکڑوں دلچسپ نظموں اور قطعات و غزلیات کا جامع ہے آجکل جو توجہ ایسے انتخابات کے جمع کرنے کی طرف ہو رہی ہے۔ اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ کہ بہت سے انتخابات شایع ہونگے اور ان میں سے ہر ایک انتخاب کنندہ کے مذاق کا نقش لئے ہوئے ہو گا۔ تاہم جہانتک محنت اور تلاش اور اہتمام کا تعلق ہے پروفیسر نورالدین صاحب کی کوشش قابل داد ہے۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ اردو کے قدردان اس کتاب کو شوق سے پڑہیں گے کہیں کہیں انتخاب میں اور کہیں ترتیب وغیرہ میں بعض کمزوریاں رہگئی ہیں۔ جو یقیناً طبع ثانی میں رفع ہو سکیں گی *

دستخط

(عبدالقادر)

(آنریبل خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب)
بیرسٹرایٹ لاء

فہرست عنوانات کتاب لمعات نور

فہرست مطالب کتاب لمعات نور

وبہ نستعین

حصّہ اوّل نظم

لمعاتِ نور

مُنتخبہٴ

نورالدّین نور، سابق پروفیسر فنون لطیفہ، سنٹرل ٹریننگ کالج

لاہور

ملنے کا پتہ

حافظ قمر الدّین اینڈ سنز تاجران کتب اندرون موچی دروازہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصوف

نقی فتحپوری

خامہ مرا آج دُرفشاں ہے
حمدِ باری میں تر زباں ہے

میر درد

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

اس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقّل کے قدم کا

بستے ہیں ترے سائے میں سب شیخ و برہمن
آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا
اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا

مانندِ حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

آتش

عاجز نواز دوسرا تجھ سا نہیں کوئی
رنجور کا انیس ہے ہمدم علیل کا

باغ و بہار آتشِ نمرود کو کیا
مشکل کے وقت حامی ہوا تو خلیلؑ کا

موسیٰ کو تیرے حکم سے دریا نے راہ دی
فرعون کو تو نے غرق کیا رودِ نیل کا

طوفاں میں ناخدائے کشتیٔ نوحؑ کی
حقا جواب ہی نہیں تجھ سے کفیل کا

سائل ہوں مجھ کو قید کم و بیش کی نہیں
مختار ہے کریم کثیر و قلیل کا

دیکھا تو خار و گل کا مقام ایک شاخ ہے
دل توڑتا نہیں تو عزیز و ذلیل کا

آتش یہی دعا ہے خدائے کریم سے
محتاج اے کریم نہ کیجو بخیل کا

از سدرشن

اے مرکزِ جملہ گیان و آنند — اے چشمۂ فیض ستّ چد انند
صورت گرِ مشتِ خاکِ آدم — نقاشِ مرقعِ دو عالم
جب عالمِ سرمدی میں تو تھا — سب ارض و سما مقام ہو تھا
رحمت کا تری ہوا اشارہ — چمکا یہ وجود کا ستارہ
وحدت نے دکھائی شانِ کثرت — خلوت سے عیاں ہوئی یہ جلوت
خورشید نے تاجِ سر سنبھالا — پانی سے زمیں نے سر نکالا
مٹی سے ہوئے پہاڑ ظاہر — جھولی میں لیے ہوئے جواہر
گل جام بکف بڑھا چمن میں — کرنے لگی وجد روح تن میں
یہ شان و شکوہ بزمِ خلقت — یہ جلوۂ حسنِ پاکِ قدرت
تیرے یہ خیال کا ہے اظہار — تیرا یہ جمال ہے نمودار
یعنی کہ یہ ہے ظہور تیرا — پھیلا ہر سو ہے نور تیرا
تو جلوۂ نور عکس ہیں ہم — فانوسِ خیال ہے یہ عالم
تو رنگِ بہار ہے چمن میں — تو شعلۂ شمعِ انجمن میں
جو تجھ سے ملائے راہ وہ ہے — دیکھے جو تجھے نگاہ وہ ہے
جس دل میں نہیں سرور تیرا — ہرگز یہ نہیں قصور تیرا
آبِ لبِ جو نہو جو شفاف — آتا نہیں عکسِ گل نظر صاف
گر دیدۂ معرفت ہو روشن — گوشہ ہو مکاں کا دشتِ ایمن
چشمے ہیں ترے کرم کے جاری — مقبول ہو یہ دعا ہماری
جامِ مئے معرفت پلادے — آئینۂ قلب کو جلادے
آنکھوں میں سمائے نور تیرا — ہر وقت رہے سرور تیرا

سدرشن

نورِ الٰہی

سلطانِ شرق جبدم تختِ فلک پہ آیا — جب فوجِ اختری کو خورشید نے بھگایا

لیلائے شب نے ڈنکا جب کوچ کا بجایا — جب حکم مہر و ماہ نے عزل و نصب کا پایا
لایا ہر ایک ذرّہ ظاہر ظہور تیرا
خورشید بن کے چمکا جو تھا وہ نور تیرا

جب رات کا اندھیرا عالم پہ آکے چھایا — خورشید نے افق میں جب بستر اُٹھایا
قندیل ماہ لیکر نکلے شب جو آیا — جب فرش چاند تارے کا چرخ نے بچھایا
انجم دکھا رہے تھے ظاہر ظہور تیرا
ہر نجم کی ضیا میں روشن تھا نور تیرا

جب باغ میں گیا میں گلگشت کے بہانے — نکلے شجر کے پتّے تیرا پتا بتانے
سوتے تھے جتنے سبزے چادر فلک کی تانے — جاگ اُٹھے اک سرے سے سب نام حق جگانے
گاتے تھے گلستاں میں نغمہ طیور تیرا
جس گل کا چہرہ دیکھا اُس پہ تھا نور تیرا

یوں شوق مجکو لایا لہرا کے سوئے دریا — پیاسے کو جس طرح سے ہو جستجوئے دریا
تھا غرق بحر حیرت میں دو بدوئے دریا — جن گوہروں سے افزوں تھی آبروئے دریا
اُن میں بھی غائبانہ دیکھا ظہور تیرا
دُرِّ خوش آب میں بھی ظاہر تھا نور تیرا

بالائے کوہ جب میں مانندِ کاہ آیا — سنگ و شرار دونوں کو ایک ساتھ پایا
باندھے کمر کھڑا تھا کوہ گراں خدایا — تحمید کا مصلّیٰ صحرا کو تھا بنایا
جلوہ دکھا رہا تھا جو کوہ طور تیرا
اُس پر بھی بہر سوئے چمکا تھا نور تیرا

جب چھوڑ کر کلیسا سوئے کنشت آیا — حُسن ازل کا عالم روئے صنم میں پایا
گویا خدا نے اپنے ہاتھوں اُسے بنایا — اُس کی جھلک سے جھک کر میں نے یہ بات پایا
رحمان گنج تیرا ہے رام نور تیرا
دیر و حرم میں یکساں پھیلا ہے نور تیرا

جب دشت پُرخطر میں مانندِ قیس بھٹکا — آنکھوں میں ہر بگولا کانٹے کی طرح کھٹکا
خودرَو گلوں نے بھی واں دامن نہ تجھ سے جھٹکا — نکلی صدائے اَشہد غنچہ جو کوئی چٹکا

جپتا تھا ہر درندہ نامِ طہور تیرا
نورِ شہاب میں تھا رخشندہ نور تیرا

صحرا میں بھی خضرؑ نے پایا نشان تیرا — کشتی پہ وجد کرتا تھا بادبان تیرا
اورنگِ حُسنِ قدرت تھا آسمان تیرا — جلوے دکھا رہا تھا سارا جہان تیرا

پھیلا جلال پایا نزدیک و دور تیرا
اندھا تھا خود وہ جس کو سُوجھا نہ نور تیرا

تو رنگ بن کے ظاہر یا بُو بنا چھُپا تھا — تیری مہک نہیں تھی تو پھر گلوں میں کیا تھا
دہرِ جہاں میں دیکھا جس مہ جبیں کا ماتھا — اُس کی جھلک میں بیشک پرتو ترا پڑا تھا

اِس جسمِ زار میں بھی کچھ تھا وہ نور تیرا
کہتے تھے نور جس کو ہم تھا وہ نور تیرا

جب شمع انجمن میں ہمدم جلا کے لائے — پروانے لَو لگائے جانسوز بن کے آئے
پروانہ جان کی تھی دم بھر نہ جینے پائے — کیا شئے تھی شمع جسکو کہتے تھے سر چڑھائے

روشن تھا اُس میں جلوہ ربِّ غفور تیرا
تھا شمع کی ضیا میں رخشندہ نور تیرا

جب کان میں گئے ہم اک لطف آ رہا تھا — دیکھا کہ اختروں کو ہیرا چھکا رہا تھا
نیلم سے چرخِ نیلی چکرایا جا رہا تھا — ہر لعل لالہ رویوں کو خوں رُلا رہا تھا

تھا ان جواہروں میں حُسن و فور تیرا
جسمِ بلور میں بھی لامع تھا نور تیرا

ہے خاکدان خالی ہے آسمان خالی — گر تو نہیں تو ہیں سب کون و مکان خالی
تجھ سے نہیں خدایا کوئی جہان خالی — کافی ہے رمزداں کو تیرا نشان خالی
قائل تھا زندگی بھر جس طرح مُور تیرا — طالبؔ بھی دیکھتا ہے ہر شئے میں نور تیرا

طالب بنارسی

توحید

بارِ امانت

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے   میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آ سکے   آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے

میں وہ فتادہ ہوں کہ بغیر از فنا مجھے   نقشِ قدم کی طرح نہ کوئی اٹھا سکے

قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے   اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار   اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

یارب یہ کیا طلسم ہے ادراک و فہم یاں   دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے

گو بحث کرکے بات بٹھائی پہ کیا حصول   دل سے اٹھا غلاف اگر تو اٹھا سکے

مستِ شرابِ عشق وہ بیخود ہے جس کو حشر   اے درد چاہے ہوش میں لانا نہ لا سکے   درد

چشمِ حقیقت بیں

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ   بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

آہن ہو یا ہو سنگ ہے سب جلوہ گاہ یار   جوں آئینہ ہر ایک گزر میں صفا کو دیکھ   درد

نورِ معرفت

گر معرفت کا چشمِ بصیرت میں نور ہے   تو جس طرف کو دیکھئے اس کا ظہور ہے

آتی ہے دل میں اور ہی صورت نظر مجھے   شاید یہ آئینہ بھی کسی کے حضور ہے   درد

جلوۂ مستانہ

حسنِ پری اک جلوۂ مستانہ ہے اس کا   ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اس کا

وہ شوخ نہاں گنج کے مانند ہے اس میں   معمورۂ عالم میں جو ویرانہ ہے اس کا   درد

ایضاً

جو چشم کہ حیراں ہوئی آئینہ ہے اس کا   جو سینہ کہ صد چاک ہوا شانہ ہے اس کا

شکرانہ ساقئ ازل کرتا ہے آتش   لبریز مئے شوق سے پیمانہ ہے اس کا   آتش

صلح کل

صلحِ کُل ایسی کسی کی یاد ہے ۔۔۔ دوست دشمن سب کا دل آباد ہے
مِٹ چُکے سب فتنے تیری راہ میں ۔۔۔ اِک تھکی ماندی قیامت اور ہے

ثاقب

سنہری دھوکا

وصف لکھا ہی جو ابروئے بُتِ دلخواہ کا ۔۔۔ میرے مطلع پر ہے دھوکا سب کو بسم اللہ کا
وصفِ حسنِ پاک کی تحریر سے اے شمع رو ۔۔۔ صفحہ دیواں میں ہے عالم تجلی گاہ کا
ہیں تری درگاہ میں ہمدوش فقر و سلطنت ۔۔۔ مرتبہ یکساں نظر آیا گدا و شاہ کا

نیا روپ

محمل نشیں جب آپ تھے لیلےٰ کے روپ میں ۔۔۔ مجنوں کے بھیس میں کوئی خانہ خراب تھا
تیرا قصور وار خدا کا گناہگار ۔۔۔ جو کچھ کہ تھا یہی دلِ خانہ خراب تھا

جوہر

رازِ عرفاں

کلیدِ گنجِ حکمت رازِ عرفانِ الٰہی ہے ۔۔۔ گدا کو اُس کے کوچہ کی نوید بادشاہی ہے
ہر اِک ذرّہ کو اُسکے رتبہ خورشید ہی ہے ۔۔۔ جہاں میں اُسکو شایاں منصبِ عالم پناہی ہے

اشہری

کانٹا

کانٹا ہے ہر اِک جگر میں اٹکا تیرا ۔۔۔ حلقہ ہے ہر اِک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھ کو جانا ہے ضرور ۔۔۔ بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

اکبر

شوقِ ظہور

دید کا اپنی لطف اُٹھانا تھا ۔۔۔ اِک بہانہ مگر بنانا تھا
آپ ہر رنگ میں سمانا تھا ۔۔۔ آپ سے آپ کو چھپانا تھا
تھی یہ شوقِ ظہور کی شوخی ۔۔۔ ورنہ کس نے عدم سے آنا تھا

سازِ حقیقت کی صدا

ہستی کو مری ہستیٔ عالم نہ سمجھنا ۔۔۔ ہوں ہست مگر ہستیٔ عالم سے جدا ہوں
گوش شنوا ہو تو مری رمز کو سمجھے ۔۔۔ حق یہ ہے کہ میں سازِ حقیقت کی صدا ہوں

توحید

صفی

ہے مختفی شانیں ہیں مری جلوہ گری میں ہر رنگ میں میں مظہر انوار خدا ہوں

اے وہ

جسکو بقا نہیں ہے وہ دل کشا نہیں ہے جسکو فنا نہیں ہے اُسکا پتا نہیں ہے

اے وہ کہ بیکسوں کو آتی ہے یاد تیری میرا بھی کچھ سہارا تیرے سوا نہیں ہے

رُوپ

اُس نے ازل سے تا ابد روپ ہی بھرا صورت بدل بدل کے کھائی کہاں کہاں

فضا

کعبہ میں میکدہ میں کلیسا میں اے فضاؔ اُسنے بھی اپنی شکل دکھائی کہاں کہاں

محمل نشین

کھلی ہے دل کی گرہ بمشکل بجز ہمہ تن گداز ہوکر پتا ملا ناز دلبری کا وہ لے سراپا نیاز ہوکر

تمہارا انداز کبریائی غضب کی تھی شانِ خود نمائی وہی تو اب دیتی ہے دکھائی نمودِ خوباں میں ناز ہوکر

کہیں سراپا غرور بنکر کیا ہے محمود نام اپنا کہیں دکھائی نیاز مندی ادائے نازِ ایاز ہوکر

ہے یہ حصول مراد رحمت مٹا دیں آہنگ خود سری کو تمہارے دفتر کا ایک نکتہ جہاں میں آیا ہے راز ہوکر

حمید

حمید کہنا یہ اب ادب سے حرم کے سالارِ کارواں کو

کہ میں نے محمل نشیں کو دیکھا ہے خاک راہِ حجاز ہوکر

سات پردوں میں اگرچہ وہ نہاں رہتا ہے مردمِ چشم کی مانند عیاں رہتا ہے

مسجد و دیر و کلیسا میں ہی ڈھونڈو نہ اُسے جس جگہ اُسکو کوئی ڈھونڈے وہاں رہتا ہے

تیری تصویر تصور میں مرے رہتی ہے تیرا ہی نام مجھے وردِ زباں رہتا ہے

عشق کو تیرے بہت ہم نے چھپایا نہ چھپا شررِ آخر کہیں تنکوں میں نہاں رہتا ہے

مضطر

چند دن قبر کی ٹوٹی ہوئی اینٹیں مضطر

نامور لوگوں کا دنیا میں نشاں رہتا ہے

کسی کی تلاش

(۱)

تاروں بھری رات کی ردا میں مہتاب کے ساغرِ ضیا میں

عاشق کی فغان بے نوا میں آنکھیں مری تجکو ڈھونڈتی ہیں

(۲)

بیتابیٔ موج آب جو میں کوئل کے ترانہ ہائے کو میں
غنچوں کی چٹک میں رنگ و بو میں آنکھیں مری تجکو ڈھونڈتی ہیں

(۳)

گیسوئے سیہ کے پیچ و خم میں برقِ رخِ روشن صنم میں
جادوئے نگار پُرستم میں آنکھیں مری تجکو ڈھونڈتی ہیں

(۴)

بلبل کے بکائے بے اثر میں پروانۂ بے جگر کے پر میں
معصومیٔ دامنِ سحر میں آنکھیں مری تجکو ڈھونڈتی ہیں

(۵)

فریادِ دلِ حزیں کی نے میں بیکس کی دعا دکھی کی ے میں
شوخی و سرور و رنگِ مے میں آنکھیں مری تجکو ڈھونڈتی ہیں

(۶)

انوارِ جبین نازنیں میں دنبالۂ چشم سُرمگیں میں
پہنائے مکانِ دل کیں میں آنکھیں مری تجکو ڈھونڈتی ہیں

حکیم احمد شجاع

نورِ وحدت

وہ رنگ کہیں لعل بدخشان میں آیا نیلم میں کہیں گوہرِ غلطان میں آیا
یاقوت میں الماس میں مرجان میں آیا جب حُسنِ ازل پردۂ امکان میں آیا
بے رنگ بھی رنگ ہر اک شان میں آیا

بو ہو کے ہر اک پھول کی پتی میں بسا ہے موتی میں ہوا آب ستاروں میں ضیا ہے
تنہا وہ ہماری نہ شہ رگ سے ملا ہے نزدیک ہے وہ سب سے جہاں اُس سے بھرا ہے
جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا

کیا قمریِ دل سوختہ کیا بلبل نالاں — کیا باغ چمن بختہ کیا زیرِ خیاباں
سب مل کے یہی بات پکاریں ہیں اک آں — گل بھی وہی سنبل وہی نرگس وہی ریحاں

اپنے ہی تماشے کو گلستان میں آیا

کیا ارض و سما حور و ملک دیو پری جن — کیا وحشی و طائر نہیں الکدم کوئی اُس بن
ہر رات یہی بات یہی ذکر ہے ہر چھن — اوّل وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن

مذکور یہی آیتِ قرآن میں آیا

ماٹی سے کہیں خاک کا پتلا وہ ہوا ہے — یا روح بن اس خاک کے پتلے میں گھسا ہے
آپ ہی تو بنایا ہے اور آپ ہی وہ بنا ہے — حرمت سے ملائک نے اُسے سجدہ کیا ہے

جس وقت کہ وہ صورتِ انسان میں آیا

آگ کہیں دیتا ہے وہ سینے میں لگا آگ — اور حال کہیں کرتا ہے لا منہ کے اوپر جھاگ
جو اسکے شناسا ہیں وہ یہ کہتے ہیں بے لاگ — مطرب وہی آواز وہی ساز وہی راگ

ہر راگ میں بولا وہ ہر اک تان میں آیا

کیا چمپئی کیا پستئی کیا اخضر و احمر — کیا سوسنی کیا کشمشی کیا ابیض و اصفر
اب مثل نظیر اس چمنِ دہر کے اندر — بے رنگ کے رنگوں کو ذرا دیکھ لے اصغر

سو طرح کے عالم میں خیابان میں آیا

مناظرۂ شمع و دل

شمعِ سوزاں نے فروغِ دل سے جل کر یوں کہا — اے میاں بتلا تو اپنے آپ کو سمجھا ہے کیا
مہر و مہ کے بعد روشن ہے جہاں میں میری ذات — ہو شبِ یلدا منوّر مجھ سے بزمِ کائنات
مجھ سے روشن ہیں مکیں اور مجھ سے نوری ہیں مکاں — جگمگاتی ہے مرے دم سے شبستانِ جہاں
مشترک میری تجلّی نار سے اور نور سے — اک طرح منسوب ہوں بجلی چراغِ طور سے
جس کی ظلمت میں نہ سوجھے آدمی کی بات تک — گو سبق مشکل سے مشکل ہو پڑھا دوں رات تک
میں نے پائی سوزشِ ضو بخش بھی ضو بار بھی — مجھ کو حاصل خامشی بھی گرمیِ گفتار بھی
سامنے مہرِ درخشاں کے اگرچہ ماند ہوں — رات کے پردے میں لیکن میں بھی گھر کا چاند ہوں

جن کی آنکھوں میں سچا ہے میرا حُسن آتشیں — وہ جمال مہر و مہ کو جانتے کچھ بھی نہیں
جنکو میری لَو لگی ہے آئیں گے پر آئیں گے — دیکھتا جا صبح تک کتنے فدا ہو جائیں گے

(۲)

پہلوئے انساں میں تو ہے گوشت کا اک لوتھڑا — وہی انساں جو کہ ہے مشہور پُتلا خاک کا
خود جو اُلٹا ہے سمجھ بھی کیوں نہ اُلٹی ہو تری — نور کا دم مارنا اللہ رے تیری دم زنی
میری ہستی کے مقابل تیری ہستی کچھ نہیں — ہے زمیں یا آسماں پر روشنی تیری کہیں
خاک ہی جب بند ہے سینے ہی میں تیرا فروغ — دیکھنے میں جو نہ آئے اُسکو مانیں گے دروغ

(۳)

ہو کے پانی پانی دل نے تب کہا با انکسار — اے بڑی بی! تھام لے اب تو زبانِ پُرشرار
مثل شعلہ کانپ دل میں خطرۂ گلگیر سے — مُنہ میں چھالے پڑ گئے ہیں گرمیٔ تقریر سے
اسقدر چربی تری آنکھوں کے آگے چھا گئی — تیری بینائی کو یا تیری نظر ہی کھا گئی
نور میرا سوجھتا تجھ کو نہیں اندھیر ہے — ہاں تری روشن دماغی کا یہ الٹا پھیر ہے
کون دنیا میں تری تنویر سے ہی بے خبر — میرا جلوہ دیکھتی ہے چشم باطن ہی مگر
نور عرفانِ حقیقت سے تجلی بار ہوں — نور پہ نازاں ہے تو میں مطلعِ انوار ہوں
مجھ کو جس کی لَو لگی ہے نور ہی وہ اَور ہے — مجھ میں ہے جس کی تجلی طور ہی وہ اَور ہے
گوشت کا ٹکڑا ہوں ذرہ خاک کا صد بار ہوں — یہ شرف کم ہے کہ آخر جلوہ گاہِ یار ہوں
مجھ میں جائے درد ہے مجھ میں مقامِ سوز ہے — ذرہ ذرہ خاک کا میری جہاں افروز ہے
میں اگر اُٹھوں تو سیدھے کب رہیں ارض و سما — محفل پُر نور ہی ہو یک بیک ظلمت سرا
میری ہستی سے ہوئی ہے تیری ہستی آشکار — میری ہستی کے ہیں یاں تجھ سے کرشمے بیشمار
جلوہ گر ہے نور سے میرے ہی بزمِ کُن فکاں — نور سے میرے ہی روشن ہے زمین و آسماں
مجھ میں نور عشق ہے میں ہوں تجلی گاہِ عشق — مجھ سے قائم ہے فقط دنیا میں رسم و راہِ عشق
مجھ سے روشن ہیں نگاہیں مجھسے روشن ہیں خیال — میرے آئینے میں مستقبل نظر آتا ہے حال
نور سے میرے ہی اسرارِ نہاں آئینہ ہوں — میں نہ ہوں تو نکتہ بینانِ جہاں نابینا ہوں

ایک جھونکے سے فنا ہو جائے تیری زندگی ۔۔۔ ہے محبت کی کڑی چوٹوں سے میری زندگی
موم بتی! آگ کی محتاج تیری روشنی ۔۔۔ جلوۂ نورِ ازل سے تا ابد ہوں میں غنی
نور وہ تیرا ہے جو محبوس ہے محدود ہے ۔۔۔ نور کا میرے کرشمہ ہر جگہ موجود ہے
نور تیرا عارضی ہے، ظاہری ہے مستعار ۔۔۔ نور میرا ہے حقیقی باطنی اور پائیدار
عشق کی راہوں میں تیری روشنی کو دخل کب ۔۔۔ نور سے میرے منور ہو رہی ہیں سب کی سب
اور ہے تیری ضیا میری ضیا کچھ اور ہے ۔۔۔ سوز میرا اور ہی ہے سوز تیرا اور ہے

(۴)

کب جھڑا تھا پھول کوئی میری شمعِ نور کا ۔۔۔ نام کرتا تھا مجھے روشن چراغِ طور کا
جلوہ گر وہ نور باقی مجھ میں ہے آٹھوں پہر ۔۔۔ جس سے پُتلا خاک کا ہے غیرتِ شمس و قمر
ہیں وہ ظاہر بیں جنہوں کی تجھ پہ پڑتی ہے نظر ۔۔۔ اہلِ باطن کی ہمیشہ مجھ سے لڑتی ہے نظر
میری خاموشی میں پنہاں شورشِ بازار ہے ۔۔۔ اہلِ معنی ہوں خموشی ہی مری گفتار ہے
میں نہیں تو کون ہے پھر جانِ عالم کون ہے ۔۔۔ میں نہیں تو افتخارِ ابنِ آدم کون ہے

(۵)

اس بیاں پر شمع اشکِ آتشیں رونے لگی ۔۔۔ موم سے پانی پگھلکر نیم تن ہونے لگی
ہوگئے کافور خود پردے دوئی کے آنکھ سے ۔۔۔ شمع کی ضو نور سے ملنے لگی پھر دوڑ کے
دونوں پانی ہوگئے، پانی میں پانی مل گیا ۔۔۔ شیر کی آنکھیں کھلیں دیکھا تو پھر کچھ بھی نہ تھا

بچہ اور شمع

کیسی حیرانی ہے یہ اے طفلکِ پروانہ خو ۔۔۔ شمع کے شعلے کو گھڑیوں دیکھتا رہتا ہے تو
یہ مری آغوش میں بیٹھی ہوئی جنبش ہے کیا ۔۔۔ روشنی سے کیا بغلگیری ہے تیرا مدعا
اس نظارے سے ترا ننھا سا دل حیران ہے ۔۔۔ یہ کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر پہچان ہے
شمع اک شعلہ ہے لیکن تو سراپا نور ہے ۔۔۔ آہ! اس محفل میں یہ عریاں ہے تو مستور ہے
دستِ قدرت نے اسے کیا جانے کیوں عریاں کیا ۔۔۔ تجھ کو خاکِ تیرہ کے فانوس میں پنہاں کیا
نور تیرا چھپ گیا زیرِ نقابِ آگہی ۔۔۔ ہے غبارِ دیدۂ بینا حجابِ آگہی

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ
خواب ہے غفلت ہی سرمستی ہے بیہوشی ہے یہ

محفل قدرت ہی اک دریائے بے پایان حسن
دیکھتی ہے آنکھ ہر قطرے میں یاں طوفان حسن

حسن کوہستاں کی ہیبتناک خاموشی میں ہے
مہر کی ضوگستری شب کی سیاہ پوشی میں ہے

آسمانِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے یہ
شام کی ظلمت شفق کی گل فروشی میں ہے یہ

عظمتِ دیرینہ کے مٹتے ہوئے آثار میں
طفلکِ ناآشنا کی کوششِ گفتار میں

ساکنانِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
ننھے ننھے طائروں کی آشیاں سازی میں ہے

چشمۂ کوہسار میں، دریا کی آزادی میں حسن
شہر میں صحرا میں ویرانی میں آبادی میں حسن

روح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوس
ورنہ اس صحرا میں کیوں نالاں ہے یہ مثلِ جرس

حسن کے اس عام جلوے میں بھی یہ بیتاب ہے
زندگی اسکی مثالِ ماہیٔ بے آب ہے

اقبال

بادۂ وحدت

بادۂ وحدت سے پُر جب دل کا پیمانہ رہے
جز خدا کے کچھ نہ سوجھے ایسا مستانہ رہے

مے رہے شیشہ میں شیشہ دلمیں دل دلدار میں
غیر سے پوشیدہ یہ وحدت کا میخانہ رہے

یادِ حق کے ساتھ ہی عشقِ صنم بھی دلمیں ہو
کعبے کا کعبہ یہ بُت خانے کا بُتخانہ رہے

باغباں پیرِ مغاں ساقی بنے فصلِ بہار
بادۂ نکہت سے پُر ہر گل کا پیمانہ رہے

اے جنوں! تیرا تجمل تو جبھی معلوم ہو
پیچھے پیچھے فوج طفلاں آگے دیوانہ رہے

عشق میں ساقیٔ کوثر کے جو مستانہ رہے
بزم میں شیشہ رہے اسکی نہ پیمانہ رہے

خیر خُم یک جام مے ہمکو بھی ہو جائے عطا
حشر تک آباد ساقی تیرا مے خانہ رہے

اک نہ اک دن یار کے دلمیں اثر ہو جائیگا
آہ جو دلکش رہے نالہ بھی مستانہ رہے

جائینگے سو بار زاہد حج کو ہم بھی بادہ خوار
فی سبیل اللہ اگر کعبے میں میخانہ رہے

یاالٰہی دل میں سوزِ عشق جانانہ رہے
اُس کا میرا حال مثلِ شمع و پروانہ رہے

اے صنم! تیرا مکاں گر آئینہ خانہ رہے
خود تو اپنی چاند سی صورت پہ دیوانہ رہے

ماسوی اللہ سے خالی دل کا کاشانہ رہے
آپ اپنی شکل پر تو یار دیوانہ رہے

اے بتو! تم دیکھ بھی لو یہ خدا کی شان ہے
ہو وہ کعبہ جو ہزاروں سال بُتخانہ رہے

واہ واکیا بات ہے آشہر تمہاری واہ واہ　　صوفیوں میں صوفی اور رندوں میں رندانہ رہے
میں شبلی آنکھ کا ساقی کی آفت مست ہوں　　ہاتھ میں شیشہ رہے میرے نہ پیمانہ رہے

تورے درشن کی آس لگی

او آسماں کے خالق او آسمان والے　　دونوں جہاں کے مالک دونوں جہان والے
اے بے مثال و یکتا کون و مکان والے　　ارض و سما کے داتا بے مثل شان والے

موسیٰ کی طرح اک دن جلوہ مجھے دکھا دے
ہوں طالب تجلی بے خود مجھے بنا دے

جب سے سنا کہ جنگل تیرا مقام ہو ہے　　ویرانیوں میں جب سے تیری ہی جستجو ہے
اب وادیوں میں تیرے ملنے کی آرزو ہے　　مقصد ہے تیرا ملنا مقصود خاص تو ہے

موسیٰ کی طرح اک دن جلوہ مجھے دکھا دے
ہوں طالب تجلی بے خود مجھے بنا دے

تیرا نگار خانہ گلزار کو سنا ہے　　ہر شاخ پر نشیمن میں نے بنا لیا ہے
ہر پھول ہر کلی میں دل تجھکو ڈھونڈتا ہے　　مثل شمیم مجھ سے تو کیوں چھپا ہوا ہے

موسیٰ کی طرح اک دن جلوہ مجھے دکھا دے
ہوں طالب تجلی بے خود مجھے بنا دے

جب سے سنا ہے ہم نے کعبہ میں تیرا گھر ہے　　در پر پڑا ہوا ہوں چوکھٹ پہ میرا سر ہے
محمل کے دامنوں پہ ہر دم مری نظر ہے　　اسود کی چادروں میں تو بول اُٹھ کدھر ہے

موسیٰ کی طرح اک دن جلوہ مجھے دکھا دے
ہوں طالب تجلی بے خود مجھے بنا دے

ہر بت کو جا کے پوجا مندر میں برہمن کے　　شاید چھپا ہوا ہو تو آب و رنگ بن کے
دیکھے ہزار ہا بت سونا زسو پھبن کے　　آثار قلب میں ہیں لیکن وہی جلن کے

موسیٰ کی طرح اک دن جلوہ مجھے دکھا دے
ہوں طالب تجلی بے خود مجھے بنا دے

تو طور پر ہوا تھا اِک روز جلوہ آرا
ایمن کی وادیوں میں پنہان و آشکارا
جلوے کی حسرتوں نے مجکو بہت اُبھارا
میں طور پر بھی پونچا ہر سو تجھے پکارا
موسیٰؑ کی طرح اک دن جلوہ مجھے دکھا دے
ہوں طالبِ تجلّی بے خود مجھے بنا دے

میں تیری جستجو میں کبتک رہوں بھٹکتا
کانٹا رہے جگر میں کب تک یونہی کھٹکتا
آنکھوں سے اشکِ حسرت کبتک رہے ٹپکتا
کبتک رہوں الٰہی حسرت سے سر پٹکتا
موسیٰؑ کی طرح اِک دن جلوہ مجھے دکھا دے
ہوں طالبِ تجلّی بے خود مجھے بنا دے

پچھلے پہر کی ٹھنڈی اور جانفزا فضا میں
تاروں کی روشنی میں اور چاند کی ضیا میں
ہر مطلعِ سحر میں ہر صبح باصفا میں
خورشید کی کرن میں اور سانولی گھٹا میں
موسیٰؑ کی طرح اِک دن جلوہ مجھے دکھا دے
ہوں طالبِ تجلّی بے خود مجھے بنا دے

رمضان میں جوکی ہیں مخصوص تونے راتیں
معلوم ہو وہ کیونکر اسرار کی ہیں باتیں
دل کر رہا ہے تیرے دیدار ہی کی گھاتیں
موقوف ہیں تجھی پر ارمان کی نجاتیں
موسیٰؑ کی طرح اک دن جلوہ مجھے دکھا دے
ہوں طالبِ تجلّی بے خود مجھے بنا دے

میں یار تیرے جلوے سرشار ہوکے دیکھوں
کیفِ خودی مٹا دوں ہُشیار ہوکے دیکھوں
سر اور دل و جگر سے تیار ہوکے دیکھوں
ہر طرح جاں فدائے انوار ہوکے دیکھوں
موسیٰؑ کی طرح اِک دن جلوہ مجھے دکھا دے
ہوں طالبِ تجلّی بے خود مجھے بنا دے

سیماب صدیقی الوارثی
اکبرآبادی

چراغِ عقل

دُرِ شہوار بحر کو بخشا
کوہ کو لعلِ شب چراغ دیا
زندگانی کی راہ تھی تاریک
اِس لیئے عقل کا چراغ دیا

ہے تعجب کہ دیدیا سب کچھ لیکن اپنا نہ کچھ سُراغ دیا

ہرجائی

سارے جہاں کے دلمیں تیرا مقام نکلا تو ہم سے بھی زیادہ رسوائے عام نکلا

ہر ایک شئے میں پنہاں تیرا مقام نکلا توڑا جو بُتکدے کو بیت الحرام نکلا

کشکولِ توکّل

رنج دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں جُز غمِ آلِ عبا ہم اور غم رکھتے نہیں

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم واں قدم رکھتے نہیں

دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھرینگے اُن کے سر آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

یہ دوات و خامہ ہی مُلکِ فصاحت کا نشاں کون کہتا ہی کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں

دوڑ کے اُسکے لیا ہی ہم نے میدانِ سخن اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں

ایک کشکولِ توکّل ایک نقدِ جاں ہے پاس ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں

جو سخی ہیں مالِ دُنیا سے ہیں خالی اُنکے ہاتھ اہلِ دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں

یہ مکاں محبوبِ حق کا ہے نہ آنا اس طرف بے اجازت یاں ملائک بھی قدم رکھتے نہیں

تُو ہی تُو

نہ دوست اور نہ کسی کا کوئی عدو نکلے اگر یہ نقش مٹا دیں تو تُو ہی تُو نکلے

عجب نہیں کوئی میخانہ راہ میں مل جائے جو گھر سے نکلے تو انسان باوضو نکلے

میں تھک گیا بہت اسکی تلاش میں ای موت بدن سے روح بس اب بہرِ جستجو نکلے

آئینِ مُسلم

ہوکے خاک عالم میں تیرے کشتگاں پھرنے لگے مصر میں جیسے غبارِ کارواں پھرنے لگے

ہم ازل سے ہیں کسی کے آستاں کے جبہ سا ڈر نہیں ہم سے اگر اب آسماں پھرنے لگے

گر ترے در سے نگاہ آسماں پھرنے لگے کاسہ گردانی کرے بے آب و ناں پھرنے لگے

تیری بخشش منشیِ گردوں کا بستہ چھین لے
گر ترے آئین سے اپنے نکتہ داں پھرنے لگے

قند مکرر

ـے ایواں ہے ترا گنبد اخضر سے زیادہ

ـپر دیتا ہے مزا قندِ مکرر سے زیادہ — الگزنڈر ہیڈلی آزاد

گلہ اُن کا

کیا گلہ اُن کا ہمیں تم میں وہ مستور رہے

سے باہر

ہر پھر کے سمجھ ہے گرد اُسکے جو حدِ خرد سے باہر ہے — اکبر الٰہ آبادی

سر دُھنا

سر دُھنا شمع نے جس وقت ہوا بھی آئی — تسنیم

نگاہ

وہ رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا — غالب

ہی جلوہ

ایک ہی جلوہ ہے اُسکا کافر و دیندار میں — جوہر

بت پرستی

بت پرستی چھوڑ دیں تربت پرستی چھوڑ دیں — جوہر

گل

چھوڑو سجدہ کرنا اے خانہ پرستو طاق کو — جوہر

کا سامنا

تو پھر ہم ہیں اور سامنا ہے کسی کا — اسد

گاہ سرکشاں

تیرے در پہ آکے ہر سرکش نے سر رکھ دیا

توحید

چلے توحید کا سکہ ازل سے تا ابد اُسکا — اشہری

تلاطم ہو

تم نہیں ہیں ہوں میں نہیں تم ہو
صاف کہدوں تو اک تلاطم ہو

صمد تو ہے

ابد سے تا ازل تو ہے ازل سے تا ابد تو ہے
خدایا سارے عالم میں احد تو ہے صمد تو ہے

تیرا ظہور

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا

بے نشاں کا نشاں

مکیں بھی ہمیں لامکاں بھی ہمیں ہیں
کسی بے نشاں کے نشاں بھی ہمیں ہیں

روئے جاناں

دل بیتاب ترا ہم غیر میں اُلجھا رہا ورنہ
یہاں ہر نفس تھا بالذات نقشہ روئے جاناں کا

جلوۂ حق

بُتوں سے جلوۂ حق کا ظہور ہوتا ہے
عجیب خاک کے پُتلوں میں نور ہوتا ہے

فیض کرم

فیض نیسان کرم سے بے زباں تک سیر ہیں
رزق پہنچاتا ہے رازق مُنہ صدف کا چیر کر

یادگار

تھا حُسن میں نہ رنگ ادا کا نہ ناز کا
یہ نقش یادگار ہے آئینہ ساز کا

جامِ حقیقت

ساقی نے مستِ جامِ حقیقت بنا دیا
آنکھیں ملا کے مجکو خدا سے ملا دیا

چُپ

حق کہا منصور نے تو بھی چڑھایا دار پر
اِس لیئے رہتے ہیں ہم وقفِ اسرار چُپ

محبت تیری

باغ میں بلبل و گل بزم میں پروانہ و شمع
بھیس بدلے ہوئے پھرتی ہے محبت تیری

خدا اور ہم

دریا سے موج موج سے دریا نہیں الگ
ہم سے جدا نہیں ہے خدا اور خدا سے ہم

سب کا تو

دلِ گبرو مومن میں تیری جگہ ہے
صنم ہے کسی کا خدا ہے کسی کا

ہمہ اوست

جیسا کہ تم آئینہ میں ہو اور نہیں ہو
ویسے ہی ہر اک شے میں خدا ہی ہی نہیں بھی

تیری داستان

بہار آئی ہے اک آئینہ معنی نشاں ہو کر
چمن میں بوئے گل پھیلی ہے تیری داستاں ہو کر

رازدان

کیا اچھا جنھوں نے دار پر منصور کو کھینچا
کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا رازداں ہو کر

نگاہ زمانہ

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

حقیقت کی آنکھ

پردہ دوئی کا اُٹھ گیا وحدت کی آنکھ سے
دیکھو مجاز کو جو حقیقت کی آنکھ سے

چشم حق بیں

چشم حق بیں کو جہاں میں کفر سے کیا کام ہے
ہر صنم خانہ نظر میں کعبۂ اسلام ہے

منصور میں آپ

آدمی کا منہ ہے جو دعویٰ خدائی کا کرے
بولتے ہیں آپ حضرت نام ہے منصور کا

خواہشِ دید

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفو بندہ نواز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں مذاق ہے نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

تجھے کیا بتائیے ہمنشیں ہمیں موت میں جو مزا ملا
نہ ملا مسیح و خضر کو بھی وہ نشاط عمر دراز میں

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

نظم

مہر میں روپ دکھاتے تجھے دیکھا ہم نے ماہ میں ماتھا جھکاتے تجھے دیکھا ہم نے

نرم آواز نسیموں میں تری ہم نے سُنی آنکھ تارے میں لڑاتے تجھے دیکھا ہم نے

آبشاروں میں ترا نغمۂ زیبا پایا پھول میں ہونٹ دکھاتے تجھے دیکھا ہمنے

رعد میں غصہ بھرا حکم تیرا ہم نے سُنا برق میں ہنستے ہنساتے تجھے دیکھا ہمنے

سینچ کر خشک زمیں اپنے غلاموں کیلئے کھیتیاں سبز اگاتے تجھے دیکھا ہم نے

چند عنایات تری ہوں تو گنی بھی جائیں فضل کا سیل بہاتے تجھے دیکھا ہمنے

نعرہ مستانہ

تو جا بجا ہے تو سُو بسُو ہے تو کُو بکُو ہے تو مُو بمُو ہے

ظاہر بھی تُو ہے مظہر بھی تُو ہے ہر سمت اپنے خود روبرو ہے

جلوہ بھی تیرا آنکھیں بھی تیری منظور بھی تُو ناظر بھی تو ہے

جو بندہ تو ہے یا بندہ تو ہے مطلوب تُو جستجو بھی تو ہے

دار الحرم میں بیت الصنم میں تیری طلب میں اک ہاؤ ہو ہے

صحن چمن میں جنگل میں بن میں تو رنگ و بو ہے نشو و نمو ہے

رمزِ نہاں تو رازِ عیاں تو نایاب بھی تو حاصل بھی ہے

تُو تُو کہاں ہے؟ جب میں نہیں ہوں جو کچھ ہے سو ہے میں ہوں نہ تو ہے

تیری لگن تھی تو مل گیا جب نیرنگ کو پھر کیا آرزو ہے

نغمہ

صبح کی پرتو میں ہے جلوہ ترا رات کے تاروں میں ہے تیری ضیا

پھر بھی میں تجھکو نہیں پہچانتا

قابلِ عبرت ہے دنیا کا نظام تخت اگر ہے آج، تو کل بوریا

پھر بھی میں تجھکو نہیں پہچانتا

دیدنی ہے مقبروں کی خواب گاہ ایک ہی بستر پہ ہیں شاہ و گدا

پھر بھی میں تجکو نہیں پہچانتا

غنچۂ شاداب صحن باغ میں مسکراتے ہی پریشاں ہوگیا

پھر بھی میں تجکو نہیں پہچانتا

بیٹھتے دیکھے حباب آسا جہاز ڈوبتے دیکھے سفینے بارہا

پھر بھی میں تجکو نہیں پہچانتا

زندگی نے سینکڑوں ساماں کیے موت نے آکر پشیماں کردیا

پھر بھی میں تجکو نہیں پہچانتا

ذرّے ذرّے سے عیاں ہے انقلاب لمحے لمحے میں بدلتی ہے ہوا

پھر بھی میں تجکو نہیں پہچانتا

دب گئے کیا کیا خزانے خاک میں چل بسے کیا کیا عزیز و آشنا

پھر بھی میں تجکو نہیں پہچانتا

اُٹھ گئے ایک ایک کرکے دہر سے کیسے کیسے دوستانِ باصفا

پھر بھی میں تجکو نہیں پہچانتا

چاند کے ٹکڑے جنہیں کہتے تھے لوگ خاک کے پیوند ہیں وہ مہ لقا

پھر بھی میں تجکو نہیں پہچانتا

جاگنا سیکھا تھا جنسے روح نے سو رہے ہیں قبر میں وہ دلربا

پھر بھی میں تجکو نہیں پہچانتا

اُن کو رکھا ہے اندھیری قبر میں جنسے وابستہ تھا جینے کا مزا

پھر بھی میں تجکو نہیں پہچانتا

صبح کو تھا نغمۂ ساز و سرود شام کو ہے گریہ و آہ و بکا

پھر بھی میں تجکو نہیں پہچانتا

خود بخود اُٹھتی ہے دلمیں ہوک سی صبح کو چلتی ہے جب ٹھنڈی ہوا

پھر بھی میں تجکو نہیں پہچانتا

اس طلسم حیرت و نیرنگ کی جانتا ہوں ابتدا و انتہا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

واہ کیا ساماں ہیں میرے واسطے خشک سالی جنگ محکومی و با
پھر بھی میں تجھکو نہیں پہچانتا

مٹتے دیکھیں آرزوئیں بے شمار ٹوٹتے دیکھے ارادے بارہا
پھر بھی میں تجھکو نہیں پہچانتا

جل اٹھی شمع تمنائے یزید گل ہوا فانوس بزم کربلا
پھر بھی میں تجھکو نہیں پہچانتا

اب بھی چونکا دے جوش گہری نیند سے شب کے سناٹے میں آتی ہے صدا
پھر بھی میں تجھکو نہیں پہچانتا

حضرت قادری

مے بیخودی کا جام پی اپنی خودی سے درگزر اے سالک راہ صفا یہ راہ ہے نزدیک تر
اسباب ہستی دور کر رہ عشق میں چالاک ہو بے رخت ہو جب راہ رو پھر اسکو کیا خوف و خطر
دیکھ اپنے دل میں یار کو یہ خاص خلوت خانہ ہے دیوانگی ہے سربسر ڈھونڈے اگر تو بحر و بر

سراپا گمان

اگرچہ میں سیر بتاں دیکھتا ہوں ولے جلوۂ حق عیاں دیکھتا ہوں
ازل سے ابد تک جو کثرت ہے پیدا سو وحدت کا دریا عیاں دیکھتا ہوں
نیاز اب کہوں کس سے راز حقیقت
یہ عالم سراپا گماں دیکھتا ہوں

نعت

نگاہ عاشق کی ڈھونڈ لیتی ہے پردۂ میم کو اُٹھا کر ۔۔۔ وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

بتائے دیتے ہیں اے صبا ہم یہ گلستانِ عرب کی بو ہے ۔۔۔ مگر نہ اب ہاتھ آنے والا ہے تو کو میں سے تو لالی ہے اُڑا کر

بہارِ جنت کو کھینچتا تھا مجھے مدینے سے آج رضواں ۔۔۔ ہزار مشکل سے اُسکو ٹالا بڑے بہانے بنا بنا کر

شہیدِ عشقِ نبی کے مرنے میں بانکپن بھی ہیں سو طرح کے ۔۔۔ اجل بھی کہتی ہے زندہ باشی ہے آئے مرنے پہ زہر کھا کر

شہیدِ عشقِ نبی ہوں میری لحد پہ شمعِ قمر جلیگی ۔۔۔ اُٹھا کے لائینگے خود فرشتے چراغ خورشید سے جلا کر

لحد میں سجدے ہیں تیرے شیدا تو حورِ جنت کو ہمیں کیا ہو ۔۔۔ کہ شورِ محشر کو بھیجتی ہے خبر نہیں کیا سکھا سکھا کر

ہنسی بھی کچھ کچھ نکل رہی ہے مجھے بھی محشر میں تاکتی ہے ۔۔۔ کہیں شفاعت نہ لیگئی ہو مری کتابِ عمل اُٹھا کر

رکھی ہوئی کام آہی جاتی ہے جنسِ عصیاں عجیب شے ہے ۔۔۔ کوئی اُسے پوچھتا پھرے ہے زرِ شفاعت دکھا دکھا کر

خیالِ راہِ عدم سے اقبال در پہ تیرے ہوا ہے حاضر ۔۔۔ بغل میں زادِ عمل نہیں ہے صلہ مری نعت کا عطا کر

یہ ہی تو ہیں

شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ نور الہدیٰ، یہ ہی تو ہیں ۔۔۔ عاشق ہوا جن پر خدا وہ دلربا، یہ ہی تو ہیں

عالی النسب والا حسب جن کا سنا تو نے لقب ۔۔۔ یعنی محمد مصطفےٰ وہ مجتبےٰ، یہ ہی تو ہیں

ہیں اولین و آخریں اور وہ شفیع المذنبیں ۔۔۔ وہ رحمۃ للعالمیں ابر سخا، یہ ہی تو ہیں

وہ سایۂ ذاتِ احد وہ مظہرِ نورِ صمد ۔۔۔ فرماں روائے نیک و بد خیر الوریٰ، یہ ہی تو ہیں

شبدیز کی ہے یہ دعا پہنچے مدینے میں گدا ۔۔۔ کہتا ہوا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ، یہ ہی تو ہیں

صلے اللہ علیہ وسلم

خلق کے سرور شافعِ محشر صلے اللہ علیہ وسلم ۔۔۔ مرسل داور خاص پیمبر صلے اللہ علیہ وسلم

نورِ مجسم نیرِ اعظم سرورِ عالم مونسِ آدم ۔۔۔ نوح کے ہمدم خضر کے رہبر صلے اللہ علیہ وسلم

بحرِ سخاوت کانِ مروت آیۂ رحمت شافعِ امت ۔۔۔ مالکِ جنت قاسمِ کوثر صلے اللہ علیہ وسلم

رہبرِ موسیٰ ہادیٔ عیسیٰ تارکِ دنیا مالکِ عقبیٰ ۔۔۔ ہاتھ کا تکیہ خاک کا بستر صلے اللہ علیہ وسلم

فخرِ عیاں ہیں عرش مکاں ہیں شاہِ شہاں ہیں سیف زباں ہیں ۔۔۔ سب پہ عیاں ہیں آپ کے جوہر صلے اللہ علیہ وسلم

مہرے مملو ریشہ ریشہ نعت امیر ہے اپنا پیشہ   وردِ ہمیشہ رہتا ہے اکثر صلے اللہ علیہ وسلم

آجا

دلِ بیتاب کو سینے سے لگالے آجا   کہ سنبھلتا نہیں کمبخت سنبھالے آجا
پاؤں ہیں طولِ شبِ غم نے نکالے آجا   خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹالے آجا
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

صورتِ سایہ ہوں افتادہ اُٹھالے آجا   ایڑیاں خستہ ہیں اور زخم ہیں آلے آجا
خارِ صحرا میں زبانیں ہیں نکالے آجا   بیکسی پر مری خوں روتے ہیں چھالے آجا
راہ میں چھوڑ گئے قافلے والے آجا

نہیں خورشید کو ملتا ترے سایہ کا پتا   کہ بنا نورِ ازل سے ہے سراپا تیرا
اللہ اللہ ترے چاند سے مکھڑے کی ضیا   کون ہے ماہِ عرب کون ہے محبوبِ خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

اے مسیحا ترے بیماروں میں کیا رکھا ہے   رختِ ہستی ترے کوچہ سے اٹھا رکھا ہے
تری فرقت میں وصال اُٹھا ہوا رکھا ہے   دم تری دید کو آنکھوں میں لگا رکھا ہے
لے رہے ہیں ترے بیمار سنبھالے آجا

دل ہی دل میں مرے ارمان گھلے جاتے ہیں   خاک پر گر کے دُرِ اشک رُلے جاتے ہیں
مری رسوائی پہ کم بخت تُلے جاتے ہیں   ہوں سیہ کار مرے عیب کھُلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا

ہائے واماندگی و وسعتِ دامانِ صراط   المدد المدد اے خضرِ بیابانِ صراط
ہر قدم پر نگہِ یاس ہے بیارانِ صراط   دیکھتے ہیں تجھے پھر پھر کے ضعیفانِ صراط
ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا

کان میں کچھ جو ادھر عذرِ زرکت نے کہا   مرحبا بڑھ کے ادھر شاہدِ وحدت نے کہا
آبلائیں تری لوں جوشِ محبت نے کہا   پہنچا محبوب ترے مشاطۂ رحمت نے کہا
خلوتِ راز میں اے ناز کے پالے آجا

تیرے دیوانے کو زنجیر طلائی بخشی　　جوہر آئینۂ دل کو صفائی بخشی
بادشاہوں کو ترے در کی گدائی بخشی　　ہم نے خوش ہو کے تجھے ساری خدائی بخشی
اپنے بندوں کو کیا تیرے حوالے آجا

بھینی بھینی گل توحید کی نکہت ہے یہاں　　واہ کیا رنگ ہم آہنگی صحبت ہے یہاں
ابر رحمت ہے یہاں بجلئ محبت ہے یہاں　　رنگ وحدت ہے یہاں غنچۂ خلوت ہے یہاں
اے گل گلشن لولاک لما اے آجا

آبگینہ ہے مئے درد نہاں کا سینہ　　یا زمانہ ہے کوئی سوز نہاں کا سینہ
تختۂ گل ہے ترے سوختہ جانوں کا سینہ　　صورت لالہ ہے پر داغ جہاں کا سینہ
پڑ رہے ہیں ترے بیمار کے لالے آجا

شمع ہدایت

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں　　اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو　　یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا　　وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے　　ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

حضرت خاتم النبیین صلعم

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا　　بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا　　قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس اک آن میں اسکی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی عرب کی زمیں جسنے ساری ہلادی
نئی اک لگن سب کے دل میں لگادی اک آواز میں سوتی بستی جگادی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

سبق پھر شریعت کا اُن کو پڑھایا حقیقت کا گُر اُن کو اک اک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا

کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیئے ایک پردہ اُٹھا کر

کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیماں بھلائے تھے بندوں نے مالک کے فرماں
زمانے میں تھا دورِ صہبائے بطلاں مئے حق سے محرم نہ تھی بزمِ دوراں

اچھوتا تھا توحید کا جام اب تک
خمِ معرفت کا تھا منہ خام اب تک

نہ واقف تھے انساں قضا اور جزا سے نہ آگاہ تھے مبدا و منتہا سے
لگائی تھی اک اک نے لو ماسوا سے پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے

یہ سنتے ہی تھرّا گیا گلہ سارا
یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرمان طاعت کے لائق اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اپنی اُس سے لگاؤ

جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ

اُسی پہ ہمیشہ بھروسہ کرو تم ‏ ‏ اُسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اُسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم ‏ ‏ اُسی کی طلب میں مرو گر مرو تم

مبرّا ہے شرکت سے اُسکی خدائی
نہیں اُسکے آگے کسیکی بڑائی

اسی طرح دل اُنکا اِک اِک سے توڑا ‏ ‏ ہر اک قبلۂ کج سے مُنہ اُنکا موڑا
کہیں ماسوے کا علاقہ نہ چھوڑا ‏ ‏ خداوند سے رشتہ بندوں کا جوڑا

کبھی کے جو پھرتے تھے مالک سے بھاگے
دیے سر جھکا اُن کے مالک کے آگے

نعت

زبانیں رُک گئیں سر جھک گئے خیرہ ہوئیں آنکھیں ‏ ‏ نقاب اُلٹے ہوئے کون آگیا محشر کے میدانیں
چمک ہی درد کی یا دل سے آہِ آتشیں نکلی ‏ ‏ یہ کیسی روشنی ہے کوچہ چاکِ گریباں میں

روضۂ رسولؐ

کل پسِ مغرب عجب تھا بزمِ عالم کا سماں ‏ ‏ ہر طرف سے جلوہ ہائے نورِ قدرت ضوفشاں
دامنِ گردوں شفق سے رشکِ صد گلزار تھا ‏ ‏ چرخِ نیلی غیرتِ نورِ دلِ ابرار تھا
نوعروسانِ فلک کی انجمن آرائیاں ‏ ‏ کر رہی تھیں جنت الفردوس کا پیدا سماں
مشعلِ مہتاب نے ہر سو چراغاں کر دیا ‏ ‏ آسماں پر بقعۂ ایمن نمایاں کر دیا
کہکشاں کی سڑک کے موتی تھے کچھ بکھرے پڑے ‏ ‏ قدسیوں نے لے کے انجم پر نچھاور کر دیئے
اک عجب منظر تھا گردونِ نیلی فام کا ‏ ‏ کام نکلا چاہتا تھا کچھ دلِ ناکام کا
کوہ کے دامن سے بڑھ بڑھ کر بلائیں آگئیں ‏ ‏ یک بیک گردوں پہ وہ کالی گھٹائیں چھا گئیں
بزمِ ماہ و انجم و اختر پریشاں ہوگئیں ‏ ‏ دامنِ ابرِ سیاہ صورت میں پنہاں ہوگئیں
نقشِ عالم میں ہوا پیدا شبِ دیجور کا ‏ ‏ برق اک شعلہ سی تھی وہ بھی چراغ اک دور کا
رعد نے اک شورِ محشر خیز برپا کر دیا ‏ ‏ صورِ اسرافیل کا ہنگامہ پیدا کر دیا

نعت

لو خبر جلدی خدارا یا محمدؐ مصطفےٰ — کون ہے تجھ بن ہمارا یا محمدؐ مصطفےٰ

آپ کی ذاتِ مقدس کے سوا کوئی نہیں — شافعِ محشر ہمارا یا محمدؐ مصطفےٰ

عشق رکھنا آپ سے اور آل سے اصحاب سے — دین و ایماں ہے ہمارا یا محمدؐ مصطفےٰ

ہے کلام اللہ سے ثابت آپ سا کوئی نہیں — حق تعالےٰ کو پیارا یا محمدؐ مصطفےٰ

آرزو میری یہی حق سے کہ ہوں جب دم جاں بلب — نام لب پر ہو تمہارا یا محمدؐ مصطفےٰ

قبر میں پوچھینگے جس دم ہے تو کس کا اُمتی — نام لے لوں گا تمہارا یا محمدؐ مصطفےٰ

آپ ہیں ساکن عرب اور میں پڑا ہوں ہند میں — یہ نہیں دل کو گوارا یا محمدؐ مصطفےٰ

رات دن شوقِ زیارت میں تڑپتا ہے فقیر — پاس بلوالو خدارا یا محمدؐ مصطفےٰ

ایضاً

تم شاہ ختم المرسلیں اور بندگانِ زار ہم — تم سرورِ روئے زمیں تیرے سگِ دربار ہم

تم چارۂ بیچارگاں اور عاجز و نادار ہم — تم چشمۂ آبِ رواں اور تشنۂ دیدار ہم

تم سروِ بستانِ یقیں ہم قمریِ اندوہگیں — اے باغبانِ باغِ دیں تم غیرتِ گل خار ہم

تم بادشاہِ انبیا ہم ہیں فقیر و بے نوا — تم ہو سخی ہم بے نوا تم ہو غنی نادار ہم

تیرا سخاوت کام ہے مہر و مروت عام ہے — طٰہٰ و یٰسٓ نام ہے پڑھتے ہیں جو ہر بار ہم

ہے خود خدا نے وہاں قرآں میں تیرا مدح خواں — رکھیں نہ کیوں ورد زباں اس نعت کی تکرار ہم

پیارے ہو تم اللہ کے ہادی ہو تم گمراہ کے — پھر کیوں نہ حضرت چاہ کے رکھینگے تجھ سے پیار ہم

عقرب میں اپنے اقربا سب آشنا ناآشنا — وقت مدد اے سیدؐا! ہیں بیکس و بے یار ہم

غم میں ترے شام و سحر گریاں ہیں مثل ابر تر — کرتے ہیں رو رو بر کمر یہ چشم گوہر بار ہم

ہیں نفس شیطان با تن دونوں سے مر جز و بدن — ہر چار یار اور پنجتن رکھتے ہیں اپنے یار ہم

کہنا تھا جو ہم کہہ چکے دکھ درد سارے سہہ چکے — ہیں بات سے بھی رہ چکے اب کیا کریں تکرار ہم

دم بھر میں جاں کر دیں فدا جھک کر کریں سجدہ ادا — دیکھیں اگر پردہ اٹھا وہ ابروئے خمدار ہم

سر و ر ملیگی سروری دونوں جہاں میں برتری — کرکے نبی کی چاکری کیونکر رہیں بیکار ہم

فقر

فقیر کی صدا

گر قوم کی خدمت کرتا ہے — احسان تو کس پر دھرتا ہے
کیوں غیروں کا دم بھرتا ہے — کیوں خوف کے مارے مرتا ہے
اس ہاٹ کا یہ ہی پرتا ہے — کچھ گانٹھ سے دے تب ترتا ہے

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

جو عمر یوں مفت گنوائے گا — وہ آخر کو پچھتائے گا
کچھ بیٹھے ہاتھ نہ آئے گا — جو ڈھونڈے گا وہ پائے گا
تو کب تک دیر لگائے گا — یہ وقت بھی آخر جائے گا

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

جو موقع پا کر کھوئے گا — وہ اشکوں سے منہ دھوئے گا
جو سوئے گا وہ روئے گا — اور کاٹے گا جو بوئے گا
تو غافل کب تک سوئے گا — جو ہونا ہوگا ہوئے گا

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اب دنیا کا وہ رنگ نہیں — وہ طرزِ صلح و جنگ نہیں
اغیار کا تو پاسنگ نہیں — کیا تجھ کو شرم و ننگ نہیں
گو تاج نہیں اورنگ نہیں — پر ملک خدا کا تنگ نہیں

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

یہ دنیا آخر فانی ہے — اور جان بھی اک دن جانی ہے
پھر تجھ کو کیوں حیرانی ہے — کر ڈال جو دل میں ٹھانی ہے
جب ہمت کی جولانی ہے — تو پتھر بھی پھر پانی ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

نیستی

بندگی اور حق پرستی کچھ نہ ہونا ہے نیاز — کچھ نہ ہونے کے سوا اور حق پرستی کچھ نہیں
یہ جو کچھ ہونا ہوانا جس کو کہتے ہیں یہاں — فقر میں ہستی ہی ہے اور ہستی کچھ نہیں

فقیرانہ دھونی

مرے دردِ دل نے فقیرانہ دھونی — لگائی ہے جا عرشِ اعظم کے سر پر
اجی کیوں رُلاتے ہو مجھ کو، تمہیں کیا — نہیں رحم آتا مری چشمِ تر پر

فرشتہ بن

جس انساں کو سگِ دنیا نہ پایا — فرشتہ اُس کا ہم پایہ نہ پایا

نہیں حاجت

سراپا پاک ہیں دھوئے جنھوں نے ہاتھ دنیا سے — نہیں حاجت کہ وہ پانی بہائیں سر سے پاؤں تک

نظرِ انتخاب

چھانٹا وہ دل کہ جسکی ازل میں نمود تھی — پسلی پھڑک اُٹھی نظرِ انتخاب کی

چراغِ دل

نکہتِ گل سے معطر ہو گیا میرا دماغ — نورِ عرفاں نے فروزاں کر دیا دل کا چراغ

تیرا آئینہ

تیرے آئینے میں کیا صورت نظر آئی مجھے — میری ہستی کی حقیقت تو نے دکھلائی مجھے

سُرمۂ تسخیر

حسینان جہاں کھچ کھچ کے آئیں خود تری جانب — نگاہ شوق میں وہ سُرمۂ تسخیر پیدا کر

آپ کیا جانیں

سعادت شیخ کی اس بات میں ہے آپ کیا جانیں   کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ہوتا

فیض صحبت

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا   دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

خدا کی ذات

منزلوں دور اُنکی دانش سے خدا کی ذات ہے   خوردبین اور دوربین تک اُنکی بس اوقات ہے

دعا اور دوا

اکبر مریض ہے تو دُعا بھی اُسے سکھاؤ   ایسا نہ ہو کہ صرف دوا کا ہی ہو رہے

تمل علی

ہنگامے نہیں کے یہے ہیں صل علی کے   جو زیست میں عاشق ہیں ہُو اللہ احد پر

ملکوتی خصائل

جوہر تھے مجھ میں سب ملکوتی خصال کے   انساں بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی

طلسمات جہاں

پردے کو تعین کے در دل سے اٹھا دے   کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

روشن ضمیر

کب لباس ظاہری میں چھپتے ہیں روشن ضمیر   پردۂ فانوس میں بھی شعلہ عریاں ہی رہا

پردہ داری

بے خودی بے سبب نہیں غالب   کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ملنے کی گھڑی

جسے نادان کہتے ہیں قیامت   وہی تو تیرے ملنے کی گھڑی ہے

کسے یاد کریں

وہ اگر یاد کریں ہمکو تو بھولیں کسکو
ہم اگر ان کو بھلا دیں تو کسے یاد کریں

امّید قیامت

جلوہ بینانِ حقیقت ہی ہے اک بُت پرست — باقی اُمیدِ قیامت پر مسلماں ہو گئے

برابر کی چوٹ

آپ سے بگڑے نہ کیوں ہو برابر کی یہ چوٹ — دیکھئے گا سورۂ اخلاص پڑھکر آئینہ

میں ہوں کہ تو ہے

تصوّر میں اک عالمِ بے خودی ہے — خبر یہ نہیں مجکو میں ہوں کہ تو ہے

کسی پہ مر دیکھو

بعد مرنے کے وصل ہوتا ہے — تم بھی بسمل کسی پہ مر دیکھو

اپنا گھر

قریب قبر ہم آئے کہاں کہاں پھر کر — تمام عمر ہوئی جب تو اپنا گھر دیکھا

سیہ بختی

اے سیہ بختی تری تاثیر کا قائل ہوں میں — ہاتھ ڈالا جس دوشالے پر وہ کمبل ہو گیا

ٹوٹی جھونپڑی

امیر اپنی نظر میں قصرِ شاہی — فقیروں کی سی ٹوٹی جھونپڑی ہے

فقیر کی صدا

زر کی جو محبت تجھے پڑ جائے گی بابا — دُکھ اُسمیں تری روح بہت پائے گی بابا
یہ کھانے کو اور پینے کو ترسائے گی بابا — دولت جو ترے یاں ہی نہ کام آئیگی بابا
پھر کیا یہ تجھے اللہ سے ملوائے گی بابا

[illegible] کی تو مشکل کوئی ابھی نہیں رہتی — چڑھتی ہے پہاڑوں پہ سدا ناؤ سخی کی
تونے جو بخیلی سے اگر جمع بھی کر لی — تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آئے گی سختی
خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبوائے گی بابا

دولت جو ترے گھر میں ہے اب پھولے ہی جوں پھول — مردود بھی یہ کرتی ہے اور کرتی ہے مقبول
جو چاہے ترے ساتھ چلے یاں سے یہ مجہول — زنہار خبردار ہو اس بات پہ مت بھول

یہ خندی ترے ساتھ نہیں جائیگی بابا

تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھریگا — ہے یہ تو یقیں آخر اِک دن تو مریگا
پھر بعد ترے اِسپہ کوئی ہاتھ دھریگا — وہ ناچ پرا دیکھے گا اور عیش کرے گا

اور روح تری قبر میں چلائیگی بابا

اُسکی تو وہاں ڈھولک مرزنگ بجیگی — اور روح تری یاس سے مرقد میں جلیگی
وہ کھائے گا اور تیرے تئیں آگ لگیگی — تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی

ایسا ہی تجھے گور میں تڑپائیگی بابا

جائے گا تری گور کی جانب کو وہ ناگاہ — ساقی و صراحی و پریزاد کے ہمراہ
رونا مجھے آتا ہے ترے حال پہ اللہ — جب دیکھیگا سو عیش میں تو اُسکے تئیں آہ

کیا کیا تری چھاتی پہ یہ لہرائے گی بابا

تو بھوت ہو چھاتی پہ اگر آن چڑھے گا — تو واں بھی ترے واسطے عامل کوئی بلوا
شیشے میں اُتروا کے تجھے دیوینگے گڑوا — یاں خوب سا سدّا کے کوئی زرد فلیتا

دھونی تجھے دن رات یہ دلوائیگی بابا

گر ہوش ہے تجھ میں تو بخیلی کا نہ کر کام — اِس کام کا آخر کو برا ہوتا ہے انجام
تھوکے گا کوئی کہہ کے کوئی دیویگا دشنام — زنہار نہ لے گا کوئی ہر صبح ترا نام

پیکاریں ترے نام پہ لکھوائے گی بابا

کہتا ہے نظیر اب تو یہ باتیں تجھے ہر آن — گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹ تو مت جان
ٹک غور سے کر گنج پہ قارون کے ذرا دھیان — جیسا ہی اُسے اُسنے کیا خوب پریشان

ویسا ہی مزا تجھ کو یہ دکھلائیگی بابا
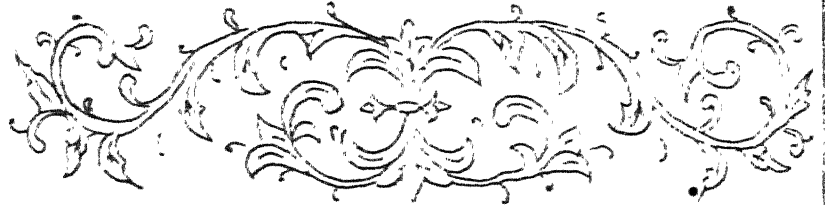
کوچ دمبدم ہے

سرائے دنیا تو خوف کی جا ہے ایک کو کوچ دمبدم ہے — رہا سکندر یہاں نہ دارا نہ ہے فریدوں یہاں نہ جم ہے
مسافرانہ بچھے ہوا ٹھو مقام فردوس ہے ارم ہے — سفر ہے دشوار خواب کب تک بہت بڑی منزل عدم ہے
نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

سرور عیش و نشاط و عشرت یہ چند انفاس کے ہیں جھگڑے — جوانی و حسن و جاہ و دولت یہ چند انفاس کے ہیں جھگڑے
غرور و تمکین و کبر و نخوت یہ چند انفاس کے ہیں جھگڑے — ملال و رنج و غم و مصیبت یہ چند انفاس کے ہیں جھگڑے
اجل ہے استادہ دست بستہ نوید رخصت ہر ایک دم ہے

مثال بت سب کے ہیں یہ سمجھیں یہ دیکھو قہر خدا کی نیندیں — یہ جاگتے تھے ابتدا میں کس دن جو سوئے ہیں انتہا کی نیندیں
پڑے ہیں کیسے یہ ہائے غافل چڑھی ہیں سر کس بلا کی نیندیں — نسیم غفلت کی چل رہی ہے امنڈ رہی ہیں قضا کی نیندیں
کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے

قیام عمر دو روزہ جانی کبھی نہیں ایک قاعدے پر — تعلق عیش زندگانی کبھی نہیں ایک قاعدے پر
بہار گل لطف نوجوانی کبھی نہیں ایک قاعدے پر — مآل کار جہان فانی کبھی نہیں ایک قاعدے پر
جو چار دن ہے وفور راحت تو بعد اسکے غم و الم ہے

غرور تمکیں کہاں ہے کہ تجھ کو درد سر ہے فنا سے — تلاش دنیا و دیں بھی چھوڑی ہلا نہ مانند قطب جا سے
غرض نہ دیر و نہ حرم سے کچھ ہے نہ کام منعم کی التجا سے — بسان دست سوال سائل تہی ہوں ہر ایک مدعا سے
نیاز ہے بے نیازیوں میں بغل میں صورت صنم ہے

جمائیاں آ رہی ہیں پیہم غنودگی کا کمال اثر ہے — چڑھی ہوئی ہیں نشے سے آنکھیں بتا رہے ہو کہ درد سر ہے
حواس قائم نہ ہوش برجا ڈھلکے کی نہ کچھ خبر ہے — زبان رک رک کے بہک رہی ہے ہو سرور دوشینہ جوش پر ہے
مے وصال شب تمنا ہر ایک لب پہ ابھی بہم ہے

گئے وہ عیش و نشاط کے دن زمان رنج و ملال آیا — شباب نے شیب سے بدل کے عروج گذرا زوال آیا
گئے ہو سے ہوئی ندامت تو پھر کیا کیا خیال آیا — یہ مصرع مخبر مصیبت پسند ہمکو کمال آیا
نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

صبر

ہر رنگ میں راضی برضا ہو تو مزا دیکھ — دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنّت کا مزا دیکھ

ہے سنتِ اربابِ وفا صبر و توکل — چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ رضا دیکھ

دشتِ رہِ غربت میں اکیلا تو نہیں تو — بطحا کے مہاجر کا تو نقشِ کفِ پا دیکھ

تو طیرِ ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور — بیچارگی پر اپنی نہ جا شانِ خدا دیکھ

اس طرح کے جینے میں بھی مرنے کا مزا ہے — قسمت میں یہی ہو کہ ابھی راہِ قضا دیکھ

ہم کہہ نہیں سکتے وہ کریں چارہ گری بھی — حالِ دلِ بیمار طبیبوں کو سنا دیکھ

اللہ کے بانکوں کا بھی ہے رنگ نرالا — اس سادگی پر شوخیِ خونِ شہدا دیکھ

یہ نور خدا کا ہے بجھانے نہ بجھے گا — کچھ دم ہے اگر تجھ میں تو آ تو بھی بجھا دیکھ

سمجھا بھی ہے کچھ تو کہ یہ ہے کس کا تمرّد — اللہ کو مان اپنی حقیقت کو ذرا دیکھ

ہو حسنِ طلب لاکھ مگر کچھ نہیں ملتا — ہو صدقِ طلب پھر اثرِ آہِ رسا دیکھ

خو تیری وہ روز وہ مرا پیماں ہے ازل کا — پابندِ جفا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ

عقبیٰ تو بہاں نہیں دنیا کا بھی کچھ ٹھیک — اُس کا ہے یہ فیض سے دل تو بھی لگا دیکھ

سونے کا نہیں وقت یہ ہشیار ہو غافل — رنگِ فلکِ پیر زمانے کی ہوا دیکھ

شکریہ یاس

دم ناک میں کیا تھا طوفانِ غم نے میرا — ٹکڑے جگر کیا تھا حسرت کے نشتر نے میرا

خرمن جلا دیا تھا برقِ الم نے میرا — جب جان جا چکی تھی تو نے مجھے بچایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا سبز باغ برسوں امید نے دکھائے — تھے وعدے اُسکے جھوٹے سب میں نے آزمائے

دم بازیوں سے اسکی دھوکے بہت کھائے — پھندے سے اُسکے تو نے آخر مجھے چھڑایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

اُمید کے وہ وعدے جھوٹی تسلیاں تھیں — سب جو فروشیاں تھیں گندم نمائیاں تھیں

دن رات کوششیں تھیں اور نارسائیاں تھیں　　دھوکے کا تو نے پردہ آخر کو آ اٹھایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا آرزو کی تپ تھی یا شوق کا جنوں تھا　　تن من جلا رہا تھا کیا شعلۂ دروں تھا

حرماں کے نشتروں سے دل تھا کہ غرق خوں تھا　　زخموں پہ جاں کے تو نے مرہم سا آ لگایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا آہ سرد تو نے ٹھنڈی ہوا چلائی　　گہری سی نیند جس سے درد دروں کو آئی

کیا یاس تو نے میٹھی لوری اُسے سُنائی　　کیا میٹھی تال و سُر میں کچھ تو نے گنگنایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا شمع کی زندگی ہو اب شوق ہی نہ حسرت　　نے آرزو نے حرماں دونو پہ بھیجو لعنت

اے یاس تجکو شاباش اے یاس تجھ پہ رحمت　　امید دور ہو چل تو نے بہت ستایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

گزرے گی خوب اپنی اب میں ہوں اور تو ہے　　تجکو ہے مجھ سے الفت یاں تیری جستجو ہے

میں جسم ہوں تو جاں ہے میں پھول ہوں تو بو ہے　　صد شکر ہے خدا نے مجھ سے تجھے ملایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

نور معرفت

شکل اطمینان کم اس عالم فانی میں ہے　　کامیابی بھی جہاں ہے اک پریشانی میں ہے

خاک کے ذروں میں آجاتا ہے نور معرفت　　اللہ اللہ کیا طلسم اس شکل انسانی میں ہے

خوگر رنج

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج　　مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

بے زبان

کسیکو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو　　نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

نوشتہ تقدیر

تقدیر کا لکھا ہے سہنچے گا آپ سے　　پھیلائیے نہ ہاتھ نہ دامن پسارئیے

صبر

تاثیر کے صدقے

حسرت

حسن اس آہ کے اس آہ کی تاثیر کے صدقے مجھے در سے اٹھانے گھر سے وہ باہر نکلتے ہیں

ڈبویا

حکیم

مرے رونے نے اشکو مجھ سے کھویا مجھے اس دیدۂ تر نے ڈبویا

بے توسل

امیروں کی سفارش ہو مبارک اہل دنیا کو خدا سے سلسلہ ہے مجھ گدائے بے توسل کا

مرکز آزادی کا مجکو خانۂ صیاد ہے

مجرم الفت خدا کے فضل سے کیا شاد ہو یوسف دل قید میں روحانیت آزاد ہے

شوق بلبل یہ کہ ہر نغمہ اسکی زبان ہو شام سے تا صبح بس فکر میں صیاد ہے

صبر کی تفسیر پوچھو اور مجھ سے پوچھ لو جسکو کہتے ہیں خموشی وہ مری فریاد ہے

قید ہستی سے رہا ہونے کی ساعت آگئی مرکز آزادی کا مجکو خانۂ صیاد ہے

ہم بھی ہیں بندے کسی کے ہم بھی حق رکھتے ہیں کچھ کیا تمھارا ہی یہ دور عالم ایجاد ہے

حشر تک بھولا نہیں دل سوز جانے عشق پر یاد ہے اے ہمنفس ایک ایک نکتہ یاد ہے

ہو نہیں سکتی جفا صیاد کی تعمیل میں قید میں بلبل مگر شور فغاں آزاد ہے

کاوش دشمن میں سو لطف پیدا ہوگئے دل مرا جب سے محو لذت بیداد ہے

قدرت حسن نے پائیں کیا کیا راحتیں ورنہ دنیا عشق میں اک عالم بیداد ہے

حسن کی قدرت ہے جو محشر و دل تنگ کر لیجے ہم تمھارے ور تمھارا عالم ایجاد ہے

بات کی بلبل نے محشر ہو اسیر دام تھی آجکل گلشن کا گلشن خانۂ صیاد ہے

اسیران بلا کی یاد میں

حسرت

اے فلک جو ظلم ہوں نیا نانے کیلئے چھوڑ نہ رکھ ظالم ہمارے زمانے کیلئے

گامزن جس راہ پر سب ہوں بہ خطر چل پڑو تم بھی نصیبہ آزمانے کے لئے

حسرت دیکھیں یہ موقع نہیں فریاد کا

بس یہی کافی ہے درد اپنا جتانے کیلئے

بے ثباتی

فسونِ بربط نواز

افراطِ غم سے پہلے مطرب نے بربط بجایا — پھر نغمۂ غم افزا دھیمی نوا سے گایا
انگیٹھیاں صدائے بربط نے دل کی جھونکیں — رگہائے تن نوائے آتش فزا سے چونکیں
طاری تھی ذوقِ دل پر حالت مسحوری کی — تانیں اڑائیں غم سے ملکر رگوں نے نے کی
نادر طلسم بربط سے گوسالہ سامری کا — دعوے ہی چھوڑ بیٹھا القصہ واپسی کا
مطرب کو باغِ دل کے ملو نے یہ صدا دی — بو تیرے گل کی تو نے چاروں طرف اڑا دی
قارونِ دل کو تو نے حاتم بنا دیا ہے — اِک تنگدل کلی سے گلشن کھلا دیا ہے
پُر کیف سادگی سے جو گیت تو نے گائے — بلبل نوائیوں سے گل کو صبا سنائے
دورہ زندگانی مثلِ نشاط مے ہے — موقوف اِک نفس پر جسکی شبانہ لے ہے
پژمردنی ہے روشن تیری شگفتنی سے — گل ہوگا ایسے جیسے تو گل ہوا کلی سے
بھائی بہن جگر بند رشتے ہیں سب یہیں کے — یہ گل قمر مساوی ہے اہل ہیں یہیں کے
"تاریک چشمِ تربت دیگی سراغ تیرا — صالح عمل کی پونجی ہوگی چراغ تیرا
صحنِ چمن نہ ہوگا ہوگی ہوا نہ ٹھنڈی — انجم کی دلفزائیوں ہوگی گلی نہ منڈی
صبح و شفق کی رونق شام و سحر کی رونق — ہوگی ملال زائے تفتہ جگر کی رونق
حسرت نگاہیوں سے دیکھیگا تو جہاں کو — چاہیگا وقتِ رحلت اس عارضی مکاں کو
اس کو ابد نہ ہوگی یہ ہے خیال خامی — لاشئ ہے تیری صورت یہ ہستی کی ہنسی بھی
جامِ وفا پئیں گے دنیا و اہلِ دنیا — باقی رہیگی وحدہ ذاتِ خدائے والا
ساحل شکستِ دریا یعنی کہ موج ہوگی — جس دن سنیگی شورِ اے وائے تو شکستی"
اے غافلی کہ وہ دن یوم الحساب ہوگا — اُسدن خدا ہی جانے کیا کیا عذاب ہوگا

دریائے بیم میں تو عصیاں کے داغ دھولے
کشتِ اُمید میں تو دانے عمل کے بولے

برقِ گناہ

اتنا نہ ہو سکا کہ وہ دامن سے پونچھ لیں
افسوس کس اُمید پہ آنسو رواں رہے

برقِ نگاہِ شوق بھی عالم فروز ہے
اِن لن ترانیوں پہ نہ اتنا گماں رہے

گھاتِ اجل

اجل لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے
بہوش باش کہ عالم روا روی پر ہے

خوابِ غفلت

اجل سر پر کھڑی ہے خوابِ غفلت میں زمانہ ہے
چھپر کھٹ کی جگہ لازم جنازے کا بنانا ہے

مقابلہ

رہتے تو ہم مقابلہ کرتے حباب سے
کیا کہیے اپنی زیست کا وقفہ قلیل تھا

چلے آؤ

نہ میں آپ ہوں اور نہ پہلو میں دل ہے
چلے آؤ کوئی مرے ہاں نہیں ہے

لالہ و گل میں

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

آنکھ کھل گئی

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

پسینہ گلاب

اب عطر بھی ملو تو محبت کی بو کہاں
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا

بے ثباتی

باغِ جہاں کا رنگ بہت بے ثبات ہے
بلبل سے کہہ دو گل سے نہ ہرگز لگائے دل

سانس او یا خوش ہو

قسم اس موت کی اٹھتی جوانی میں جو آتی ہے
عروسِ نو کو بیوہ دلہن کو دیوانہ بناتی ہے

جہاں سے جھٹپٹے بیوقت کی تابوت [illegible] ہو
قسم اس شب کی جو بچے پہلی سی [illegible] ہے

عزیزوں کی نگاہیں ڈھونڈتی ہیں مرنیوالے کو
قسم اس صبح کی جو غم کا [illegible] ہے

قسم سائل کے اُس احساس کی جب دیکھکر اُسکو / سیاہی دفعتہً کنجوس کے ماتھے پہ آتی ہے

قسم اُس سوز کی پیدا جو ہوتا ہے طبیعت میں / اندھیری رات میں رونے کی جب آواز آتی ہے

قسم اُن آنسوؤں کی ماں کی آنکھوں سے جو بہتے ہیں / جگر تھامے ہوئے جب لاش پر بیٹے کی آتی ہے

قسم اُس بے بسی کی اپنے شوہر کے جنازے پر / کلیجہ تھام کر تازہ دُلہن جب سر جھکاتی ہے

نظر پڑتے ہی اک ذی مرتبہ مہماں کے چہرے پر / قسم اُس شرم کی مفلس کی آنکھوں میں جو آتی ہے

قسم اُس درد کی جو ہجر کی راتوں میں اُٹھتا ہے / قسم اُس کرب کی جب روح کھنچکر لب پہ آتی ہے

کہ یہ دنیا سراسر خواب اور خواب پریشاں ہے / خوشی آتی نہیں سینے میں جبتک سانس آتی ہے

آنی جانی

عدم سے بشر آئیگا ایکدن / زمانہ کہیگا اسے نیک دن
دلکھین کے دن ہونگے شاہی کے دن / محبت کے دن بیگناہی کے دن
خوشی اُن دنوں نور برسائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

پھر آئے گا مدہوش کرنے شباب / رہیگا خیال شراب و کباب
کبھی جوش مستی کبھی نوش خواب / نہ فکر ثواب و نہ خوفِ عذاب
گھٹا دل پہ پندار کی چھائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائیگی

سپاہی جو امرد کہلائے گا / لڑائی میں زخم گراں پائیگا
غش آئیگا سیروں لہو جائیگا / کراہے گا تڑپے گا، چلائے گا
قضا بوند پانی کو ترسائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

نشہ ہوگا نام و نشاں کا مدام / بڑھیگی لیاقت سے شہرت تمام
رہے گو نہ شہرت بھی اسکی مدام / کہ شہرت کو بھی تو نہیں ہے قیام
یہ شہرت نیا رنگ چمکائے گی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

زمانہ کرے گا جواں کو ادھیڑ / توانائی کا ہوگا پژمردہ پیڑ
لگائیگا اسپ جوانی کو ایڑ / نقاہت کریگی قوؤں کو چھ
طبیعت اس آفت سے گھبرائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

بڑھاپے سے ہوگا بڑا انقلاب / نہ ہوگی دلیری نہ ہوگا شبا[ب]
ضعیفی کریگی کل اعضا خراب / یہانتک کہ جینا بھی ہوگا ع
اجل چیل سی سر پہ منڈلائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

مرض موت کا جب اٹھائیگا سر / وہ اکڑے کہ ہارینگے کل چارہ[گر]
بگڑ جائے گا کھیل یہ سر بسر / بن آئے گی بیمار کی جان [پر]
بڑی سختیاں نزع دکھلائیگی
مگر یہ گھڑی بھی گزر جائے گی

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی / ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا / جو جاکے نہ آئے وہ جوانی د[یکھی]

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا

[illegible]

بے تعلقی

اپنا دشمن

عبث چھانا کیے بے فہم خاکِ کوئے جاناں ہم
عبث کرتے رہے دیر و حرم میں آہ و شیون ہم

کریں کیوں خم بتوں کے سامنے یہ اپنی گردن ہم
صنم ہم دیر ہم بتخانہ ہم بت ہم برہمن ہم

کریں ہم کس کی پوجا اور چڑھائیں کسکو چندن ہم

ہوئے عزلت گزیں جب سے کہیں آنا نہ ہے جانا
ہمیں پروا نہیں کہ ہے کوئی دیوانہ فرزانہ

مئے وحدت کا کچھ ایسا چڑھا ہے رنگ مستانہ
در و دیوار ہے نظروں میں اپنی آئینہ خانہ

کیا کرتے ہیں گھر بیٹھے ہی اپنا آپ درشن ہم

نہیں کچھ خوف مرنے سے نہ کچھ الفت ہے جینے سے
نہ شربت سے کوئی رغبت نہ نفرت خون پینے سے

ھو الظاہر ھو الباطن کہا ہے اس قرینے سے
محبت ہو تو اپنے سے عداوت ہو تو اپنے سے

ہیں آپ ہی دوست اپنے ہم اور آپ ہی اپنے دشمن ہم

رہے کشتہ نہ ہم کسی کی بانکی چتون کے
رہے سرگشتہ مثل قیس ہم گردشت کے بن کے

خدا نے یہ دکھایا دن گئے ایام شیون کے
کب اٹھتے ہیں اٹھانے سے کسی شیخ و برہمن کے

بنا رکھتے ہیں اپنی دل لگی کے گھر پہ آنگن ہم

غرض افعال بد سے ہے نہ نیک اعمال سے مطلب
غرض کچھ رقص سے ہے اور نہ وجد و حال سے مطلب

نہ پروائے حسیناں ہے نہ خط و خال سے مطلب
نہ قیل و قال سے مطلب نہ شغل اشغال سے مطلب

مراقب اپنے رہتے ہیں جھکا کر نیچی گردن ہم

جنہیں ڈھونڈا کیے دیر و حرم میں دلنشیں تھے وہ
ہمیں ہوتے گئے دوراں سے حال آنکھ قریں تھے وہ

ٹھکانے ہو کے دیکھو عشق چشتی تم نہیں تھے وہ
ہوئے ہے فیض علوم ایک مدت میں ہمیں تھے وہ

جپا کرتے ہیں جنکے نام کی دن رات سمرن ہم

دنیائے فانی

دل ہی بجھا ہوا ہو تو لطف بہار کیا
ساقی ہے کیا شراب کیا سبزہ زار کیا

بے تعلقی

دنیا سے لیچلا جو تو حسرتوں کا بوجھ
کافی نہیں ہے سر پہ گناہوں کا بار کیا

جسکی قفس میں آنکھ کھلی ہو مری طرح
اُسکے لیے چمن کی خزاں کیا بہار کیا

چلتی ہے اس چمن میں ہوا انقلاب کی
شبنم کو آئے دامنِ گل میں قرار کیا

تفسیر حالِ زار ہے بس اک نگاہِ یاس
ہو داستانِ درد کا اور اختصار کیا

دونوں کو ایک خاک سے نشوونما ملی
لیکن ہوائے دہر سے گل کیا ہے خار کیا

چھٹکی ہوئی ہے گورِ غریباں پہ چاندنی
ہے بیکسوں کو فکر چراغِ مزار کیا

کچھ گل نہاں ہیں ذرۂ خاکِ چمن میں بھی
تازہ کرے گی ان کو ہوائے بہار کیا

راحت طلب کو درد کی لذت نہیں نصیب
تلووں میں آبلے جو نہیں لطفِ خار کیا

خاکِ وطن میں دامنِ مادر کا چین ہے
تنگی کنار کی ہے لحد کا فشار کیا

انساں کے بغض و جہل سے دنیا تباہ ہے
طوفاں اٹھا رہا ہے یہ مشتِ غبار کیا

بے ثباتیِ دنیا

دنیا میں رہ کے محبت

(۱) آہِ دلِ محزوں ہی گر تیر ہوئی تو کیا
مانا کہ رسا اپنی تقدیر ہوئی تو کیا

نالوں میں اگر اپنے تاثیر ہوئی تو کیا
رو رو کے جو ملنے کی تدبیر ہوئی تو کیا

(۲) سودائی تھا، مجنوں تھا، دلدادۂ وحشت تھا
جاں صرفِ غمِ پنہاں دل وقفِ مصیبت تھا

عادی تھا اسیری کا پابندِ محبت تھا
مجنوں کے لیے لیلیٰ زنجیر ہوئی تو کیا

(۳) کچھ پھول نہ برسائے موتی بھی نہیں رولے
جنبش نہ ہوئی لب کو کچھ بھید نہیں کھولے

بیٹھے تھے مرے آگے کچھ منہ سے نہ وہ بولے
مانا کہ کوئی زندہ تصویر ہوئی تو کیا

(۴) قربان کیے خود کو قاتل کے نظارے پر
بیٹھا رہے کیوں کوئی مرنیکے سہارے پر

لازم ہے کہ جاں دیدے ابرو کے اشارے پر
بے موت ہی مر جائے شمشیر ہوئی تو کیا

(۵) محفوظ خطا سے ہو امکان نہیں صاحب
کامل تو کسی کا بھی ایمان نہیں صاحب

ناکردہ گناہ کوئی انسان نہیں صاحب
باسط سے اگر کوئی تقصیر ہوئی تو کیا

باسط بدایونی

رنگین طبیعت

نہ ہم گل ہیں نہ بلبل ہیں فقط رنگیں طبیعت ہیں
نہ ہم زینِ صحنِ چمن میں ہیں نہ دیوارِ گلستاں

کھچا ہُوا

نظارے کا بھی لطف نہیں وصل اک طرف — تصویر کو بھی یار کی پایا کھچا ہُوا

صبر

مَے دے تو بھلا، نہ دے تو کیا جبر — پائیں تو مزا پائیں، نہ پائیں تو صبر

موت کی راہ

ہمنشیں کون بُرے وقت میں کام آتا ہے — موت کی راہ بھی ہم نے شبِ فرقت دیکھی

جھگڑے

سمجھے ہم برہمن و شیخ کی سُن کر تقریر — حشر تک ختم یہ جھگڑے نہیں ہونے والے

مجھے تیری نعمتوں کی خواہش نہیں

بے تعلق ہوں دین و دنیا سے — حُبِّ ثروت نہ فکرِ جنّت ہے
نہ مجھے شوقِ صبحِ آسائش — نہ مجھے ذوقِ شامِ عشرت ہے
نہ تو حور و قصور پہ مائل — نہ تو ساقی و مَے سے رغبت ہے
نہ تقاضائے منصب و جاگیر — نہ تمنائے شان و شوکت ہے
کچھ مجھے تیرے دَر سے ملجائے — کس منافق کو اِسکی حسرت ہے
کیا کروں گا میں نعمتیں لیکر — میرا ہر سانس ایک نعمت ہے
تجھپہ روشن ہے اے مرے مولا — کہ مرے دلمیں سوز و حدت ہے
تیرے انعام کی نہیں خواہش! — بلکہ مجکو تری ضرورت ہے

نہ رکھ یاں کسی سے میل

جتنے تو دیکھتا ہے بگّل بھُرا اپت بیل — سب اپنے اپنے کام میں ہیں کیہ رہے جھمیل
ناطہ ہے یاں سو ناتھ ہی جو رشتہ سو نکیل — جو غم پڑے سو اُسکو تو اپنے ہی تن پہ جھیل
گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بڑی بری ہے پڑا اپنے سر پہ کھیل

تیری نہ یہ زمیں ہے نہ تیرا یہ آسماں — تیرا نہ گھر نہ بار نہ تیرا یہ جسم و جاں

اُسکے سوا کہ جب پہ ہوا تو فقیر یاں ۔۔۔ کوئی ترا رفیق نہ ساتھی نہ مہرباں

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا ہے دل کو اپنے تو دے اُس کے ہاتھ ۔۔۔ جس یار سے کہ ہو ترا جیتے موئے کا ساتھ
اور یہ جو تجھ سے کہتے ہیں مل کے بیٹھے باٹ ۔۔۔ مارا پڑے گا دیکھ نہ کھا اُنکے آت گھات

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

یہ اُلفتیں کہ ساتھ ترے آٹھ پہر ہیں ۔۔۔ یہ الفتیں نہیں ہیں مری جان قہر ہیں
جتنے یہ شہر دیکھے ہیں جادو کے شہر ہیں ۔۔۔ جتنی مٹھائیاں ہیں مری جان زہر ہیں

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

خوباں کے یہ جو چاند سے منہ پر کھلے ہیں بال ۔۔۔ مارا ہے تیرے واسطے صیّاد نے یہ جال
یہ بال بال ہے تری جان کا وبال ۔۔۔ پھنسیو خدا کے واسطے ایش دیکھ بھال

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

جسکا ہے تو فقیر اُسیکو سمجھ تو یار ۔۔۔ مانگے تو مانگ اُسی سے کیا نقد کیا اُدھار
دیوے تو وُہی جو نہ دیوے تو دم نہ مار ۔۔۔ اُسکے سوا کسی سے نہ رکھ اپنا کاروبار

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا ہے نہ جان یہ دریا ہے قہر بار ۔۔۔ لاکھوں ہیں اس سے بہہ گئے کوئی ہوا نہ پار
جب تو بہا تو پھر نہ ملے گا تجھے کنار ۔۔۔ ملاح یاں نہ ناؤ نہ بلّی ہے میرے یار

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

کیا فائدہ اگر تو ہوا نام کا فقیر　　ہو کر فقیر تو بھی رہا حال میں اسیر
ایسا ہی تھا تو فقر کو ناحق کیا حقیر　　ہم تو اسی سخن کے ہیں قائل میاں نظیر

گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نہیں ہے کھیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

بیخودی

میں کون ہوں

کچھ نہیں کھلتا مجھے میں کون ہوں　　صورت حیرت ہوں یا شکل جنوں
عشق ہے سرمایۂ دیوانگی　　سحر کب پاتا ہے اس کو اور فسوں
آہ طالع نے مجھے رسوا کیا　　ورنہ پنہاں تھا مرا راز دروں
حسن جاناں جلوہ گر ہر شے میں ہے　　دید میں اپنی نہیں کوئی زبوں
کون پا سکتا ہے مجھ گم گشتہ کو　　دین ڈھونڈے آ کے یا دنیائے دوں
جس نے پہچانا ہے اپنے آپ کو　　بے نیاز اپنے قدم پر ہے نگوں

محو جمال

بے خودی میں اسقدر محو جمال یار ہوں　　جسطرف میں دیکھتا ہوں نقش تصویر ہے

صدقے جائیں

بیخودی الطاف و کرم پہ ترے صدقے جائیں　　جیتے جی ہوئے سب رنج و محن جھیل گئے

کون ہے

کس سے باتیں ہو رہی ہیں جوش میں　　اے تصور کون ہے آغوش میں
لالہ و گل کھولتے ہیں کس کا راز　　کون گویا ہے لب خاموش میں

تلاش یار

تلاش یار میں نکلے چمن سے بو ہو کر　　ہوئے ہم آپ ہی گم جستجو ہو کر

تحیّر

فنا

اِس قدر محوِ تحیر ہوں کہ میں — مل گیا تم میں تمہاری یاد سے

حیرانی

کس سوچ میں ہیں آئینہ کو آپ دیکھکر — میری طرف تو دیکھیے سرکار کیا ہوا

ایضاً

نہیں معلوم اُس نے خاک میں کیا کیا ملایا ہو — کہ چشمِ نقش پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی

بخشش الٰہی

آنکھیں

آنکھیں اگر نہ ہوتیں دنیا میں کچھ نہ ہوتا — قربان جائیں اُسکے جسنے بنائیں آنکھیں
دنیا کی لالٹینیں بجھ جائیں دم کے دم میں — روشن ہیں ہمیشہ ایسی لگائیں آنکھیں
شیشے کی بھی بنائیں پتھر کی بھی بنائیں — انسان سے بنائی لیکن نہ آئیں آنکھیں
بگڑی کو کیا بناتا کحال کیا خدا تھا — جب روشنی نہ آئی تو کیا بنائیں آنکھیں
وہ بھی تو آدمی ہیں جو ہیں ہمیں تمہیں میں — تسخیر کر لیا دل جس سے ملائیں آنکھیں
قدرت کی صنعتوں کو دیکھو خدا کے بندو — اک چھوڑ اُسنے دو دو منہ پر لگائیں آنکھیں
اے رشک کیا سبب ہے کیا بھید ہے بتا دے — جس وقت دل بھر آیا فوراً بھر آئیں آنکھیں

رونق

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کسکی — ہزاروں اٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے مجلس کی

رحمت

خالق نے اپنا جلوہ قدرت دکھا دیا — سینے سے داغِ عشقِ مجازی ہٹا دیا

اللہ رے دستگیری مری پیدا کیئے کی شرم بخشا اُسی کو جسنے سر اپنا جھکا دیا

رضا

مطلبِ دل بے طلب ہو جائیگا جب خدا چاہے گا سب ہو جائے گا

رحمت

میں روزِ حشر شرکت عصیاں سے ہوں خجل رحمت ہے شاد مجھ کو گنہگار دیکھکر

ایضاً

شوق سے لکھیں فرشتے میرے عصیاں تا بہ ابد ایک رحمت اسکی ہے اس سارے دفتر کا جوا

ایضاً

اسطرف رُخ تیری رحمت کا جو دیکھا دم حشر لگنے دوڑ کے زاہد بھی گنہگاروں میں

ایضاً

واہ رے شان کریمی تیرے صدقے قرباں جس گنہگار کو دیکھا وہ گنہگار نہ تھا

ایضاً

رحمت یہ چاہتی ہے کہ اپنی زبان سے کہدے گناہگار کہ تقصیر ہو گئی

ایضاً

میرے عصیاں کی عجب شان ہے جسپر سو بار صدقے ہوتی ہوئی اللہ کی رحمت دیکھی

کرم

امید تیری دید کی پیر و جواں کو ہے ارمان تیرے وصل کا ہے شیخ و شاب کو
واقف ہوں اسقدر کہ تری ذات ہے کریم کچھ جانتا نہیں ترے عذاب و ثواب کو

رحمت

تو نے مرجانتیں رحمت سے مری غفار کی جس خطا سے ہم نے توبہ کی وہی مشق بہ کی

بارِ گناہ

اللہ رے میرے جرم و گناہ کی ترقیاں
بھاگے فرشتے چھوڑ کے فردِ حساب کو

رحمت

روز جنہیں مجکو جھونک چکے تھے مرے عمل ... قربان شان رحمت پروردگار کے ... تیر

دُرِ یگانہ

جب آئی جوش پر میرے کریم کی رحمت ... گرا جو آنکھ سے آنسو دُرِ یگانہ ہُوا ... تعبیر

رحمت زیادہ

مری بندگی سے مرے جرم افزوں ... ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ ... ذوق

قدم رحمت

رحمت قدم نہ رنجہ کرے گر تری ادھر ... یارب ہے کون پھر تو ہمارے گناہ کا ... قدر

لاتقنطوا

نزول اسکی رحمت ہے ہم پر ہمیشہ ... جو کہتا وہ خود آپ لاتقنطوا ہے ... خاتمن

خدا کی بخشش

یارب خلاق مہر و ماہی تو ہے ... بخشندۂ تاج و تخت شاہی تو ہے

بے منت و بے سوال و بے استحقاق ... دیتا ہے جو سب کو، یاالٰہی تو ہے ... دبیر

رباعی

احسان کی ترے عجیب نیرنگی ہے ... غنچوں کو نہ بستگی نہ دل تنگی ہے

ہر سرو پہ موزوں تری رحمت کی قبا ... وہ کون سی شاخ ہے جو ننگی ہے ... شوکت میرٹھی

گستاخ کردیا

رحمت نے اُسکی اور بھی گستاخ کردیا ... مطلق نہیں خیال گناہِ عظیم کا

گرچاہے وہ تو ساری خدائی کو بخش دے ... ادنےٰ سا ہے کرم یہ غفور الرحیم کا

بخشے گئے جو ہم سے گنہگار روزِ حشر ... کیا کیا جلا ہو دیکھ کے طبقہ جحیم کا

غنیمت ہے

غنیمت ہے کہ رحمت نے کسی کی، رکھ لیا پردہ ... قیامت تھی اگر اعمال کی پرسش کہیں ہوتی

دعا

شاعر کی دعا

یارب! چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر اے ابرِ کرم! خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر گم نام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر

جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میری قلمرو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری

وہ گل ہوں عنایت طبعِ چمن جو کو
بلبل نے بھی سونگھا ہو نہ جن پھولوں کی بو کو

غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
ایک ایک لڑی نظم ثریا سے ہو عالی عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی

سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہونگے جنہیں رشتہ ہے نبی سے

بھر دے دُرِ مقصود سے اِس دُرجِ دہاں کو دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلم سے بیاں کو عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسنِ بیاں کو

تحسیں کا سماوات سے غُل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرے کی چمک مہرِ منور سے ملا دوں خاروں کو نزاکت میں گلِ تر سے ملا دوں

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر　　کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر　　ہو جائے ہوا، بزمِ سلیماں کی بھی توقیر

یوں تختِ حسینانِ معانی اُتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

ساقی کے کرم سے ہو وہ دَور اور چلیں جام　　جس میں عوضِ نشہ ہو کیفیتِ انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایّام　　صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام

ہاں بادہ کشو پوچھ لو میخانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آگئی ہے خلدِ بریں سے

آؤں طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم　　خیبر کی خبر لائے مری طبعِ اُولُوالعزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم　　دکھلاؤں میں سب کو وہاں معرکۂ رزم

جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

مصرعے ہوں صف آرا صفتِ لشکرِ جرّار　　الفاظ کی تیزی کو نہ پہنچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خونخوار　　مدّ آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے یکبار

غُل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رَن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی　　عالم کو دکھاوے بُرِشِ سیفِ الٰہی
جرأت کا دَعنی تو ہے یہ چلائیں سپاہی　　لاریب ترے نام پہ ہے سکّۂ شاہی

ہر دم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اِس طبل و عَلَم کا

میر انیس

دعائے سرور

وہ روشنی عطا کر عمرِ رواں کو یارب　　چمکوں میں شمع بنکر اِس تیرہ انجمن میں
میری شمیم سے ہو تسکین جہاں کو یارب　　مہکوں میں پھول بنکر اِس وادیٔ کہن میں

یارب بنا دے میری ہستی بے بہا کو　　اک گیت پیارا پیارا اک نغمۂ دل آرا
وہ فنونِ دلکشی دے اِس حُسنِ جانفزا کو　　ہوں اہلِ انجمن کے جینے کا میں سہارا
ہاں میری زندگی کو ایسا عصا بنا دے　　ہو جس سے دستگیری ایک ایک ناتواں کی
اور لازوال دولت وہ مجھکو کبریا دے　　حاجت برآئے جس سے ہر زار و خستہ جاں کی
اِس زیست کو بنا دے یارب وہ جامِ لذت　　ہو جلوہ ریز جس میں تیری شرابِ وحدت
دنیا کی کاہشوں سے ہرگز نہ ہوں میں غمگیں　　لب پر ہو جوشِ مستی میں نغمۂ مسرت

دُعائے وداعیہ

اے نورِ دل و روشنیٔ چشمِ عروسہ　　تابش ترے سُسرال کے منظر کو مبارک
رونے دے مجھے اے گلِ خوبی دمِ رخصت　　ہنسنا ترے حجرے کے گلِ تر کو مبارک
ملتی ہے مرے رخ پہ تری یاد سے ٹھنڈک　　گلگونہ ترے عارضِ [illegible] کو مبارک
مسموم ہے یاں گھر کی ہوا ہجر کی بو سے　　خوشبو تری پوشاکِ معطر کو مبارک
لگتا ترے منہ [illegible] پیاری　　اور [illegible] مبارک
سُرمہ کو مبارک تری آنکھوں میں سکونت　　سینے سے لپٹنا ترے زیور کو مبارک
سرگوشی ہمیشہ ترے آویزے [illegible]　　اور ناصیہ بوسی ترے جھومر کو مبارک
پھر پھر کے ہوا انگشتِ حنائی کے تصدق　　یہ قیمت انگشتریٔ زر کو مبارک
میکے نے دیا دان میں تجکو شرف اپنا　　اب وہ شرف تیرے نئے گھر کو مبارک
کرتی ہوں دعا سر کو اٹھا کر سوئے گردوں　　یوں شرم سے جھکنا ترے سر کو مبارک

دُعائے اقبال

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے　　جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے　　پھر شوقِ تماشا دے پھر ذوقِ تقاضا دے
محروم تماشا کو، پھر دیدۂ بینا دے　　دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو، پھر سوئے حرم لے چل　　اس شہر کے خوگر کو، پھر وسعتِ صحرا دے
آتش نفسی جس کی، کانٹوں کو جلا دے　　اس بادیہ پیما کو، وہ آبلہ پا دے

اِس دَور کی ظلمت میں، ہر قلبِ پریشاں کو — وہ داغِ محبّت دے، جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو، ہمدوشِ ثریا کر — خود داریٔ ساحل دے، آزادیٔ دریا دے

بے لوث محبت ہو، بے باک صداقت ہو — سینوں میں اُجالا کر، دل صورتِ مینا دے

احساس عنایت کر، آثارِ مصیبت کا — امروز کی شورش میں، اندیشۂ فردا دے

میں بلبلِ نالاں ہوں اُس اُجڑے گلستاں کا

تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے

محمد اقبال

لذّتِ درد

الٰہی! وہ دلِ مضطر عطا ہو — کہ جس میں درد سرتاپا بھرا ہو!

اگر دل محوِ تسلیم و رضا ہو — تو ہر دردِ والم راحت فزا ہو!

دُعا

اے مرے چارہ ساز اے غفّار — اے مرے بندہ پرور اے ستّار

عبدِ مذنب ہوں اور تو ربّ غفور — کم ہیں تیرے کرم سے میرے قصور

جو کیا، کارِ ناصواب کیا — نام توبہ کا بھی خراب کیا،

میں نے توڑی ہے متصل توبہ — ہو گئی خود شکستہ دل توبہ

کون سے دن وفائے عہد کیا — عمر بھر ماسوائے عہد کیا

سو کے کاٹی شبِ جوانی آہ — بل بے غفلت مری معاذ اللہ

اب مجھے چشمِ معرفت بیں دے — جلوہ دکھلا کے دل کو تسکیں دے

ارحم الرّاحمیں ہے نام ترا — پردہ پوشی ہے سب کی کام ترا

کب کسی پہ تمام رحمت ہے — سارے عالم پہ عام رحمت ہے

رو سیہ ہو کہ رو سفید کوئی — پر نہ ہو تجھ سے ناامید کوئی

گو ہے رحمت پہ تیری ناز بہت — ڈر یہ ہے تو ہے بے نیاز بہت

یاد تیری مجھے رہے ہر آن

بے ترے غیر کا نہ ہو کچھ دھیان

دُعا

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے
بادلو! ہٹ جاؤ، دے دو راہ جانے کے لیے

اے دعا! ہاں عرض کر عرشِ الٰہی تھام کے
اے خدا! اب پھیر دے رُخ گردشِ ایّام کے

صلح تھی کل جن سے اب وہ برسرِ پیکار ہیں
وقت اور تقدیر دونوں درپئے آزار ہیں

ڈھونڈتے ہیں اب مداوا سوزشِ غم کیلئے
کر رہے ہیں زخمِ دل فریاد مرہم کے لیے

رحم کر اپنے نہ آئینِ کرم کو بھول جا
ہم تجھے بھولے ہیں لیکن تو نہ ہم کو بھول جا

خلق کے راندے ہوئے دنیا کے ٹھکرائے ہوئے
آئے ہیں اب تیرے در پر ہاتھ پھیلائے ہوئے

خوار ہیں بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلّت میں ہیں
کچھ بھی ہیں لیکن ترے محبوب کی امت میں ہیں

حق پرستوں کی اگر کی تُو نے دلجوئی نہیں
طعنہ دینگے بُت کہ مُسلم کا خدا کوئی نہیں

اخلاق

معجونِ مرضِ گناہ

روایت ہے کہ شبلی شیخِ کامل
بزرگِ پاک باطن صاحبِ دل

سوئے دار الشفا گزرے تو دیکھا
کہ بیٹھے سب ہیں مریض اور اطبّا

دوائیں سینکڑوں آگے دھری ہیں
گیاہِ خشک سے پڑیاں بھری ہیں

مریضوں سے مکاں سارا ہے معمور
کوئی نزدیک ہے ان کے کوئی دور

کوئی نالاں ہے کوئی چپ کھڑا ہے
کوئی بیٹھا ہے اور کوئی پڑا ہے

اطبّا سب ہیں صرفِ چارہ سازی
زباں پر سب کی حرفِ چارہ سازی

کہا شبلی نے بھی اک چارہ گر سے
بہا کر اشک اپنی چشمِ تر سے

کہ مجھ کو بھی گناہوں کا مرض ہے
شفا حاصل ہو اس سے یہ غرض ہے

اگر اسکی دوا بھی ہو ترے پاس
نہ توڑ اس وقت مجھ بیمار کی آس

کہ میں اس درد سے ہوں سخت بیتاب
رہا کرتا ہوں اکثر بے خور و خواب

کہا اس نے نہیں اسکی دوا کچھ
نہیں تدبیر بے فضل خدا کچھ

یہاں ہوگا نہ اس غم سے افاقہ
طبابت کو نہیں اس سے علاقہ

کوئی دیوانہ تنکے چن رہا تھا
یہ باتیں جو ہوئیں سب سن رہا تھا

اٹھا کر سر کہا شبلی ادھر آ
بتا دوں میں دوا اسکی ادھر آ

حیا کے پھول صبر و شکر کے پھل
نیاز و عجز کی جڑ غم کی کونپل

نہالِ صدق کی ڈالی کے اوراق
ادب کی چھال تخمِ حسنِ اخلاق

ریاضت کا اگر ہاون ہو ممکن
تو اسمیں کوٹ ان کو رات اور دن

عرق اشکِ پشیمانی کا لیکر
کیا کر روز اسمیں خوب انہیں تر

کئی پہلے یہی معمول کر لے
پھر ان کو دیگچی میں دل کی بھر لے

او جاغِ شوق پر رکھکر پکانا
رہے خامی تو جان اپنی جلانا

مناسب چھاننے کا پھر ہے سامان
صفائے قلب کی صافی میں تو چھان

جو چھن کر صاف ہو جائے وہ پانی
ملانا شکرِ شیریں زبانی

کہ یہ معجون کھاتی ہے بڑی آنچ
محبت کی اسے دینا کڑی آنچ

غرض جب ہو چکے معجون تیار
رہے نقصاں نہ باقی کوئی زنہار

تو رکھنا حفظ کی ڈبیہ میں بھر کے
ہوائے اتقا سے سرد کر کے

جہاں تک تجھ سے کھائی جائے کھانا
کچھ اسکی قدر شربت پر نہ جانا

مضر ہونے کا اندیشہ نہیں کچھ
ضرر اس نے نہیں بخشا کہیں کچھ

موادِ فاسدِ عصیاں کے حق میں
نہیں مثل اسکا ہستی کے عرق میں

ہوا ہو جائے گا وردِ معاصی
جو چاہے امتحاں کر دیکھے عاصی

یہ نسخہ ہے نہایت آزمودہ
اطبائے معارف کا ستودہ

کہا شبلی نے حضرت بارک اللہ
یہ نسخہ ہے کرامت بارک اللہ

یہ سن کر ہو گیا غائب وہ مجنوں
پھر آئے شیخ شبلی دل جگر خوں

ہوں میری مستیوں پر قربان ہوش والے — جوشِ خمار مجھکو سکھلائی نکتہ دانی

مت پوچھ مجھ سے ساقی افسانۂ زمانہ — کوتاہ ہے وقتِ فرصت لمبی ہے یہ کہانی

آئے تھے مستِ راحت خمخانۂ ازل سے — دل کی ہر اک صدا میں تھا رازِ نغمہ خوانی

فرخ تھا وہ زمانہ جب ہم تھے بھولے بھالے — نازِ تبسمی تھا اندازِ گل فشانی

چھو ہو گیا وہ عالم اپنی ادا دکھا کر — دل کی سبک سری پر پڑنے لگی گرانی

بچپن گیا تو آئے عہدِ شباب کے دن — ہونے لگی ہر اک جا یاروں سے رازدانی

جاں سونپ دی کسی کو دل لے لیا کسی کا — کچھ ذوق جانفروشی کچھ شوق دلستانی

لیکن شباب کیا تھا اک خواب کا فسانہ — دنیا کی گردشوں نے کچھ اور ہی تھی ٹھانی

اس شب کا تھا گزرنا پو پھٹ گئی سحر کی — آ پہنچی ہائے پیری اور ڈھل گئی جوانی

کچھ راحتیں نہ پائیں کچھ عزتیں نہ دیکھیں — پایا تو ضعف پایا دیکھی تو خستہ جانی

ہڈی لگی چٹکنے اعضا لگے لرزنے — ڈھانچہ ہوا پرانا بھولی وہ لن ترانی

جھیلے سبھی مصائب ہر رنج کو اٹھایا — باقی رہی ہے شاید اب مرگِ ناگہانی

زیرِ فلک جہاں میں ہر چیز بے بقا ہے — اس غمکدے میں آنا جانے کی ہے نشانی

اک سانس جا رہا ہے اک سانس آ رہا ہے — اب ہم سمجھ گئے ہیں دنیا ہے آنی جانی

ایسی جگہ پہ یارو بہلے کسی کا جی کیا؟
مرگِ عدو پہ ہم کو آئے بھلا ہنسی کیا؟

خوش ہو کے خاک بیٹھیں دنیا کی انجمن میں — ہے شورِ دردِ غربت اس عارضی وطن میں

نقشِ قدم کی صورت ہاں مٹ چکے کروڑوں — لاکھوں ہوا ہیں آئیں اس وادیٔ کہن میں

مشہور ہے فسانہ دنیا کی کجروی کا — اک ٹیڑھ سیدھی سادی ہے اسکے ہر چلن میں

اس بات کو تو سمجھیں جینے پہ مرنیوالے — پیوندِ خاک ہستی ہے دامنِ کفن میں

وقفِ خزاں ہوئی ہیں سرسبزیاں یہاں کی — اڑتی ہے خاک ہر سو مدت سے اس چمن میں

ای بخیہ گر یہ ٹانکے پھر کھولنا پڑینگے — ہیں دھجیاں فنا کی ہستی کے پیرہن میں

ہاں اے رخِ مسرت رونا تجھے پڑے گا — کھٹکا ہے صورتِ غم کا بہانۂ خندہ زن میں

دو دن کی زندگی ہے رہ لو یہاں پہ مِل کر — کب تک کھوئے گے یارو اِن کاوشوں کی دُھن میں
مشتاق ہے جفا میں یہ پیرِ زال دنیا — تم بھول کر نہ آنا اِسکے فریب و فن میں
کاوش پہ جب یہ آئی نقشہ بگاڑ دے گی — ٹھیرے ہوئے نہ رہنا اپنے کہیں چمن میں
پھرتا ہے جب مقدر پھرتی ہے سب یہ دنیا — ہیں گردشیں ہزاروں اک گردشِ زمن میں
اِس غم سے گاہ ایسا چُپ چاپ بیٹھتا ہوں — جیسے نہ ہو زباں ہی گویا مرے دہن میں
دل فکر سے ہو خالی ایسی نہیں جگہ یہ — ہم آزما چکے ہیں جا جا کے کوہ و بن میں
بستی میں تھے تو غم تھا بستی کی آفتوں کا — بن میں گئے تو دل تھا اک اور ہی لگن میں

دل چاہتا ہے اب تو جا کر رہیں وہاں ہم
پائیں نہ اس زمیں کو دیکھیں نہ آسماں ہم

ہاں اے نمودِ ہستی ایسی جگہ بتا دے — گر یہ نہیں تو ایسا منظر کوئی دکھا دے
گلشن ہو کہ سُہانا رشکِ ریاضِ جنت — جسکی بہار خوبیِ فردوس کا پتا دے
جاری ہوں اس میں ہر سو آبِ صفا کے چشمے — پانی چھلک چھلک کر ہر دل کو تلملا دے
مخمل سے بھی ملائم ہو گھاس ہر روش پر — شبنم کی دُرفشانی کچھ اور ہی مزا دے
مشرق کی منزلوں میں سورج کی ہو سواری — نورِ سحر چمن میں اک فرش سا بچھا دے
اِس آسماں کے بدلے اشجار کا ہو سایہ — فرشِ زمیں پہ سبزہ مجھ کو زمیں بنا دے
منہ چومتی ہو گل کا صبحِ نسیمِ بستاں — پھولوں کی خندہ ریزی غنچوں کو مسکرا دے
چڑیوں کی ہر ادا پر آتا ہے وجد مجھ کو — ہر شاخِ گل کا جھکنا بیکل مجھے بنا دے
جامِ جہاں نما ہے جس پھول کو میں دیکھوں — دل رفتہ رفتہ ہستی مجھ کو وہیں بتا دے
اُٹھے نظر جدھر کو منظر ہو قدرتوں کا — اک جلوہ معارف بے خود مجھے بنا دے
مستی ہو میرے دل کو صہبائے اسکی — کیفِ خمارِ عرفاں سب غفلتیں چھڑا دے
نیرنگیاں یہ کر دیں محوِ جمالِ معنی — دل سے حجابِ ہستی اگر کوئی اُٹھا دے
نفس اپنی خودسری پر ہو منفعل اُسی دم — دل نقشِ خودپسندی ہو کر خجل مٹا دے
حُسنِ قِدَم کا جلوہ ہو صرفِ نظر میں — عشقِ ابد کی گرمی سینہ مرا جلا دے

آتی رہے نظر میں وہ برقِ طور مجھ کو
جب تارِ نفس بھڑکے بادِ نفس بجھا دے

جب ذکر ہو کسی کا لبیک کہہ کے اٹھوں
تسلیم کا تقاضا گردن مری جھکا دے

اک درد دل کا نالہ آئے وہیں زباں پر
خوابیدگانِ غم کو شورش مری جگا دے

رشکِ ریاضِ عالم ہو تیری زندگانی
بادِ بہارِ عرفاں غنچہ مرا کھلا دے

اس بیخودی میں سمجھوں جب بنے عالی ہستی
میں دل کو دوں دعائیں اور دل مجھے دعا دے

ورنہ یہاں پہ جینا مرنے سے بھی برا ہے
اتنا بھی گر نہ سمجھے انسانیت ہی کیا ہے

جب پردۂ تعین اُٹھا مری نظر سے
دیکھا ہے یہ تماشا چشمِ نہاں نگر سے

اک دن پڑے گی چل چل اے ساکنانِ عالم
کچھ زادِ راہ اپنا اب باندھ لو کمر سے

مشکل پڑے گی آخر جب آ گیا پیامی
نامہ روانگی کا لے کر قضا کے گھر سے

او بے خبر مسافر ہشیار ہو کے رہنا
غفلت میں لُٹ نہ جائے پہلے کہیں سفر سے

بادل فنا کا چھایا اُمڈی ہوئی گھٹا ہے
اُس کھیت پر ہو حسرت جس پر یہ جا کے برسے

ایسا ڈرا رہی ہے منزل اجل کی مجھ کو
بچ بچ کے چل رہا ہوں ہستی کی رہگزر سے

سائنس کو بھی دیکھا چھانے علومِ عالم
واقف ہوا نہ لیکن دل موت کے ہنر سے

عمرِ ابد کی حسرت سو بار دل میں آئی
بن بن کے ذوقِ ہستی ٹپکا ہے چشمِ تر سے

لیکن ملی ہے یارو وہ پر ملالِ دُنیا
سودا غمِ فنا کا جاتا نہیں ہے سر سے

اے میرے ہمنشینو! کرتا ہوں اک وصیت
تربت پہ میری کتبہ لکھنا یہ آبِ زر سے

دو روزہ عمر گردوں افسانہ ایست افسوں
نیکی بجائے یاراں فرصت شمار یارا

اس بات کو سمجھنا او جاں نثارِ ہستی
منزل ہے اک اجل کی یہ رہگذارِ ہستی

گرنا ذرا سنبھل کر دنیا کے میکدے میں
مدہوشیٔ فنا ہے کیفِ خمارِ ہستی

بادِ نفس کی نے سے سب ساز بج رہے ہیں
جھٹکا جب اس پہ آیا ٹوٹے گا تارِ ہستی

بے قید سال و سن یاں ہے قافلہ روانہ
ایسی رواروی میں کیا اعتبارِ ہستی

اس باغ میں خزاں کا ہر جا پہ ہے تسلط　　دل کو بچائے رکھنا کھٹکے نہ خار ہستی

کسکو خبر ہے اسکی آجائے کب قاصد　　کرنا ہو جو وہ کرلے مت کر شمار ہستی

یارو وبال جاں ہے عمر ابد کا جھگڑا　　تم خضر سے تو پوچھو کچھ انتشار ہستی

پیش از فنا فنا ہو شوقِ بقائے جاں ہے　　او بے قرار ہے گر ذوقِ قرار ہستی

ہو اس طرح جہاں میں تکمیل دین و دنیا　　جاں ہو فدائے مُرزن دل ہوشیار ہستی

خود کو یہاں پہ ہر دم مختار مت سمجھنا　　ہاتھوں میں ہے قضا کے سب اختیار ہستی

جینے پہ مر رہے ہیں سائنس دان یورپ　　سمجھیں تو موت ہی ہے بے اقتدار ہستی

میں کاوش و حسد سے الجھوں خدا ہو [illegible]　　اچھا نہیں یہ جھگڑا اے کار زار ہستی

ہو شیخ یا برہمن ہوں مستمند سب کا　　سمجھا ہوں میں اسیکو اپنا وقار ہستی

مرنے پہ بیکسوں کے جب سے میں رو رہا ہوں　　اک درد بیدلی سے ہوں دل فگار ہستی

اک موت کی سمجھ نے زندہ کیا ہے مجھکو　　سمجھا ہے جب سے مرنا ہوں پائدار ہستی

اب اے حمید ہرگز رہنا یہاں نہ غافل　ق　یوں کہہ گیا ہے کوئی اک ہوشیار ہستی

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

عدل جہانگیری

قصر شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گزر　　ایک دن نور جہاں بام پہ تھی جلوہ فگن

کوئی شامت زدہ رہگیر ادھر آ نکلا　　گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن

غیرت حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا　　خاک پر ڈھیر تھا اک کشتہ بے گور و کفن

ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہنچی یہ خبر　　غیظ سے آ گئے ابروئے عدالت پہ شکن

حکم بھیجا کہ کنیزان شبستان شہی　　جا کے پوچھ آئیں کہ سچ یا کہ غلط ہے یہ سخن

نخوت حسن سے بیگم نے بصد ناز کہا　　میری جانب سے کرو عرض بہ آئین حسن

ہاں مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں　　مجھ سے ناموس حیا نے یہ کہا تھا کہ بزن

اس کی گستاخ نگاہی نے کیا اس کو ہلاک　　کشور حسن میں جاری ہے یہی شرع کہن

مفتیِ دیں سے جہانگیر نے فتوے پوچھا — کہ شریعت میں کسیکو نہیں کچھ جائے سخن
مفتیِ دیں نے یہ بے خوف و خطر صاف کہا — شرع کہتی ہے کہ "قاتل" کی اُڑا دو گردن
لوگ اِس حکم سے دربار میں تھرّا اُٹھے — پر جہانگیر کے ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن
ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جا کر — پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن
پھر اسیطرح اُسے کھینچ کے باہر لائیں — اور جلّاد کو دیں حکم کہ ہاں تیغ بزن

یہ وہی نور جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی — تھی جہانگیر کے پردے میں شہنشاہِ زمن
اُسکی پیشانیِ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ — جا کے بن جاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن
اب نہ وہ نور جہاں ہے نہ وہ اندازِ غرور — نہ وہ غمزے ہیں نہ وہ عربدۂ صبر شکن
اب وہی پاؤں ہر اک گام پہ تھرّاتے تھے — جن کی رفتار سے پامال تھے مرغانِ چمن
ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع — ایک بیکس ہے کہ جس کا کوئی گھر ہے نہ وطن

خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام — خوں بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امرِ حسن
مفتیِ شرع سے پھر شاہ نے فتوے پوچھا — بولے جائز ہے رضامند ہوں گر بچۂ زن
وارثوں کو جو دیئے لاکھ درم بیگم نے — سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہِ زمن
ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص — قتل کا حکم جو ٹل جائے تو ہے مستحسن

ہو چکا جبکہ شہنشاہ کو پورا یہ یقیں — کہ نہیں اس میں کوئی شائبہ حیلہ و فن
اُٹھ کے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم — تھی جہاں نور جہاں معتکفِ بیتِ حزن

دفعۃً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا
تو اگر کشتہ شدی آہ! چہ می کردم من!

شبلی مرحوم

برقِ کلیسا

رات اُس مس سے کلیسا میں ہوا میں دو چار — ہائے وہ حُسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ اُبھار
زلفِ پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید — قدِ رعنا میں وہ دم خم کہ قیامت بھی شہید
آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں — گال وہ صبحِ درخشاں کہ ملک پیار کریں
گرم تقریر جسے سُننے کو شعلہ لپکے — دلکش آواز کہ سُنکر جسے بلبل چہکے

دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں
سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں

آتشِ حسن سے تقوے کو جلانے والی
بجلیاں لطفِ تبسم سے گرانے والی

پہلوئے حسنِ بیاں شوخیِ تقریر میں غرق
ترکی و مصر و فلسطین کے حالات میں غرق

پس گیا، لوٹ گیا، دل میں سکت بھی نہ رہی
سر تھے تمکین کہ جس گت میں وہ گت بھی نہ رہی

ضبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہوا
یا حفیظ کا کیا ورد، مگر کچھ نہ ہوا

عرض کی میں نے کہ اے گلشنِ فطرت کی بہار
دولت و عزت و ایماں ترے قدموں پہ نثار

تو اگر عہدِ وفا باندھ کے میری ہو جائے
ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے

شوق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی
ناز و انداز سے تیوری کو وہ چڑھا کر بولی

غیر ممکن ہے مجھے انس مسلمانوں سے
بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر
حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر

کوئی بنتا ہے جو مہدی تو بگڑ جاتے ہیں
آگ میں کودتے ہیں، توپ سے لڑ جاتے ہیں

گل کھلائے کوئی میداں میں تو اترا جائیں
پائیں سامان اقامت تو قیامت ڈھائیں

مطمئن ہو کوئی کیونکر کہ یہ ہیں نیک نہاد
ہے ابھی ان کی رگوں میں اثرِ حکمِ جہاد

دشمنِ صبر کی نظروں میں لگاوٹ پائی
کامیابی کی دلِ زار نے آہٹ پائی

عرض کی میں نے کہ اے لذتِ جاں راحتِ روح
اب زمانے پہ نہیں ہے اثرِ آدم و نوح

شجرِ طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں
گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں

اب کہاں ذہن میں باقی ہے براق و رفرف
ٹکٹکی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف

ہم میں باقی نہیں اب خالدِ جانباز کا رنگ
دل پہ غالب ہے فقط حافظِ شیراز کا رنگ

اب نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوشِ سپاہ
سب کے سب آپ کو پڑھتے ہیں سبحان اللہ

ذبحِ تیغِ مجاہد ترے ابرو پہ نثار
نورِ ایماں کا ترے آئینۂ رو پہ نثار

اٹھ گئی صفحۂ خاطر سے وہ بحثِ بد و نیک
دو دلے ہو رہے ہیں کہتے ہیں ہم کو ایک

حوضِ کوثر کی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد
ہم تو تہذیب میں ہیں پیرِ مغاں کے شاگرد

شیخ پہ کچھ وجہِ عتاب آپ کے جانا نہیں
نام ہی نام ہے ورنہ ہم مسلمان نہیں

جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو صاحب فہم ... تو نکالو دل نازک سے یہ شبہ اور یہ وہم
میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو ... ہنس کے وہ بولی کہ پھر مجکو بھی راضی سمجھو

حضرت اکبر

علمی سہرا

جسکے سر پر ہو بندھا علم و ہنر کا سہرا ... اُسکو مرغوب ہو کیونکر گل تر کا سہرا
جنے غفلت کی جو مقنع کو سنوارا رُخ پر ... بندھ گیا غیر کے سر علم و ہنر کا سہرا
آج محکوم ہے محتاج ہے اُن کی اولاد ... جنکے سر پر تھا بندھا فتح و ظفر کا سہرا
قرض کا ڈالتے ہیں اپنے گلے میں پھندا ... دیکھنے کے لیئے ماں باپ پسر کا سہرا
دوستو سلطنت علم کے نوشہ بن جاؤ ... بس بہت باندھ چکے لعل و گہر کا سہرا

خطاب گل بہ گلچیں

مجھے کیوں توڑ کر لائے چمن سے ... چھڑایا کس لیئے مجکو وطن سے
کلیجہ شق کیا سنج و محن سے ... نکالا بزم نسرین و سمن سے
ستم ڈھایا شفیقوں سے چھڑایا ... چمن کے سب رفیقوں سے چھڑایا
پسند آئی میری کیوں جامہ زیبی ... کہ پہروں دیکھتے ہو شکل میری
اُلٹتے ہو کبھی اک ایک پتی ... کبھی ہے جانچ میرے رنگ و بو کی
کبھی تو وجد میں تم جھومتے ہو ... کبھی تم سونگھ کر بو چومتے ہو
جگر اس ڈر سے پہلے ہی سے شق تھا ... پریشاں حال تھا دل میں قلق تھا
تمہارا ہاتھ لگتے چہرہ فق تھا ... گھر آتے آتے اک سادہ ورق تھا
مگر مطلب تمہیں دلبستگی سے ... غرض کیا تم کو میری خستگی سے
غضب ہے گردش دوّرِ زمانہ ... ہوا تیر حوادث کا نشانہ
نہ آیا راس میرا کھل کھلانا ... ہوا یہ موت کا آخر نشانہ
یہ کیوں منہ کھول کر بوسے اٹھی ... منڈاتے سر پڑے اولے الٰہی
کہوں میں تم سے کیا اپنے دہن سے ... گلہ تم سے نہ ہے چرخ کہن سے
لگی ہے آگ میرے تن بدن سے ... کلیجہ پھٹتا ہے یاد چمن سے

یونہی منس کھیل کر چلدیں کہیں کو | نہ چھوڑیں پر وطن کی سرزمیں کو
مجھے لائے ہو تم تازہ چمن سے | لیئے بیٹھے ہو باسط بانکپن سے
سنو اب التجا مجھ دل شکن سے | کہ تم کو ذوق ہے شعر و سخن سے
رہا ہوں سامنے مضمون ہو کر | مروں گا آپ کا ممنون ہو کر
سنا دینا میری سب کو کہانی | پہنا کر جامۂ رنگیں بیانی
اٹھا رکھنا نہ اپنی خوش بیانی | یہ کرنا اور اتنی مہربانی
نکل جائے مری جب روح تن سے | ملا دینا مجھے خاکِ چمن سے

اللہ اکبر

جس کے سینے میں دلِ آگاہ ہے | اُس کے لب پر اللہ ہی اللہ ہے
منزلِ قومی سے آتی ہے صدا | جو نہیں ہے قبلہ رو گمراہ ہے
لا الٰہ آسان ہے سائنس میں | فلسفہ میں مشکل الا اللہ ہے
دورِ قرآن و تجارت ہو چکا | اب تو یاں کھیوٹ ہے یا تنخواہ ہے

آئینۂ دل

زیادہ جان سے کیونکر نہ رکھوں دل کو عزیز | یہ آئینہ تیری صورت مجھے دکھاتا ہے
خدا پناہ میں رکھے کشاکشِ غم سے | اسی سے تارِ نفس جلد ٹوٹ جاتا ہے
دوئی کا دخل نہیں بزمِ وصل میں منظور | وگرنہ آپ ہیں آنا تو مجھکو آتا ہے
فنا کا خوف کچھ اہلِ حیات ہی کو نہیں | ہوا سے شمع کا شعلہ بھی کانپ جاتا ہے
مقامِ شکر ہے غافل مصیبتِ دنیا | اسی بہانے سے اللہ یاد آتا ہے

بنائے ملت

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہے جان مر رہے ہیں | مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں
ادھر ہے قوم ضعیف و مسکیں اُدھر ہیں کچھ مشرانِ خود بیں | ادھر نشاں اسکا مٹ رہا ہے اُدھر وہ اپنے نہ پر رہے ہیں
کٹی رگِ اتحادِ ملت رواں ہوئیں خونِ دل کی موجیں | ہم اسکو سمجھے ہیں آبِ صافی نہا رہے ہیں نکھر رہے ہیں
صدائے الحاد اٹھ رہی ہے خدا کی اب یاد اٹھ رہی ہے | دلوں سے فریاد اٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گزر رہے ہیں

قفس ہی کم ہمتی کا سب میں پڑے ہیں کچھ دانہ ہائے شیریں
اسی پہ قائل ہی طمع شاہیں یہاں ہیں اب شپرہ رہے ہیں

اگرچہ یورپ بھی مبتلا ہی وہاں بھی پھیلی یہی بلا ہے
خیال مٹیر کا بڑھ چلا ہی خدا کا انکار کر رہے ہیں

مگر وہاں کی بنا ہے نیشن رُکا ہے ملحد کا آپریشن
نہیں ہی گم لفظ سالویشن خدا سے اب بھی وہ ڈر رہے ہیں

یہاں بجائے نماز گپ ہے وہاں ہی عزلت پشپ ہی
یہاں مساجد اُجڑ رہی ہیں وہاں کلیسا سنور رہے ہیں

جناب اکبر سے کوئی کہہ دے کہ لوگ بیٹھے ہیں آج کل کے
اِس انجمن میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا قہر کر رہے ہیں

اکبر حسین اکبر

سوز حسرت

ہوائے الحاد رنگِ ملت کو ہر روش پر بدل رہی ہے
جو بات بگڑی بنے وہ کیونکر جو چل گئی ہی وہ چل رہی ہے

ہمیں نے در اس ہوا پہ کھولا کیا اُسے چپ جو کوئی بولا
ہمیں ہوا اب جنون و تردد اسکا طبیعت اب تہ مل رہی ہے

نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے نہ عزتِ قوم پر نظر ہے
سروں میں سودا سما رہا ہی دلوں سے غیرت نکل رہی ہے

جو پیشوا خود ہوں رند مشرب تو کیا ہے رنگِ غلط مذہب
قلوب شیطاں کے تبع میں زبان قرآں پہ چل رہی ہے

کریں چین باخبر ہیں ہر جا نہیں ہے چرچوں میں اسکا چرچا
ہمیں نے سمجھا ہے مہد اسکو اسی میں اب نسل پل رہی ہے

جو قوم ہمسایہ ہی ہماری نہیں ہے اُس پر بلا یہ طاری
ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں وہ ہوش میں ہو سنبھل رہی ہے

ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں بنا رہی ہی وہ اپنے گھر کو
ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے

خدا کی ساعت میں پانچ صدیاں چھٹی نہیں ہیں ابھی ہی پڑیں
بلائیں آئیں اور آرہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

زبان اکبر میں کب ہے قدرت کہ کہہ سکے رازِ سوزِ حسرت
یہ شمع اسکو بیاں کریگی جو گورِ سینہ پہ جل رہی ہے

اکبر حسین اکبر

گور غریباں کا پرس

کل سو گیا میں فکرِ عذاب و ثواب میں
ویرانہ ایک مجھ کو نظر آیا خواب میں

گو دیکھنے میں تھا وہ بیابان ہولناک
تھیں بستیاں زمین کے نیچے حجاب میں

مٹی کے پتلے خاک کے بالیں پہ سر دھرے
لیٹے تھے منہ چھپائے ردائے سراب میں

جوں سنگریزے خاک پہ تھے منتشر تمام
جیسے کہ داغ ہوں دلِ خانہ خراب میں

سر دھن رہے تھے آ کے بگولے مزار پر
اُٹھ اُٹھ کے گرد بیٹھتی تھی اضطراب میں

طائر بھی اس جگہ پہ بسیرا نہ لیتے تھے
وحشت مکیں تھی خانۂ یوم عذاب میں

حسرت برس رہی تھی غریبوں کی قبر پر
چلاتی تھی زمین کہ میں ہوں عذاب میں

تے کچھ مزار جنسے نکلتی تھی یہ صدا — ہر چیز بے ثبات ہے دیرِ خراب میں
ملتا نہ تھا کوئی کہ جو پوچھیں بیاں کا حال — حیران میں کھڑا تھا عجب پیچ و تاب میں
ناگاہ اک جوان مجھے آگیا نظر — دنیا سے اُٹھ گیا تھا جو عہدِ شباب میں
صورت اُداس خاک میں زلفیں اٹی ہوئیں — چہرہ شگفتہ گرد کی ہلکی نقاب میں
پوچھا یہ میں نے کچھ تو بتا اپنی سرگزشت — کیوں دیکھتا ہوں تجکو میں اس انقلاب میں
غربال تیرا صحفِ رُخ ہو گیا تمام — کیڑے یہ کیسے لگ گئے ساری کتاب میں
مٹی میں ملکے دانت ترے ہو گئے خراب — افسوس فرق آگیا موتی کی آب میں
کچھ آبدیدہ ہوکے جو میں نے کیا سوال — مغموم دل سے اُس نے کہا یہ جواب میں
اک دن وہ تھا کہ زینتِ بزمِ طرب تھے ہم — رندوں کے جھگڑے تھے ہماری جناب میں
ساقی بریز بادہ و ساغر بگردش آر — دن رات کا یہ ورد تھا عہدِ شباب میں
آئی کبھی نہ نیند فسانہ سُنے بغیر — پلتی تھی روح نغمۂ چنگ و رُباب میں
قبلہ تھا یا کہ کعبۂ حاجت تھا میکدہ — تھی بہتی پھرتی کشتیٔ ایماں شراب میں
تہ کرکے رکھدیا تھا مصلّے کو طاق پر — ہنستے تھے سُن کے فرق عذاب و ثواب میں
ناصح کے وعظ و پند پہ کرتے تھے مضحکہ — دیکھا کبھی نہ کیا ہے خدا کی کتاب میں
افسوس آج ہم ہیں اکیلے تہِ مزار — سب چھٹ گئے جو یار تھے دیرِ خراب میں
اب یہ اندھیری قبر ہے اور ہم اسیرِ غم — کیا پوچھتے ہو روح ہے کیسے عذاب میں

ہوگی

تو غریب ہی

تجھے اُنسے ہی سروکار تیری آرزو بھی عجیب ہے — وہ ہیں تخت پر تو ہی خاک پر وہ امیر ہیں تو غریب ہے
ترا جلوۂ زیبِ خیال ہے وہی وجد ہے وہی حال ہے — تری انجمن سے ہوں دور اگر میرا دل تو تجھ سے قریب ہے
جو خدا کا حکم ہے توبہ ہے مجھے توبہ کرنے میں عذر کیا — مگر ایک بات ہے واعظا کہ بہار اب تو قریب ہے
پئے حفظِ جاں ہیں جو کوششیں وہ اجل کیلئے ہیں بہانۂ شیر — تیری اس روش پہ ہیں خواہشیں یہ معاملہ بھی عجیب ہے
اُسے انجموں کا خیال کیا جو ہو محو تاروں کی چال کا — وہ نظر زمیں پہ کیوں جھکے کہ جو آسماں سے قریب ہے
جو حرم میں شیخ ہی کدہ ہے کیا کہ ضرور تیں ہیں جدا جدا — میں ہوں دیر میں تو عجب ہے کیا کہ یہ اپنا اپنا نصیب ہے

اکبر الہ آبادی

آٹھ پہر کا رونا

دن رات کی یہ بے چینی ہے یہ آٹھ پہر کا رونا ہے — آثار برے ہیں فرقت میں معلوم نہیں کیا ہونا ہے
دنیا کیلئے ہنگامے تھے خلق ایک طرف آپ اکطرف — اب شہر خموشاں عالم ہو مٹی ہے لحد کا کونا ہے
کیوں پست ہوئی ہے ہمت دل کیوں چھائی ہے یہ مایوسی — کوشش تو ہم اپنی سی کرلیں ہوگا تو وہی جو ہونا ہے
ترکیب و تکلف لاکھ کرو فطرت کہیں چھپتی ہے اکبر — جو مٹی ہے وہ مٹی ہے جو سونا ہے وہ سونا ہے

اکبر الہ آبادی

محتاج کفن

مفتون ہوگئے ہم اس بے بقا چمن کے — آنکھوں میں خاک ڈالی مٹی نے پھول بن کے
ہستی کو اپنی سمجھیں بنیاد اپنی دیکھیں — اٹھتے ہیں جو بگولے برباد ہونگے تنکے
گو بجتی بہت ہے اسمیں فریاد بے کسوں کی — ٹکڑے اڑینگے اک دن اس گنبد کہن کے
مغرب کا وعظ ادھر بھی اے پیر ملت تو کر — اس شہر میں بھی مردے محتاج ہیں کفن کے

ایضاً

مجنوں اور مجنوں کی ساس

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر — ہمیں تو ان کی خوشحالی سے ہے یاس
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ — کیا ہے جسکو میں نے زیب قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے — ق — کہ بیٹا تو کرے ایم اے اگر پاس
تو فوراً دوں بیاہ لیلیٰ کو تجھ سے — بلا دقت میں بن جاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی — کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
بڑی بی! آپ کو کیا ہو گیا ہے — ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدردانی آپ نے کی — مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچرنداس
یہی ٹھیری جو شرط وصل لیلیٰ — تو استعفیٰ مرا با حسرت و یاس

ایضاً

تتمہ قدسی

پریشاں ہو کے ماں لیلیٰ کی بولی — (۱) تجھی کیا ایک ہی پہلو میں سب پاس
نہ ہو تو صحبت ملا میں مدہوش — کیا واعظ نے تیرا ستیاناس
ارے لڑکے! تو دیوانہ بنا ہے — ذرا تہذیب کا تجھکو نہیں پاس

ابھی لینی ہے ایل ایل ڈی کی ڈگری ۔۔۔ ابھی پہننا ہے انگریزی اُلمتاس
ابھی باقی ہے لنڈن کی سیاحت ۔۔۔ ابھی جانا ہے واں بالعین والراس
تجھے کرنا ہی ہوگا سارا دھندا ۔۔۔ لگانا ہی پڑے گا تجھ کو کمپاس
پڑھے میلے تو یونی ورسٹی میں ۔۔۔ بنے تو تجربہ کا خضر و الیاس
ہمیں بھاتا نہیں داماد ایسا ۔۔۔ ہمیں آتی نہیں یہ صحبتیں راس
خدا کے واسطے آ۔ راہ پر تو ۔۔۔ سول سروس ولایت جاکے کر پاس
تو ایسا ہو کہ کردوں عقد و پیوند ۔۔۔ گھر ہو جائے پھر مقرونِ الماس
بگڑ کر بلکہ تیور سے بدل کر ۔۔۔ (۲) کہا مجنوں نے اماں ہی یہ وسواس
ہو مجھ میں نیچریت واہ کیا خوب ۔۔۔ نہ ہوگا گھونسلے میں چیل کے ماس
ہیں ڈگری یافتہ ایسے بہت سے ۔۔۔ جنھیں دیدارِ حق کی بھی نہیں آس
وہ ہنستے ہیں امورِ آخرت پر ۔۔۔ انھیں رہتا ہے اکثر قرب خنّاس
انھیں ڈھونڈو میں ایسے میں خدارا ۔۔۔ (۳) نیوفیشن میں سونگھو اُن کی بوباس
کہیں سائنس میں اُلجھے ہوئے ہیں ۔۔۔ کہیں طبعی بنی ہے اُن کا مقیاس
بچائے حق تعالیٰ اُن کے شر سے ۔۔۔ کہ ایسی فخر ہی ہے عین آماس
نہیں پڑنے کا میں اس خرخشے میں ۔۔۔ خدارا قدر ایں دلدادہ بشناس
بُرا ہوں، یا بھلا۔ ہوں تو مسلماں ۔۔۔ کرو اب فیصل مجکو یا کرو پاس

بیاں ہو نہیں سکتا

مجھ سے غمِ پنہاں کا بیاں ہو نہیں سکتا ۔۔۔ دل سینے میں ہے منہ میں زباں ہو نہیں سکتا
تم غیر کے پہلو میں ہو میں بزم میں بیٹھوں ۔۔۔ مجھ سے تو یہ اے جانِ جہاں ہو نہیں سکتا
آنکھوں نے جو دیکھا ہے ترے حسن کا عالم ۔۔۔ واللہ زبانوں سے بیاں ہو نہیں سکتا
معنی کی شعاعوں سے جو لکھ جاتا ہی دلپر ۔۔۔ سچ یہ ہے وہ لفظوں میں بیاں ہو نہیں سکتا
کسطرح کلیسا میں پڑھوں سورۂ اخلاص ۔۔۔ ظاہر ہے کہ یہ نام بیاں ہو نہیں سکتا
بہتر ہے کہ ہو صبر کی قوت میں ترقی ۔۔۔ اُن پر اثرِ آہ و فغاں ہو نہیں سکتا

اکبر تری باتیں کبھی ہوتی ہی نہیں ختم — کیا حال ہے تیرا کہ بیاں ہو نہیں سکتا

حسن اور زوال

خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا — جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا
ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا — شبِ درازِ عدم کا فسانہ ہے دنیا
ہوئی ہے رنگِ تغیّر سے جب نمود اسکی — وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے اسکی
کہیں قریب تھا یہ گفتگو قمر نے سنی — فلک پہ عام ہوئی اخترِ سحر نے سنی
سحر نے تارے سے سن کر سنائی شبنم کو — فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو
بھر آئے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے — کلی کا ننھا سا دل خون ہو گیا غم سے
چمن سے روتا ہوا موسمِ بہار گیا — شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

عندلیب حجاز کی نذر حضور رسالت پناہی میں

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا — جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن — نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا
ہوا رفیقِ اجل اشتیاقِ آزادی — سمندِ عمر کو اک اور تازیانہ ہوا

فرشتے بزمِ رسالتؐ میں لے گئے مجھ کو
حضورِ آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضورؐ نے اے عندلیبِ باغِ حجاز — کلی کلی ہے تری گرمیِ نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوشِ جامِ ولا ہے دل تیرا — فتادگی ہے تری غیرتِ سجودِ نیاز
اڑا جو پستیِ دنیا سے تو سوئے گردوں — سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعتِ پرواز

نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا

حضورؐ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی — تلاش جسکی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں — وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں — جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

بادۂ گلرنگ

مے ارغوانی ہے تو یا پری ہے — کہ رگ رگ میں تیری شرارت بھری ہے
ہر اک قصر میں تیری جلوہ گری ہے — ترے نام سے حسن کی برتری ہے

دل آویز ہیں سارے انداز تیرے
اُٹھاتے ہیں سو جان سے ناز تیرے

شہنشاہ جمشید کی لاڈلی ہے — امیروں کی تو گودیوں میں پلی ہے
تو بیباک ہے شوخ ہے منچلی ہے — تری ہند و انگلینڈ میں کھلبلی ہے

کیا ناز سے مست ہندوستاں کو
بہایا ہے یورپ کے اک اک جواں کو

ہر اک بزم میں رنگ تیرا جما ہے — نرالی زمانے سے تیری ادا ہے
تری آگ سے برف بھی جل بجھا ہے — تو سوڈے میں بھی زہر کا بلبلا ہے

لگائی ہے وہ آگ پانی میں تو نے
جوانوں کو مارا جوانی میں تو نے

پیالوں میں تو نور سی ڈھل رہی ہے — صبا تجھ کو پنکھا لیئے جھل رہی ہے
صراحی تری آگ میں جل رہی ہے — جہاں کے گلے پر چھری چل رہی ہے

تجھے دیکھکر اک جہاں جی رہا ہے
زمانہ ترے زہر کو پی رہا ہے

ہے صحبت تری شوخ اور چنچلوں میں — سمائی ہیں موجیں ترے ولولوں میں
پری بن کے اُتری ہے تو بوتلوں میں — تری سلطنت آج ہے ہوٹلوں میں

پہاڑوں پہ ہے ہر جگہ تیرا حملہ
حکومت میں ہے تیری کشمیر و شملہ

دوبالا کیا تونے حسن فرنگی شادی زمانے سے تونے دورنگی
تیری دھن میں ہر اک شریف اور بنگی ہوئی تجھ سے یک جا فراخی و تنگی
زمانے میں تیرا کرشمہ نیا ہے
ہر اک کھٹ بنالاٹ صاحب بنا ہے

بھبوکا ہے نکھرا ہوا تیرا جوبن غضب ہے، ستم ہے، ترا چُلبلا پن
نشیلی ہیں آنکھیں کٹیلی ہے چتون قیامت ہے اڑتا ہوا تیرا دامن
ستم یہ نیا ہو رہا ہے ستم پر
کہ فتنے اٹھاتی ہے تو ہر قدم پر

نہ ہے کوئی تجھ سی پری اور چنچل جدا سب حسینوں سے ہی تیری چھلبل
ترے دم قدم سے ہی جنگل میں منگل اگر تو نہ ہو اک زمانہ ہو بے کل
ہے سب دین و دنیا کی ذلت گوارا
نہیں ہے مگر تیری فرقت گوارا

شجر میں شگوفہ طرحدار تو ہے گلستاں میں بلبل کی چہکار تو ہے
حسینوں کی گیسوئے خمدار تو ہے بیاباں میں کانٹے کی پھنکار تو ہے
کسیکو کہیں بن کے ناگن ڈسا ہے
کہیں عنبریں زلف کا لخلخہ ہے

کہیں غیرت سرو شمشاد ہے تو کہیں عندلیبوں کی صیاد ہے تو
کہیں اک زمانے سے آزاد ہے تو کہیں بانی ظلم و بیداد ہے تو
ہزاروں گلستاں اجاڑے ہیں تونے
گلوں کے گریباں پھاڑے ہیں تونے

وہ سفاک ہے تیری چشم خماری کہ تعلیم لیتے ہیں جس سے شکاری
کہیں تو چھری ہے کہیں ہے کٹاری جفاؤں سے تیری زمانہ ہے عاری
تری چوکڑی سے ہرن بھاگتے ہیں

شب و روز جادو ترے جاگتے ہیں

جہاں میں ترے حسن کا ہے اجالا تیرا جام روشن منور پیالا
یہ کیا روشنی میں ہے اندھیر ڈالا کہ روشن دلوں کو ہے جینے کا لالا

ترا دور ہے تیز چرخ بریں سے
ستارے ترے ٹوٹتے ہیں زمیں سے

فلک پر ہے تو کہکشاں مانگ والی گھٹا میں ہے بکھری ہوئی زلف کالی
شفق میں ہے تو روئے رنگیں کی لالی تری ہر جگہ ہر ادا ہے نرالی

چمکتی ہے برسات میں آسماں پر
گراتی ہے تو بجلیاں اک جہاں پر

زمانہ ہے تیری اداؤں کا بسمل ضعیفوں کی دشمن جوانوں کی قاتل
جو تجھ پر ہے مائل قضا اُس پہ مائل ترا جام شیریں ہے زہر ہلاہل

دکھاتی ہے آفت کی جلوہ گری تو
کہ پردے میں ہے موت کے اک پری تو

کوئی دل میں سمجھا ہے گلفام تجھ کو کوئی جانتا ہے دل آرام تجھکو
پیئے ہے جہاں صبح اور شام تجھکو غرض رنگ رلیوں سے ہی کام تجھکو

حسیں ہے مگر تیری سیرت بری ہے
جوانوں کے حق میں تو میٹھی چھری ہے

حقیقت میں ہے موت کا تو فرشتہ جہاں تو ملی مل گیا سل کا تمغہ
ہوا ایک بھی تیرا مارا نہ اچھا رواں ہفت کشور میں ہے تیرا سکہ

گئے جان سے تیرے دکھیا ہزاروں
نظر آتی ہیں تجھ سے بیوہ ہزاروں

جو زندہ ہیں تو اُن کو پھسلا رہی ہے جو مرنے کو ہیں اُن کو ٹھکرا رہی ہے
قضا بن کے تو پاؤں پھیلا رہی ہے یہ نیند آ رہی ہے کہ موت آ رہی ہے

ہزاروں پڑے گور میں سو رہے ہیں
جو زندہ ہیں وہ آبرو کھو رہے ہیں

تو رنگیں اداؤں کے دل میں بسی ہے — بتوں کے انگوٹھے کی تو آرسی ہے
تری زلف میں ایک دنیا پھنسی ہے — غضب بیکسی ہے ستم بے بسی ہے

زمانے میں ہیں خوار مشتاق تیرے
ہیں جینے سے بیزار مشتاق تیرے

ہزاروں کو نوّاب تو نے بنایا — جو نوّاب تھے اُن کو نیچا دکھایا
سدا خاک میں لاکھ کا گھر ملایا — نہ عزّت ہی باقی رہی اور نہ مایا

بہت ہند میں سر اُٹھایا ہے تو نے
تباہی کا ڈنکا بجایا ہے تو نے

ہزاروں کا تو نے لیا دین و ایماں — ترے برہمن ہیں ہزاروں مسلماں
بنا تیری صحبت میں انسان حیواں — فرشتہ کو تو نے کیا دم میں شیطاں

ہزاروں کی لی عزت و شان تجھ نے
بھرے قیدیوں سے ہیں زندان تو نے

ہزاروں جوانوں کو بے آب مارا — بلا تیغ سر سرکشوں کا اُتارا
کیا ناز سے جس کو تو نے اشارا — کیا گویا دنیا سے اُس نے کنارا

جہاں میں بہت لال کھوئے ہیں تو نے
ہزاروں سفینے ڈبوئے ہیں تو نے

بہت مہ جبینوں کو تو نے جلایا — بہت مہ جبینوں کو تو نے ستایا
ترے سن کی تو نے پہ سر اُٹھایا — لگن میں پتنگے کا پر تک نہ پایا

ہر اک انجمن میں ہیں افسانے تیرے
کہ جلتے ہیں بے آگ پروانے تیرے

امیروں کی تاراج کی تو نے دولت — وزیروں کی برباد کی جاہ و حشمت

ملی خاک میں بادشاہوں کی عزت ۔۔۔ نہ اب ملک ہے اور نہ اب ہے حکومت
تو ہے منصب و جاہ و حشمت کی دشمن
تو ہے عزت و مال و دولت کی دشمن

ہوئی عقل معدوم تیری بدولت ۔۔۔ ملی خاک میں ساری علمی لیاقت
نہ اخلاق ہے اور نہ ہے آدمیت ۔۔۔ فقط نام کو آدمی کی ہے صورت
کرشمہ نیا یہ دکھایا ہے تو نے
کرچلو میں اُلّو بنایا ہے تو نے

نہیں ذکر یہاں ایک کا اور دو کا ۔۔۔ ترقی سے تو نے ہزاروں کو روکا
بہت عالموں کو دیا تو نے دھوکا ۔۔۔ وہ پیچھے رہا جسکو ہے تو نے ٹوکا
گھٹاتا ہے عالم کو ادبار تیرا
زمانے میں شاگرد ہے خوار تیرا

جوانو! طرب کی نصیحت کو مانو ۔۔۔ بہت مُنہ پہ غفلت کی چادر نہ تانو
نہ بربادیِ مال اور عزت کی ٹھانو ۔۔۔ نہ دھوکے میں آبِ حیات اسکو جانو
یہ شربت نہیں ہے اسے زہر سمجھو
سرور اس کا تم سانپ کی لہر سمجھو

زادِ سفر

اب جو آئے گی اجل ملے گا اُس کو ۔۔۔ جا چکی جان یہاں موت کے ڈر سے پہلے
لازم اندیشۂ عقبےٰ ہے ہمیں دنیا میں ۔۔۔ چاہیئے زادِ سفر وقتِ سفر سے پہلے

یادِ خدا

فنا کا خوف کچھ اہلِ حیات ہی کو نہیں ۔۔۔ ہوا سے شمع کا شعلہ بھی کانپ جاتا ہے
مقامِ شکر ہے غافل مصیبتِ دنیا ۔۔۔ اسی بہانے سے اللہ یاد آتا ہے
خدا کے واسطے یادِ خدا کر اے اکبر
بتوں کے عشق میں جاں اپنی کیوں گنواتا ہے

کوئی نہیں

خوب ڈھونڈا اپنا زیرِ آسماں کوئی نہیں — آشنائیں سب ہیں تحتِ امتحاں کوئی نہیں

کی مری آنکھوں نے قائم یہ عجب حدِّ نظر — فلسفی کہنے لگے سب آسماں کوئی نہیں

انکساری

تسلی غمگساروں کو دلِ درد آشنا دینا — ہجومِ غم میں بھی جب بات کرنا مسکرا دینا

چلن کر اختیار ایسا کہ دشمن دوست ہو جائیں — جہاں رہرو قدم رکھیں وہاں آنکھیں بچھا دینا

بوئے دوست

گو کہ سر حدِّ تصور سے بھی باہر کوئے دوست — آرہی ہے صاف لیکن ہم کو جا بجا بوئے دوست

رشک تم پر کیوں کریں اے ساکنانِ کوئے دوست — دوست دشمن سبھی میں آتی ہے یکساں بوئے دوست

بولتی تصویر ہے شہرِ خموشاں کی ہر ایک — اس طرح چپ رہتے ہیں سب ساکنانِ کوئے دوست

رباعی

جب ہاتھ میں ساقی کے گلابی ہوگی — اور چشم سرمست شرابی ہوگی

تب عقل جنوں سر پہ کیا آوے گی بلا — اور ہوش کی سر میں کیا خرابی ہوگی

رباعی

اک دیا ہے عالمِ اخلاق میں اسکا وجود — تجھ میں اک ذرہ بھی غیرت ہو تو [illegible]

اس کمینے سے خدا رکھے بچا کر اس منحوس سے — خرچ کر ڈالے جو عزت اور بچالے مال و زر

رباعی

ترک کردوں اگر اپنے کو تو کامل ہو جاؤں — اپنے قابل نہ ہوں تو تیرے قابل ہو جاؤں

اس قدر حسن کو دیکھا ہے تامل سے کہ اب — کیا تعجب کہ میں اپنے ہی مائل ہو جاؤں

جذباتِ اکبر

اکبر نہ تھا بت خانے میں رحمت بھی ہوئی اور زر بھی گیا — کچھ نامِ خدا سے اُنس بھی تھا کچھ ظلمِ بتاں سے ڈر بھی گیا

کعبے سے جو بت نکلے بھی تو کیا کعبہ ہی گیا جب دل سے نکل — افسوس کہ بت بھی ہم سے چھٹے قبضے سے خدا کا گھر بھی گیا

پروانے کا حال اس محفل میں ہے قابلِ رشک اے اہلِ نظر — اک شب ہی میں یہ پیدا بھی ہوا عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

جو گونج رہا تھا خوشیوں سے اس قصر میں کل رونا ہے بہت | کوئی متنفس تھا نہ وہاں باہر بھی پھرا اندر بھی گیا

خنجر کی چمک بھی چھپ نہ سکی فریاد بھی میری اُسنے سنی | دامن نہ سمیٹ اے قاتل دیکھ ابھی لہو تو بھرا گا

استقلال اکبر

شیخ نے ناموس کے سر میں خودی کی ٹھان لی | پھر تو یاروں نے بھی گانے کی کھلکر ٹھان لی

بانیٔ دل مجیب تھے لیکن نتیجہ یہ ہوا | دل نے تڑپایا ہمیشہ زندگی نے جان لی

مدتوں قائم رہیں گی اب لبوں میں گرمیاں | میں نے فوٹو لیلیا اُسنے نظر پہچان لی

رو رہے ہیں دوست میری لاش پر بے اختیار | یہ نہیں دریافت کرتے کسنے اسکی جان لی

میں تو انجن کی گلے بازی کا قائل ہو گیا | رہ گئے نغمے حدی خوانوں کے سیٹی تان لی

حضرت اکبر کے استقلال کا ہوں معترف | تا بمرگ اُس پر رہے قائم جو دل میں ٹھان لی

ہمنشیں

اے انیسِ کنجِ تنہائی پیارے ہمنشیں | آہ میں تیرے لیے زندہ ہوں تو میرے لیے

تجھسے بڑھکر لطف دنیا کا کسی شے میں نہیں | تجھکو میری دھن ہے تیری آرزو میرے لیے

دید کے قابل اگرچہ ہے فضائے روزگار | اور دلکش ہے اگرچہ باغِ عالم کی بہار

تو ہی پہلو میں نہ ہو تو اے رفیقِ غمگسار | وادیٔ پُر خار ہے نظروں میں فردوسِ بریں

ماں کی مامتا

یا

خوابِ محبت

کل رات انتہا کا مجھے اضطراب تھا | دل جل رہا تھا رنج سے سینہ کباب تھا

روتی تھی اپنے بچۂ مرحوم کے لیے | گویا گناہ کرتی تھی معصوم کے لیے

ماری تھی مامتا سے جو گریہ کناں تھی میں | کیونکر نہ اپنے بچے کو روتی کہ ماں تھی میں

پالا تھا جسکو رنج و مصیبت میں جبر میں | ہیہات سو اب آئی تھی میں اسکو قبر میں

نیند آ گئی ذرا جو غم و اضطراب میں | طرفہ تماشا مجھکو نظر آیا خواب میں

تقدیر نے نوید رسائی دیا مجھے | بچوں کا ایک غول دکھائی دیا مجھے

تاروں کے ساتھ ساتھ مہِ نو ذرا بھی تھا
یعنی انہیں کے زمرے میں بچہ مرا بھی تھا

سب پاک تھے خیال میں دل میں نگاہ میں
دامن کسیکا تھا نہ ملوث گناہ میں

کچھ فرق و امتیاز نہ تھا خوب و زشت کا
ہر ایک کے گلے میں تھا تحفہ بہشت کا

نورانی سب کے چہرے تھے کوئی بے صفا نہ تھا
سب تھے سفید پوش کوئی دوسرا نہ تھا

آکر مرے قریب رفیقوں کو چھوڑ کے
کہنے لگا وہ لال میرا ہاتھ جوڑ کے

نورِ نظر کے واسطے آنکھیں نہ کھوئیے
قربان جاؤں آپ کے اماں نہ روئیے

ہر طفل نونہال کا دل باغ باغ تھا
ہر ماہ وش کے ہاتھ میں اک اک چراغ تھا

روشن تھا ہر چراغ بڑی آب و تاب سے
دل کا کنول کھلا تھا فزوں تر گلاب سے

لیکن یہ حال دیکھ کے صدمہ سوا ہوا
یعنی مرے پسر کا دیا تھا بجھا ہوا

اسکا چراغ گل جو نظر مجھ کو آگیا
آنکھوں میں میرے ایک اندھیرا سا چھا گیا

پوچھا کہ اے قرارِ دل و جاں یہ کیا ہوا
تیرا چراغ کیوں ہے ابھی تک بجھا ہوا

کہنے لگا وہ کیا کہوں اندوہ سخت ہے
یہ نورِ چشم آپ کا تاریک بخت ہے

اعمال سے مرے ہے نہ قہرِ خدا سے ہے
میرا یہ حال آپ کے آہ و بکا سے ہے

اماں! مجھے بھی تھا یہی روشن دیا دیا
لیکن تمہاری آہ نے اس کو بجھا دیا

سینے پہ آپ صبر کی سل رکھ کے سوئیے
قربان جاؤں آپ کے اماں نہ روئیے

رونے سے روحِ پاک کو میری عذاب ہے
اچھا نہیں یہ حال تمہارا خراب ہے

رونے نے آپ کے مجھے پانی بنا دیا
بارانِ تن کے دل کی کلی کو گھلا دیا

معصوم تھا شمول نہ کرتا تھا زشت میں
مجھکو جگہ ملی ہے ریاضِ بہشت میں

لیکن تمہاری گود میں جو لطف تھا مجھے
زنہار وہ مزہ نہ ارم میں ملا مجھے

دم توڑتا تھا جب میں تمہاری کنار میں
اس دم بھی تم کو دیکھ کے دل تھا قرار میں

مجھ سے قضا نے ساتھ تمہارا چھڑا دیا
ہمجولیوں کے غول میں مجھ کو ملا دیا

کیا فائدہ ملال و بکا سے اٹھاؤ گی — مر جاؤ گی جو رو کے تو مجھکو نہ پاؤ گی
اک بات اور بھید کی کہتا ہوں کان میں — اماں کوئی کسی کا نہیں ہے جہان میں

تخم ملال کشت جگر میں نہ بوئیے
قربان جاؤں آپکے اماں نہ روئیے

غزل اقبال

مجنوں نے شہر چھوڑا تو صحرا بھی چھوڑ دے — نظارے کی ہوس ہو تو لیلیٰ بھی چھوڑ دے
واعظ! کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد — دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے
مینارِ دل پہ اپنے خدا کا نزول دیکھ — یہ انتظارِ مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے
تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی — رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے
مانند خامہ تیری زباں پر ہے حرفِ غیر — بیگانہ شے پہ نازشِ بے جا بھی چھوڑ دے
لطف کلام کیا جو نہ ہو دل میں زخم عشق — بسمل نہیں ہے تو تو تڑپنا بھی چھوڑ دے
شبنم کی طرح پھولوں پہ رو اور چمن سے چل — اس باغ میں قیام کا سودا بھی چھوڑ دے
ہو عاشقی میں رسم الگ سب سے بیٹھنا — بت خانہ بھی حرم بھی کلیسا بھی چھوڑ دے
سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے — او بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے
اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل — لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے
جینا وہ کیا جو ہو نفسِ غیر پر مدار — شہرت کی زندگی کا بھروسا بھی چھوڑ دے
شوخی سی ہے سوالِ مکرر میں اے کلیم — شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے
ہاں اے سرابِ عشق یہ دن ہیں نمود کے — ایسی اچھل کہ خلوتِ مینا بھی چھوڑ دے
واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں — اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

حکمت ہے تو یہ ہے

معنی کو بھلا دیتی ہے صورت ہے تو یہ ہے — نیچر سے سبق سیکھ لے زینت ہے تو یہ ہے
کمرے میں جو ہنستی ہوئی آئی مس رعنا — ٹیچر نے کہا علم کی آفت ہے تو یہ ہے
پیچیدہ مسائل ہی لیے جاتے ہیں انگلینڈ — زلفوں ہی میں الجھ آتے ہیں آفت ہے تو یہ ہے

نہ پیدا ہوگی خطِ نسخ سے شانِ ادب آگیں
نہ نستعلیق حرف اس طور سے زیبِ رقم ہونگے

خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیلِ موسم کی
کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہونگے

عقائد پر قیامت آئے گی ترمیمِ ملت سے
نیا کعبہ بنیگا مغربی پتلے صنم ہونگے

بہت ہونگے مغنی نغمۂ تقلیدِ یورپ کے
مگر بے جوڑ ہوں گے اسلیئے بے تال و سم ہونگے

ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی
لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا میں ضم ہونگے

بدل جائے گا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہونگے

گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائینگے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہونگے

کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا
ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہونگے

تمہیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہیں وہ دن نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

زینۂ عرش

بدل جمعی پئے جبتک جئے جینا اسیکا ہے
پیئے جو سیر ہو کر رات دن پینا اسیکا ہے

نگہ کی برچھیاں جو سہہ سکے سینہ اسیکا ہے
ہمارا آپ کا جینا نہیں جینا اسیکا ہے

تصور اس رخِ صافی کا رکھ مدِ نظر ناداں
لگائے منہ جو آئینہ کو آئینہ اسیکا ہے

یہ بزمِ مے ہے کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسیکا ہے

قدم اپنا فرازِ ہمتِ عالی پہ رکھتا جا
جسے کہتا ہے زاہد عرش یہ زینہ اسیکا ہے

بسر ہو میکدے میں پنجشنبہ جمعہ جس کا
جو مے نوشی میں کردے صبح آدینہ اسیکا ہے

فضائے دہر میں یہ سیر گاہ جسنے بنا دی ہے
تماشائے جہاں ہیں دیدۂ بینا اسیکا ہے

کدورت سے دل اپنا پاک رکھو شاد پیری تم
کہ جسکو منہ دکھاتا ہے یہ آئینہ اسیکا ہے

ہشیار باش

اک مس سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد
اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہ ہائے دل خراش

کوئی کہتا ہے کہ بس اسنے بگاڑی نسلِ قوم
کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے بدخصال و بدمعاش

دل میں کچھ انصاف ہی کرتا نہیں کوئی بزرگ
ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش

ہوتی ہے تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو
قومِ انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع و تراش

جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو　　سوپ کاری کے مزے لو چھوڑ کر یخنی و آش
لیڈیوں سے مل کے دیکھو انکے انداز و طریق　　بال میں ناچو کلب میں جا کے کھیلو اُن سے تاش
بادۂ تہذیب یورپ کے چڑھاؤ خُم کے خُم　　ایشیائے شیشۂ تقویٰ کو کرو پاش پاش
جب عمل اسپر کیا، پریوں کا سایہ ہو گیا　　جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر انتعاش
سامنے تھیں لیڈیاں زہرہ وش و جادو نظر　　یاں جوانی کی اُمنگ اور اُنکو عاشق کی تلاش
اُسکی چتون سحر آگیں اُسکی باتیں دل رُبا　　چال اُسکی فتنہ خیز اسکی نگاہیں برق پاش
وہ فروغِ آتشِ رخ جس کے آگے آفتاب　　اسطرح جیسے کہ پیشِ شمع پروانے کی لاش
جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برقِ بلا　　دستِ سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دور باش
دونوں جانب تھا رگوں میں جوشِ خونِ فتنہ زا　　دل ہی تھا یہ آخرش نہ برف کی تھی کوئی قاش
بار بار آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال　　حضرتِ سید سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

احتسابِ زندگی

بتا اے خاک کے پتلے کہ دنیا میں کیا کیا ہے　　بتا کے دانت ہیں منہ میں ترے کھایا پیا کیا ہے
بتا خیرات کیا کی راہِ مولا میں دیا کیا ہے　　یہاں سے عاقبت کیواسطے توشہ لیا کیا ہے
دعائیں لیں کبھی ٹھنڈا کیا دل دردمندوں کا
بُرے حالوں میں تو شامل ہوا محتاج بندوں کا

کسی گم کردہ راہ کی خضر بنکر رہنمائی کی　　کسی کی ناخنِ تدبیر سے عقدہ کشائی کی
دمِ مشکل کسی مظلوم کی حاجت روائی کی　　کسی کی دستگیری کی کسی سے کچھ بھلائی کی
کبھی کچھ کام بھی آیا کسی آفت رسیدہ کے
کبھی دامن سے پونچھے تو نے آنسو آبدیدہ کے

شریکِ دردِ غم ہو کر کسی کا دکھ بٹایا ہے　　مصیبت میں کسی آفت زدہ کے کام آیا ہے
پرائی آگ میں پڑ کر کبھی دل بھی جلایا ہے　　کسی بیکس کی خاطر جان پر صدمہ اٹھایا ہے

کبھی آنسو بہائے ہیں کسی کی بدنصیبی پر
کبھی کچھ ترس کھایا تونے مفلس کی غریبی پر

کبھی تونے کسی برگشتہ قسمت کی خبر لی ہے　　کسی ماتم زدہ کی تونے دلجوئی کبھی کی ہے
کسی کے واسطے آفت میں اپنی جان ڈالی ہے　　کسی بے خانماں کو وقت مشکل کچھ مدد دی ہے

کبھی کچھ دلنوازی کی ہو تونے دل شکستہ کی
کبھی کچھ چارہ فرمائی بھی کی زخمی وخستہ کی

کبھی امداد دی تونے کسی بے کس بچارے کو　　سخی بن کر دیا کچھ تونے مفلس کے گزارے کو
تسلی دی کبھی تونے کسی آفت کے مارے کو　　کبھی تونے سہارا بھی دیا ہے بے سہارے کو

شریکِ دردِ دل ہو کر خبر لی بینواؤں کی
لگی ہے چوٹ بھی دل پر صدا سن کر گداؤں کی

مرقعِ عسرت و عشرت کا یہ نیرنگِ عالم ہے　　کہیں ہے نغمۂ شادی کہیں جا شورِ ماتم ہے
کوئی خنداں کوئی شاداں کوئی با دیدہ نم ہے　　دو رنگی ہر زمانے کی کہیں شادی کہیں غم ہے

کبھی دورِ خزاں ہے اور کبھی فصل بہاری ہے
کبھی ہیں وصل کی راتیں کبھی اختر شماری ہے

ذرا تو سوچ اے غافل رہیگا شادماں کبتک　　کریگا خون اپنے وقت کا نا قدرداں کب تک
ترے باغ جوانی میں نہ آئے گی خزاں کبتک　　رہیگا تیری قسمت سے موافق آسماں کب تک

رہیگا تا بکے مصروف دنیا کے جھمیلے میں
کہاں تک کھوئیگا عمر رواں پانی کے ریلے میں

نہ ہو تو عیش پر نازاں دو روزہ ہے خوشی تیری　　سرشکِ خوں رلائیگی یہ دم بھر کی ہنسی تیری
عبث ہے ہستی موہوم سے دلبستگی تیری　　رہینِ پنجۂ دستِ اجل ہے زندگی تیری

عبث ہے بیکسی پر اسقدر اندازِ مستانہ
چھلک جائے گا ہو کر عمر کا لبریز پیمانہ

فنا و زیست کا اک روز قصہ پاک ہونا ہے　　اجل کے ہاتھ سے دامانِ ہستی چاک ہونا ہے

کبھی تو پائمال گردشِ افلاک ہوتا ہے　　کسی دن خاک میں ملنا ہے آخر خاک ہونا ہے

حباب آسا قرارِ زیست ہے دنیائے فانی میں

جو تجھ سے ہو سکے کر لے بھلائی زندگانی میں

نہ دولت ساتھ جائیگی نہ قسمت ساتھ جائے گی　　نہ شوکت ساتھ جائے گی نہ رفعت ساتھ جائیگی

پسِ مُردن نہ یہ شانِ امارت ساتھ جائے گی　　نہ عظمت ساتھ جائے گی نہ صولت ساتھ جائیگی

جو پوچھے جائینگے محشر میں وہ اعمال ہیں تیرے

اگر کچھ ساتھ جائینگے وہ نیک افعال ہیں تیرے

مناسب ہے کہ نیک اعمال کر طاعت گزاری کر　　پسندیدہ طریقے سیکھ عجز و انکساری کر

بھلائی کر بدی سے باز آ، پرہیزگاری کر　　جو تجھ سے ہو سکے تو خلق کی خدمتگزاری کر

اگر نیکی کرے گا تو خدا اس کا ثمر دے گا

ترا دامن وہی امید کے پھولوں سے بھر دیگا

صبح کی آمد

خبر دن کے آنے کی میں لا رہی ہوں　　اُجالا زمانے میں پھیلا رہی ہوں

بہار اپنی مشرق سے دکھلا رہی ہوں　　پکارے گلے صاف چلا رہی ہوں

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں سب کاروبار کے ساتھ آئی　　میں رفتار گفتار کے ساتھ آئی

میں باجوں کی جھنکار کے ساتھ آئی　　میں چڑیوں کی چہکار کے ساتھ آئی

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

اذاں پر اذاں مرغ دینے لگا ہے　　خوشی سے ہر اک جانور بولتا ہے

درختوں کے اوپر عجب چہچہا ہے　　سہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہوا ہے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

یہ چڑیاں جو پیڑوں میں غل مچاتی ہیں　　اِدھر سے اُدھر اڑ کے یہ آتی جاتی ہیں

دُموں کو ہلاتی پروں کو پھلاتی ہیں　　مری آمد آمد کے یہ گیت گاتی ہیں

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو طوطوں نے باغوں میں ٹیں ٹیں مچائی　　تو بلبل بھی گلشن میں ہے چہچہائی
اور اونچی منڈیروں پہ شاماں بھی گائی　　میں سو سو طرح دے رہی ہوں دُہائی

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہر اک باغ کو میں نے مہکا دیا ہے　　نسیمِ صبا کو بھی لہکا دیا ہے
چمن سُرخ پھولوں سے دہکا دیا ہے　　مگر نیند نے تم کو بہکا دیا ہے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہوئی مجھ سے رونق پہاڑ اور بَن میں　　ہر اک ملک میں دیس میں اور وطن میں
کھلاتی ہوئی پھول آئی چمن میں　　بجھاتی چلی شمع کو انجمن میں

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو اس وقت جنگل کی بوٹی جڑی ہے　　سو نو لکھّا وہ ہار پہنے کھڑی ہے
عجب یہ سماں ہی عجب یہ گھڑی ہے　　کہ پچھلے کی ٹھنڈک سے شبنم پڑی ہے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہرن چونک کر چوکڑی بھر رہے ہیں　　کلیلیں ہر اک کھیت میں کر رہے ہیں
ندی کے کنارے کھڑے چر رہے ہیں　　غرض میرے جلوے پہ سب مر رہے ہیں

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں تاروں کی چھاؤں آن پہنچی یہاں تک　　زمیں سے ہی جلوہ مرا آسماں تک
مجھے پاؤ گے دیکھتے ہو جہاں تک　　کرو گے بھلا کاہلی تم کہاں تک

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

پجاری کو مندر کے میں نے جگایا　　مؤذّن کو مسجد کے میں نے اٹھایا
بھٹکتے مسافر کو رستہ بتایا　　اندھیرا گھٹایا، اُجالا بڑھایا

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

لدے قافلوں کے بھی منزل سے ڈیرے　　کسانوں کے ہل چل پڑے مُنہ اندھیرے

چلے جال کندھوں پہ لیکر مچھیرے　　دلِ بد رہوے دور آنے سے میرے

اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

بگل اور طنبور سنکھ اور نوبت　　بجانے لگے اپنی اپنی سبھی گت

چلی توپ بھی دن کی حضرت سلامت　　نہیں خواب غفلت نہیں خواب غفلت

اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

ہوشیار ہو جاؤ اور آنکھ کھولو　　نہ لو کروٹیں اور نہ بستر ٹٹولو

خدا کو کرو یاد اور منہ سے بولو　　بس اب خیر سے اُٹھ کے منہ ہاتھ دھولو

اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

خرقہ پوش ہوتا

نہ یہ رنگ طبع ہوتا نہ یہ دل میں جوش ہوتا　　یہ جنوں اگر نہ ہوتا تو کہاں یہ ہوش ہوتا

غم دہر سے بچاتا ہی بشر کو مست رہنا　　مجھے شاعری نہ آتی تو میں بادہ نوش ہوتا

نہ ابھارتا جو گردوں تو وہ کیوں یہ ظلم کرتے　　کچھ اثر فغاں میں ہوتا تو میں کیوں خموش ہوتا

حسن نظامی اکبر کا کلام سُن کے بولے　　میں تجھے ولی سمجھتا جو تو خرقہ پوش ہوتا

سیتا جی

جب گلشنِ جہاں میں کچھ تازگی سی آئی　　غنچوں کے بھی لبوں پر کچھ کچھ ہنسی سی آئی

شاخوں میں نخل گل کے اک تازگی سی آئی　　کاواک انجمن میں دل بستگی سی آئی

تب ساقیٔ ازل نے دیدیئے جام صافی

ہم وحشیوں کو بھیجا اپنا پیام صافی

پایا سبق جو ہم نے اخلاق بے ریا کا　　تہذیب اور تمدن مذہب کا اور وفا کا

تھا موجزن سمندر اک صدق اور صفا کا　　پُتلا بنا ہوا تھا ہر آدمی حیا کا

تھا نازشِ دو عالم طرزِ عمل ہمارا

تاریکیوں میں رہبر نورِ نظر ہمارا

تھیں دیویاں ہماری عفت مآب یکسر　　پڑھتیں نماز حوریں دامن پہ جن کے آکر

جنت تھی جن کو ہر دم زیرِ قدوم شوہر — وہ ہو فقیر کوئی یا شاہ ہفت کشور

یہ جانتیں اُسیکو یہ مانتیں اُسیکو

اپنا خدائے عالم گردانتیں اُسیکو

اِن دیویوں میں سیتا سرمایۂ وفا تھیں — جو رامچندر جی کی بانوئے خوش ادا تھیں

شمعِ حریمِ دل تھیں خورشیدِ پُرضیا تھیں — باطن میں ایک تھیں وہ ظاہر میں گو جدا تھیں

کاشانۂ جہاں میں تھے رام شعلۂ نور

نورِ ازل کی خاطر سیتا تھیں شمعِ کافور

سیتا کے عیش میں جب رخنہ فلک نے ڈالا — اور رام کو محل سے بن باس کو نکالا

رخصت ہوا نظر سے گھر کا وہ سب اُجالا — دے دیجے اُن کو تسکیں سب نے بہت سنبھالا

سائے کی طرح لیکن دنبالِ رام تھیں وہ

شامِ شبِ الم میں ماہِ تمام تھیں وہ

چھالوں کی خونفشانی کوسوں وہ دشتِ پُرخار — زخمی تھے پائے نازک چلنا تھا سخت دشوار

شوہر کے ساتھ لیکن وہ دشت بھی تھا گلزار — راحت سے اُسکی مطلب جب تک تھا سفر کا

چہرہ تھا زرد لیکن دل میں شگفتگی تھی

ہر زخم تھیں پیشِ شوہر اسکی بڑی خوشی تھی

راون نے دیکے دھوکا جب رام سے چھڑایا — صحرا میں چار جانب سیتا کا رنج چھایا

جنگل کو چھان ڈالا لیکن پتا نہ پایا — پائی نہ گرد اُن کی دیکھا نہ اُن کا سایا

لچھمن اُنہیں اکیلا کیوں چھوڑ کر گئے تھے

بھائی کے جوشِ خوں سے لینے خبر گئے تھے

اے ساکنانِ صحرا سیتا کدھر گئی ہیں — اے کوہ و دشت و دریا سیتا کدھر گئی ہیں

اے آہوانِ رعنا سیتا کدھر گئی ہیں — کچھ دو نشاں خدارا سیتا کدھر گئی ہیں

ہوتی ہے شام اب تک اُن کا پتہ نہیں ہے

منزل سے دور جانا اس دم روا نہیں ہے

گھُٹ گھُٹ کے جان کھوئیں کہتیں نہ کچھ زباں سے

تھا رام رام لب پر دل میں ہجوم غم تھا — فرقت میں آب و دانہ اُنکے لیے قسم تھا
تھیں اِک غزال رعنا غیروں سے اُنکو رم تھا — بیگانگوں کا مجمع سب سے بڑا ستم تھا
دوری سے رام کی تھے لاکھوں ملال اُن کو
آتے تھے کیسے کیسے ہر دم خیال اُن کو

راون تھا دیو سرکش لیکن فہیم و دانا — ازبر تھے وید چاروں عالم وہ بے بدل تھا
آگر حضور سیتا اظہارِ شوق کرتا — لالچ ہر اک طرح کے دیتا تھا بے محابا
گستاخیوں سے مطلب لیکن نہ کچھ عیاں تھا
رازِ نجات اُس کا اِس رمز میں نہاں تھا

سیتا کے پاس پہنچے اس قید میں ہنومان — یہ رام کے تھے قاصد سب مشکلیں تھیں آسان
بولے کہ ساتھ چلیے آئے نہ دل میں کچھ دھیان — کہنے لگیں یہ سیتا مجکو ہے ایک ارمان
لنکا کو فتح کرکے لیجائیں رام مجکو
چلنے میں تھا نہ ورنہ کوئی کلام مجکو

وہ رن پڑا کہ جس سے گردوں بھی ہوگیا خم — روحیں نکل کے بھاگیں تن کے قفس سے پیہم
حیرت ہی قدسیوں کو سکتے میں ایک عالم — جمتی کبھی لڑائی ہوتی کبھی وہ برہم
ہر وقت حالت جنگ امید و بیم میں تھی
فتح و ظفر کی دولت دست کریم میں تھی

آخر کو فوج راون میداں میں کام آئی — پھر بھی بہادری سے اُسنے شکست کھائی
مشکل تھی موت اُسکی لیکن امان پائی — سیتا کو قید غم سے فورًا ملی رہائی
زنداں سے چھُٹ کے آئیں جس دم وہ جانِ عصمت
سب نے کہا کہ پہلے دیں امتحان عصمت

دیکھا جو سمت شوہر پایا کبیدہ خاطر — اگلی سی وہ محبت چہرے سے تھی نہ ظاہر
ازبس مزاجداں تھیں اور رازِ دل سے ماہر — سمجھیں کہ بدگمانی لائی ہے رنگ آخر

عورت کی زندگی کیا شوہر جو بدگماں ہو
کہنے لگیں کہ فوراً اس شک کا امتحاں ہو

داخل ہوئیں چتا میں آخر وہ بے محابا — شعلوں سے آگ کے تھا آتشکدہ وہ صحرا
اس طرح آگ میں تھا روشن وہ روئے زیبا — خورشید ہو افق میں جس طرح عالم آرا

گردوں سی ہورہی تھی دیوی پہ بارش گل
ہر لب پہ مدح سیتا ہر سمت تھا یہی غل

جب آگ سے ہوا کچھ اُنکا نہ بال بیکا — پہنچا ثبوت کامل جب پاک دامنی کا
تب رام نے بھی بڑھکر اُن کو گلے لگایا — عصمت ہوئی مسلم انکھوں پہ سب نے دی جا

لنکا کو فتح کرکے رام آئے جب وطن میں
آئی بہار رفتہ اُجڑے ہوئے چمن میں

فوجیں بھی ہمعناں تھیں منصور اور مظفر — مدت سے منتظر تھے تخت شہی و افسر
آخر کو تاج پوشی کا دن ہوا مقرر — بجتے تھے شادیانے فرط خوشی سے گھر گھر

تیاریاں ہزاروں دربار عام میں تھیں
سیتا بھی جلوہ آرا پہلوئے رام میں تھیں

سیتا جی

کام ماتھے کا ہے چومے درِ معبد کی زمیں — کبھی ہونے نہ دے ہنگام غضب جلوہ چیں
سجدۂ حق کرے دے بوسۂ قرآں امیں — قشقہ و عجز کو چہرے کی بنائیں تزئیں

خط قسمت میں جو تحریر ہے جانے اُسکو
کرے وہ کام جو سونپا ہے خدا نے اُسکو

کام سینہ کا ہے ہنگام مصیبت ہو سپر — کرے ماتم جو ملے رنج احبا کی خبر
بنے فانوس پئے شمع فن علم و ہنر — اور دے صاف صفائی کو جگہ مثل جگر

عقل و حکمت کے لیئے سینۂ سینا بن جائے
جلوۂ نور خدا کے لیئے سینا بن جائے

جو بشر کرتا ہے سیتا کا لقب وردِ زباں — زخمِ دل سیتا ہی مٹ جاتی ہے ایذائے نہاں
منہ سے نکلے جو وہ پورے ہوئے سب کے ارماں — دستِ رحمت سے سیا سیتا نے چاکِ داماں

جانکی جی کا جہاں نام زباں پر آیا
جان کی خیر ہوئی مقصدِ دل بر آیا

پاپ ان ناموں کے رٹ لینے سے کٹ جاتا ہے — پاٹھ سے پاٹ غم و رنج کا گھٹ جاتا ہے
پاٹ افلاک و فلاکت کا اُلٹ جاتا ہے — آ کے جم راج سر ملنے سے پلٹ جاتا ہے

نام ان ناموں سے رہتا نہیں بدبختی کا
نام مٹ جاتا ہے تشویش و غم و سختی کا

چمک اُٹھا تھا کفِ پا کی ضیا سے انواس — ہوا بے کنٹھ اودھ دیش جدھیا کیلاس
طرفہ تھے کھیل کھلے اور عجب لالی بلاس — دیوتا رہتے تھے حاضر پئے خدمت چپراس

خلق کی آنکھ کے پردے تھے بچھونے اُن کے
چاند سورج تھے لڑکپن میں کھلونے اُن کے

طوفانِ آرزو

جسمِ خاکی روح کو از بسکہ زنداں خانہ ہے — مائلِ پرواز میرا طائرِ دیوانہ ہے
اے مری جانِ حزیں اُٹھ اور اس کشور کو چل — درد جس کا جادہ ہے اور موت عشرت خانہ ہے
ہاں مجھے لے چل اُڑا کر سوئے شہرِ جاوداں — جلوہ افشاں راہ میں شمع پر پروانہ ہے
گھر بنایا تو نے کیوں اس سرزمینِ پست میں — عالمِ علوی کو چل تیرا وہی کاشانہ ہے
چھا رہا ہے ہر طرف خاموشیٔ شب کا طلسم — مضطرب کیوں اس قدر میرا دلِ دیوانہ ہے
ہے محیطِ زندگی کا قطرہ قطرہ بے قرار — موجِ شور انگیز صرفِ ناقص پیمانہ ہے
چاہتی ہے چوم لے اُٹھ کر قدم افلاک کے — چاند جن پر عشوہ سنجِ نازِ معشوقانہ ہے

تیرے جوشِ آرزو کی داستاں سن کر حمید
لوگ کہتے ہیں کہ تو دیوانۂ فرزانہ ہے

جوگی

کل صبح کے مطلع تاباں سے جب عالم بقعۂ نور ہوا / سب چاند ستارے ماند ہوئے خورشید کا نور ظہور ہوا
مستانہ ہوائے گلشن تھی جانانہ ادائے گلبن تھی / ہر وادی وادی ایمن تھی ہر کوہ پہ جلوۂ طور ہوا
جب باد صبا مضراب بنی ہر شاخ نہال رباب بنی / شمشاد و چنار ستار بنے ہر سرو و چمن طنبور ہوا
سب طائر مل کر گانے لگے عرفاں کی تانیں اڑانے لگے / اشجار بھی وجد میں آنے لگے دلکش وہ سماع طیور ہوا
سبزے نے بساط بچھائی تھی اور بزم سرور سجائی تھی / بن میں گلشن میں آنگن میں فرش سنجاب و سمور ہوا

تھا دلکش منظر دشت و جبل اور چال صبا کی مستانہ / اس حال میں ایک پہاڑی پر جا نکلا ناظرؔ دیوانہ
چیلوں نے جھنڈے گاڑے تھے پربت پہ چھاؤنی چھائی تھی / تھے خیمے ڈیرے بادل کے کُہرے نے قنات لگائی تھی
یاں برف کے تودے گلتے تھے چاندی کے فوارے چلتے تھے / چشمے سیماب اگلتے تھے نالوں نے دھوم مچائی تھی
یاں قلۂ کوہ پہ رہتا تھا اک مست قلندر بیراگی / تھی راکھ جٹاؤں میں جوگی کے اور انگ بھبوت رمائی تھی
تھا راکھ کا جوگی کا بستر اور راکھ کا پیراہن تن پر / تھی ایک لنگوٹی زیب کمر جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی
سب خلق خدا سے بیگانہ وہ مست قلندر دیوانہ / بیٹھا تھا جوگی مستانہ آنکھوں میں مستی چھائی تھی

جوگی سے آنکھیں چار ہوئیں اور جھک کے میں نے سلام کیا / تب آنکھ اٹھا کر ناظرؔ سے یوں بن باسی نے کلام کیا

کیوں بابا ناحق جوگی کو تم کس لئے آ کے ستاتے ہو / ہیں پنکھ پکھیرو بن باسی تم جال میں آن پھنساتے ہو
کوئی جھگڑا دال چپاتی کا کوئی دعوےٰ گھوڑے ہاتھی کا / کوئی شکوہ سنگی ساتھی کا تم ہم کو آ کے سناتے ہو
ہم حرص و ہوا کو چھوڑ چکے اس نگری سے منہ موڑ چکے / ہم جو زنجیریں توڑ چکے تم لا کے وہی پہناتے ہو
تم پوجا کرتے ہو دھن کی ہم سیوا کرتے ساجن کی / ہم جوت لگاتے ہیں من کی تم اس کو آ کے بجھاتے ہو
سنسار سے یاں مکھ پھیر لیا ہے من میں ساجن کا ڈیرا ہے / یاں آنکھ لڑی ہے پیتم سے تم کس سے آنکھ ملاتے ہو

اس مست قلندر جوگی نے جب ناظرؔ کو یہ عتاب کیا / کچھ دیر تو ہم خاموش رہے پھر جوگی سے یہ خطاب کیا

ہیں ہم پردیسی سیلانی مت ناحق جوش میں آ جوگی / ہم آئے تھے تیرے درشن کو چتون پہ میل نہ لا جوگی
آبادی سے منہ پھیر کہیں پربت میں رکھا ہو ڈیرا کہیں / ہر محفل میں ہر منزل میں ہر دل میں ہے نور خدا جوگی
کیا مندر میں کیا مسجد میں سب جلوہ ہے وجہ اللہ کا / پربت میں نگر میں ساگر میں ہر اترا ہے ہر جا جوگی
جی شہر میں خوب بہلتا ہے واں حسن پہ عشق مچلتا ہے / واں پریم کا ساگر چلتا ہے چل دل کی پیاس بجھا جوگی

واں دل کا غنچہ کھلتا ہے ہر رنگ میں موہن ملتا ہے
چل شہر میں سنکھ بجا جوگی بازار میں دھونی رما جوگی

ان چکنی چپڑی باتوں سے مت جوگی کو پھسلا بابا
جو آگ بجھائی چتون سے مت اس پہ تیل گرا بابا

ہے شہر میں غل شور بہت اور حرص ہوا کا شور بہت
ہے نگری ڈگری کثرت کی بن وحدت کا دریا بابا

ہم جنگل کے پھل کھاتے ہیں چشموں سے پیاس بجھاتے ہیں
راجہ کے نہ دوارے جاتے ہیں پرجا کی نہیں پروا بابا

سر پر آکاس کا منڈل ہے دھرتی پہ سہانی مخمل ہے
دن کو سورج کی محفل ہے شب کو تاروں کی سبھا بابا

جب جھوم کے یاں گھن آتے ہیں مستی کا رنگ جماتی ہیں
چشمے طنبور بجاتے ہیں گاتی ہے ملار ہوا بابا

یاں پنچھی مل کر گاتے ہیں پیتم کی سندیس سناتے ہیں
یاں روپ انوپ دکھاتے ہیں پھل پھول اور برگ گیا بابا

ہر پیٹ کا ہر دم دھیان تمہیں اور یاد نہیں بھگوان تمہیں
سل پتھر اینٹ مکان تمہیں دیتے ہیں سکھی سے چھڑا بابا

تن من کو دھن میں لگاتے ہو پیتم کو دل سے بھلاتے ہو
ماٹی میں لعل گنواتے ہو تم بندۂ حرص ہوا بابا

آظر دھن دولت آنی جانی ہے یہ دنیا رام کہانی ہے
یہ عالم عالم فانی ہے باقی ہے ذات خدا بابا

داغِ محبّت

نہ اہلِ خرد کی ملامت سے ڈرنا
نہ اہلِ جہاں کی شرارت سے ڈرنا
نہ دنیا کی فانی حکومت سے ڈرنا
نہ طاقت نہ قوت نہ حشمت سے ڈرنا

جو ڈرنا تو داغِ محبت سے ڈرنا

بلاؤں سے ڈرنا نہ آفت سے ڈرنا
نہ غم سے نہ دردِ مصیبت سے ڈرنا
نہ تکلیف سے اور نہ محنت سے ڈرنا
نہ دوزخ نہ شورِ قیامت سے ڈرنا

جو ڈرنا تو داغِ محبت سے ڈرنا

نہ بے رحم اربابِ ثروت سے ڈرنا
نہ بیدار اہلِ قرابت سے ڈرنا
نہ ذکرِ تباہی و وحشت سے ڈرنا
نہ فکرِ خرابیٔ صحت سے ڈرنا

جو ڈرنا تو داغِ محبت سے ڈرنا

دلِ عاشق

بلاؤں سے نہ دنیا کی کسی مشکل سے ڈرتے ہیں
نہ موجِ خوں نہ جورِ خنجرِ قاتل سے ڈرتے ہیں
ہم اس رنگیں خوں پر مرنیوالے دل سے ڈرتے ہیں

سمجھتے ہیں نہ سحرِ سامری ہی کی حقیقت کچھ — نہ زورِ جذب و کشفِ مرشدِ کامل سے ڈرتے ہیں

ہم اس رنگیں رخوں پر مرنیوالے دل سے ڈرتے ہیں

بہت ہیں جو کہ ڈر جاتے ہیں طوفان تصور سے — بہت ہیں جو خیالِ دوریٔ ساحل سے ڈرتے ہیں

ہم اس رنگیں رخوں پر مرنیوالے دل سے ڈرتے ہیں

خیالاتِ زرّیں

تو رازِ فراغت کیا جانے محدود تری آگاہی ہے — اپنے کو پریشاں حال سمجھنا عقل کی یہ کوتاہی ہے

دولت کیا اک روگ ہے دل کا حرص نہیں گمراہی ہے — دنیا سے بے پروا رہنا یہ سب سے بڑی بادشاہی ہے

اس قول کو میرے جانیگا جو صاحبِ دل ہے دانا ہے

کہتے ہیں جسے شاہنشاہی حاجت کا روا ہو جانا ہے

پینے کو میسر پانی ہے کھانے کے لئے ہے عمدہ غذا — تفریح کو سایہ جنگل کا صحت کی محافظ صاف ہوا

پوشش کیلئے ملبوس بھی ہے رہنے کو مکان بھی ستھرا سا — اور اسکے سوا کیا حاجت ہے انصاف تو کر تو دل میں ذرا

راحت کیلئے جو ساماں ہیں قدرت نے بہم پہنچائے ہیں

اے بندۂ زر پھر تیری ہوس نے پاؤں کیوں پھیلائے ہیں

دولت کا نتیجہ کلفت ہے سامانِ امارت ذلت ہے — جس دل میں ہوس کی کثرت ہے وہ دور اس سے حقیقی راحت ہے

ارمان بہت ہیں کم کردے ہستی یہ نہیں اک غفلت ہے — آغاز سراپا دھوکا ہے انجام سراسر عبرت ہے

تاریخ تمہیں بتلائیگی دنیا میں خوشی کا نام نہیں

جس دل پہ ہوس کا سکہ ہے اس دل کیلئے آرام نہیں

صحت میں تری کچھ حرج نہیں اعضا میں ترے نقصان نہیں — پھر بھی یہ شکایت تجکو ہے اسباب نہیں سامان نہیں

انعامِ خدا کا منکر ہے اللہ پہ اطمینان نہیں — تو حرص و ہوا کا بندہ ہے مضبوط ترا ایمان نہیں

دنیا کی حکومت تیری ہے اپنے کو گدا کیوں کہتا ہے

سامانِ فراغت حاضر ہے بیکار پریشاں رہتا ہے

یہ ابر یہ وادی یہ گلشن یہ کوہ و بیاباں یہ صحرا — یہ پھول یہ کلیاں یہ سبزہ یہ موسمِ گل یہ سرد ہوا

یہ شام کی دلکش تفریحیں یہ رات کا گھر اسنّاٹا — یہ پچھلے پہر کی رنگینی یہ نورِ سحر یہ موجِ ضیا

معبود کی کس کس بخشش کو مُکریگا چھپائے جائیگا
اللہ کی کس کس نعمت کو لے منکر دیں جھٹلائیگا

اللہ کی رحمت عام ہو سب شاہ ہوا ہمیں یا ہو گدا — یہ چاند یہ سورج یہ تارے یہ نغمۂ بلبل یہ دریا
دونوں کیلئے یہ تحفے ہیں کچھ فرق اگر ہے تو اتنا — ان جلووں سے لذت پاتا ہو آزاد کا دل منعم کے سوا

شاہوں کے سر میں تاج گراں سے درد سا اکثر رہتا ہو
جو اہل صفا ہیں انکے دلمیں نور کا چشمہ بہتا ہو

آگاہ ہو جو تو جانتا ہے دنیا میں نہیں وہ ہونے کا — اسباب طرب کا جو جانو سامان یہاں ہے رونے کا
دولت کو بھلا کیا سمجھا ہو اخلاق کی قوت کھونیکا — ایمان کے دل کا داغ ہو یہ سکہ یہ نہیں ہو سونے کا

کیا کرتا ہو ناداں بھاگ دھڑ ناہو ان دیناروں میں
یوں ہاتھ نہ ڈال ان دو زخ کے تو دہکتے ہوئے انگاروں میں

اسباب تجمل زنجیریں ایوان حکومت زنداں ہے — دلچسپ جسے تو سمجھا ہو وحشت کا وہ ساز و ساماں ہے
سکوں کی چمک پر مرتا ہو دولت کیلئے سرگرداں ہے — تو راز فنا معلوم تو کر دنیا کے لیئے کیوں حیراں ہے

اس شئے سے تعلق ہو کیسا جو چیز کہ جانیوالی ہو
سامان تعیش جمع کیئے جا موت بھی آنیوالی ہو

آراستہ ہو کر جلووں میں جب سامنے دنیا آتی ہے — راحت کے ترانے گاتی ہو دولت کی چمک دکھلاتی ہو
جب آنکھ پہ قبضہ کرتی ہے سینہ میں ہوس بھڑکاتی ہو — ایمان و یقین کی شمع درخشاں بنکے دھواں اڑجاتی ہو

ملتا ہی نہیں ہے جسم سے پھر جب عضو کوئی کٹجاتا ہے
بس یونہی ہوس کے بندے کا معبود سے دل ہٹجاتا ہے

شاہوں کی امارت جسمانی قانع کی حکومت روحانی — ظاہر کی حسرت سلطانی آزاد کی لذت وجدانی
دنیا کے تماشے عبرت زا عقبےٰ کے مناظر لاثانی — مرنے میں حقیقی آزادی جینے میں سراسر حیرانی

بندے جو ذرا بھی عقل ہو تجھ میں نام جہاں میں کر جانا
اللہ اگر توفیق تجھے دے موت سے پہلے مرجانا

آرام کی خواہش مہمل ہے یہ قبر نہیں ہے دنیا ہے — یہ زیست نہیں ہے کلفت ہو یہ سانس نہیں ہے ایذا ہے

آگاہ ہولے ناداں کدھر تو پیاس بجھانے جاتا ہے ذروں کی چمک کا یہ چشمہ یہ ریگ رواں کا دریا ہے

سن جوش کی باتیں غور سے تو مشتاق نہ بن اس ابر کا

اے دوست یہ دنیا سایہ ہے گرمی کے پریشاں بادل کا

رحم

ترجمہ از شیکسپیر

جنبش پذیر زور سے ہوتا نہیں ہے رحم ہوتا ہے خود یہ صورت ابر کرم چکاں

روئے زمیں پہ از طرف اوج آسماں

یہ رحم ہے دوگونہ سعادت سے سرفراز اک وہ سعید جسکی طرف سے ہوا عیاں

اور دوسرا وہ جسکو کیا اس نے شادماں

طاقتوروں میں طاقت اعلیٰ یہی تو ہے شاہوں کیواسطے ہے یہ از تاج زرفشاں

ہے اس سے زیب و زینت شاہان ذی نشاں

مظہر ہے اقتدار مجازی کا وہ عصا دست شہی میں جسکو میسر ہے عز و شاں

بے شبہ ہے وہ سطوت و جبروت کا نشاں

لیکن عصائے رحم کا ہے مرتبہ بلند نسبت عصا کو ہاتھ سے ہوتی ہے بیگماں

اور رحم تخت دل پہ ہے شاہوں کے حکمراں

ہے رحم وصف خاص خداوند پاک کا جب اس کا جلوہ ساتھ ہوا عدل کے عیاں

پیدا ہوئی بشر میں بھی شان قدسیاں

پردہ

حفظ عصمت بھی سہی لیکن یہ پردہ ہند میں مسلموں کے جاہ و شان و تمکنت کی بات تھی

پردہ کہتا ہے اب اس کی ضرورت ہی نہیں میرزایانہ ادا تھی تمکنت کی بات تھی

خون میں غیرت رہی باقی تو سمجھے گا کبھی خوب تھا پردہ نہایت مصلحت کی بات تھی

نقش کن

عدم کے صفحے پہ کھینچا جو نقش کن فکاں تونے صریر کلک قدرت سے صدائے آفریں نکلی

ورق کے دونوں صفحوں پر ہیں تصویریں ہی تصویریں | جو بالائے زمیں صورت چھپی زیر زمیں نکلی

دور اندیش

اہلِ ہستی کو عدم کا مرحلہ درپیش ہے | موت کو نزدیک جو سمجھے وہ دور اندیش ہے
میکدے میں عمر گزری اور دامن تر نہ ہو | میکشو پیرِ مغاں پہنچا ہوا درویش ہے

جنسِ نیاز

کر چکا تو انتخابِ غمِ دلِ مشکل پسند | اب زمانہ بھر کی دشواری ہی آسانی مجھے
شکر ہے ضامن پسند آئی اُنہیں جنسِ نیاز | موجِ رحمت بن گئی اشکوں کی طغیانی مجھے

رباعی

اس عہد میں یہی ہے بس داخلِ نیکوئی | مذہب پہ نکتہ چینی ملت میں عیب جوئی
شوقِ عمل نہیں ہے فکرِ اجل نہیں ہے | واعظ بنے ہیں اکبر عابد نہیں ہے کوئی

رباعی

کچہریوں میں ہے پرسش گر یجوایٹوں کی | سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور میٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علمِ دین و تقویٰ کی | خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

رباعی

جوش میں لائے حیا جسکو وہ خون اچھا ہے | بوئے گل جسکو اُبھارے وہ جنون اچھا ہے
جوش میں آئے جو قرآں سے وہ خون اچھا ہے | کفر پر غصہ جو لائے وہ جنون اچھا ہے

رباعی

مغربی تعلیم سے ہے ایشیا کا دل ملول | کردیا خلقت کو اُسنے بے تمیز و بے اُصول
جو کرے اصلاح اسکی مدح کا ہے مستحق | اور باتوں کو بظاہر میں سمجھتا ہوں فضول

رباعی

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق | ہے برا وہ ہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے
کیوں برا کہنے سے تو اُسکے برا مانتا ہے

روشنی

بتوں کو چھوڑ حامد نور ایماں دل میں پیدا کر ۔۔۔ یہی وہ چیز ہے مرقد میں جس سے روشنی ہوگی

عصمت

عصمت کے معنی یہ ہیں جلی سر سے پاؤں تک ۔۔۔ لیکن نہ رکھا شمع نے باہر لگن سے پاؤں

گالیاں

شیریں زباں ہو تم نہیں زیبا ہیں گالیاں ۔۔۔ کیوں دو کسی کو زہر ملا کر نبات میں

صابر

اندیشہ مجکو سختی ایام سے نہیں ۔۔۔ رزاق رزق دیتا ہے کیڑے کو سنگ میں

پاؤں چومے

منہ نہ دیکھے جمال والوں کا ۔۔۔ پاؤں چومے کمال والوں کا

امید آرام

بیقراری کا سبب ہر کام کی امید ہے ۔۔۔ ناامیدی ہی مگر آرام کی امید ہے

دہن تصویر

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے منہ سے کچھ نہ بول ۔۔۔ آنکھ آئینہ کی پیدا کر دہن تصویر کا

پاک رکھ اپنا دہاں ذکر خدائے پاک سے

پاک رکھ اپنا دہاں ذکر خدائے پاک سے ۔۔۔ کم نہیں ہرگز زباں منہ میں ترے مسواک سے

جب بنی تیر حوادث کی کماں افلاک سے ۔۔۔ خاک کا تودہ بنا انساں کی مشت خاک سے

جسطرح دیکھے قفس سے باغ کو مرغ اسیر ۔۔۔ جھانکتا ہے یوں تجھے دل سینۂ صد چاک سے

تیرے صید نیم جاں سے جاں نکلتی ہی نہیں ۔۔۔ باندھ رکھا ہے اسے بھی تو نے کیا فتراک سے

مجکو دوزخ رشک صد جنت اگر میرے لئے ۔۔۔ واں بھی آتش ہو کسی کے روئے آتشناک سے

آفتاب حشر ہے یارب کہ نکلا گرم گرم ۔۔۔ کوئی آنسو دل جلوں کے دیدۂ نمناک سے

چشم کو بے پردہ ہو کسطرح نظارہ نصیب ۔۔۔ جبکہ وہ پردہ نشیں پردہ کرے ادراک سے

بیت ساقی نامہ کی لکھ کوئی جائے دعا ۔۔۔ مے پرستوں کے کفن پر چوب کی تاک سے

حقی — عیبِ ذاتی کو چھپا یگانہ وصفِ عارضی — زیب بد اندام کو ہو ذوق کیا پوشاک سے

از شمع ہدایت

خوش ہیں غریب اپنے اُن جھونپڑوں کے اندر — جو دھوپ کی تپش سے دوزخ کی بھٹیاں ہیں
اکبر — نالاں ہیں اہل دولت حالانکہ اُن کے گھر میں — پنکھا بھی کھنچ رہا ہے اور خس کی ٹٹیاں ہیں

کلام اکبر

سو جان سے ہو جاؤنگا راضی میں سزا پر — پہلے وہ مجھے اپنا گنہگار تو کر لیں
منظور وہ کیوں کرنے لگے دعوت اکبر — خیر اس سے ہی کیا بحث ہم اصرار تو کر لیں

ایضاً

دل کو خود چھیڑے جو وہ ترچھی نظر تو کیا کروں — چین سے رہنے نہ دے دردِ جگر تو کیا کروں
جانتا ہوں میں کہ خواہش موت کی اچھی نہیں — زندگی بے لطف ہو جائے مگر تو کیا کروں
سینے سے پرسوز آہیں اُٹھتی ہیں اے ہمنشیں — لب پہ آکر یہ جو نکلیں بے اثر تو کیا کروں

ایضاً

اک نقش مٹ گیا ہی روتے نشان پر ہیں — دلمیں ہیں داغ حسرت قصّے زبان پر ہیں
اکبر — امید ہے دعا کی اہل سخن سے اکبر — میرے حقوق بھی کچھ اردو زبان پر ہیں

سرکش

فوارے کی زباں پہ یہ جاری ہو رات دن — سرکش وہ کون ہے جو زمیں پر گرا نہیں

اسکی یاد

وہ خود کیا ہے کہ جس نے ان حسینوں کو بنایا ہی — انہیں جب دیکھتے ہیں ہم تو اُسکو یاد کرتے ہیں

رحم کھانا

سچ تو ہے انساں اُسیکا نام ہے — رحم کھانا جس کا دائم کام ہے

وہ

جان پر اپنی ہی سہ لیتے ہیں وہ — کب اذیت اور کو دیتے ہیں وہ

خاک ہوجا

بجلی کی زد میں آتے ہیں پہلے وہی طیور جو اس چمن سرا میں بلند آشیاں رہے

زمانے کا درد

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

خوبی و نقص

اپنی تصویر پہ شیدا نہ تصوّر کیوں ہو خوبی و نقص کو تصویر دکھا دیتی ہے

برباد

عمر کو ہم نے کیا عشقِ بتاں میں برباد اب جو دم ناک میں آیا تو خدا یاد آیا

بہترین حصہ

میرے رونے کا جس میں قصہ ہے عمر کا بہترین حصّہ ہے

ذوقِ فنا

پنہاں ہے اسی میں رازِ مری ہست و بود کا ذوقِ فنا غرور ہے میرے وجود کا

خوگرِ تسلیم

لاکھ ہوں جور و ستم اُف بھی نہ کرنا محویؔ دے کے دل خوگرِ تسلیم و رضا ہو جانا

کھنچ گئی

انگور میں تھی یہ مے پانی کے چار قطرے جس دن سے کھنچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

تاثیر

جو پائی ہے زباں کچھ قوّتِ تقریر پیدا کر بیاں میں تازگی الفاظ میں تاثیر پیدا کر

اکبر

گردشِ گردوں سے ہر دم ہم رنج افزا ہیں یہ بھی اک سودا ہے ورنہ کیا ہمیں دنیا میں ہیں

عارضی

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ کہ حسنِ خوبرویاں عارضی ہے!

دولتِ ہنر

بڑھے اتنی ہی جتنی خرچ کیجے کوئی دولت نہیں بہتر ہنر سے

ایمان بھی

علم بھی زورِ قلم بھی دل بھی اطمینان بھی — فلسفہ بھی خوبیِ سیرت بھی اور ایمان بھی

چشمِ امید

دیکھ ہم صحبت کی دولت پہ نہ رکھ چشمِ امید — لب صدف کے تر نہیں ہر چند گوہر میں ہے آب

نفسِ امّارہ

یہ نفس وہ سرکش ہے کہ مارا نہیں جاتا — یہ جن کسی عامل سے اتارا نہیں جاتا

آنکھوں کا دریا

اشک دامن تک نہ پہنچا تھا کہ دامن چاک تھا — زنگ عصیاں کے لیے آنکھوں کا دریا چاہیئے

عملِ گلباری

اے چرخ ہوائے شوق چلے ای شاخِ عمل گلباری کر — کچھ کام کریں کچھ سعی کریں ہر شیخ کو عبد الباری کر

مسلمان ہونا

کفر سے جنکو ہو انعام کا خواہاں ہونا — کون تسلیم کرے ان کا مسلماں ہونا

دعا کیجے

بہت تدبیر کی تقدیر کو بھی آزما لیجے — دوا تو کر چکے اب کچھ خدا سے بھی دعا کیجے

بسم اللہ کا گنبد

پھرتے ہیں لکھے پڑھے سودے میں مال و جاہ کے — طفلِ مکتب رہتے ہیں گنبد میں بسم اللہ کے

بادامِ تلخ

صحبتِ نیکاں کرے دلمیں بدوں کے کیا اثر — قند کب شیریں کرے ہووے اگر بادامِ تلخ

صورت سے زیادہ

اے حسن کے مائل یہ نصیحت میری سن لے — سیرت پہ نظر چاہیئے صورت سے زیادہ

ہوا پر

قیامِ جسمِ خاکی ہے نفس پر — ہوا پر ہے بنا اپنے مکاں کی

خودداری

کارسازی

میری بگڑی ہوئی بنا ورنہ کارسازی میں فرق آتا ہے

غیوری

مرتا ہوں میں غیوریٔ طفلِ سرشک پر آنکھوں سے گر گیا تو زمیں میں سما گیا

منت کش ساقی نہ ہو

تو اگر خوددار ہے منت کش ساقی نہ ہو عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر

نہیں یہ شانِ خودداری

نہیں یہ شانِ خودداری چمن سے توڑ کر تجھ کو کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیبِ گلو کر لے

توکل

احسان ناخدا کا اٹھائے مری بلا کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

عبرت

ملکہ نور جہاں کا مزار

ہاں اے لبِ راوی بتا کچھ رفتگاں کا ماجرا
کل تجھ پہ جن کا راج تھا انجام اُن کا کیا ہوا
ہے اب کہاں نور جہاں حورِ جناں عصمت کی جاں
وہ بلبلِ شیریں زباں وہ قمریٔ ہندوستاں
تیرے کنارے ہی پڑا ٹوٹا سا جس کا آشیاں
عبرت نشاں عزت نشاں
شوکت تھی جس کی پاسباں چاکر سے تھے جاہ و حشم

تھی بحر و بر کی سب سپاہ حاضر لیئے تیغ دو دم
فیل و خدم، ناز و نعم، رخت و خیم، طبل و علم
افسوس رکھے رہ گئے خود چل دیئے سوئے عدم
عالم میں ہے کسکو بقا، نام بقا کس نے لیا
قصر فنا ہے آسماں

آئی کہاں سے موت تو، ایوان شاہی میں بھلا
کیا پاسباں حاضر نہ تھے جو روکتے تیرا گذر
ہاں پر تری پرواز کا آیا نہیں اُن کو نظر
یوں کھینچکر لے جاتی ہو انساں سے اُسکی روح کو
اُڑ جاتی ہے جیسے مگس گل سے عسل کو سینچکر
بُو باس ہو جیسے ہوا ڈنٹھل سے ریشہ کھینچکر
رہتا ہی باقی برزمیں، افسردہ گل بے انگبیں
بے جان جسم ناتواں

تضحیک چرخ پر جفا دیکھو عیاں ہے برملا
ہے جس جگہ مرقد جالا ہے مکڑی نے تنا
تا سائباں کا کام دے ہبیگم کے شاہی تاج پر
دو چار باقی پیڑ ہیں یا ٹہنیوں کے ڈھیر ہیں
یا چر رہی ہیں بکریاں یا بوم کا ہی آشیاں
شاہی شکوہ و عزّ و شاں اُڑ جاتے ہیں شبنم صفت
باقی نہیں رہتا نشاں

دُنیا نے گو چھوڑا مگر خدمت میں ہی نیچر ابھی
دیتی ہے پہرہ رات بھر تربت پہ اُسکے چاندنی
وہ بیگم زہرہ جبیں مرقد سے باہر آن کر

اور لے کے مشعل ماہ کی جاتی ہے جانب شاہ کی

حالت نہ پوچھو راہ کی آنسو نکلتے جاتے ہیں
اور پھول کھلتے جاتے ہیں جب بچھڑے ملتے جاتے ہیں
ہوتا غضب کا ہے سماں

اور جب اندھیری رات ہو تربت ہی اُنکی بجاتی ہو
شبنم کہیں آجاتی ہے پھولوں کا سہرا لاتی ہے

دیتا ہے جگنو ٹمٹما گورِ غریباں پر دیا
شاخیں بڑھا کر ہاتھ کو پڑھتی ہیں گویا فاتحہ

پتے سٹک رہ جاتے ہیں آتی ہے جب ٹھنڈی ہوا
حیرت کا بھی دھڑکے ہے دل ہاں دیکھکر ایسا سماں

عبرت نگاہی چاہیئے انجام ہے یہ بیگماں
گو اسمیں ہو شاہِ جہاں یا بادشاہ این و آں
ہونا ہے تربت میں نہاں

ملکۂ نور جہاں کا مزار

دن کو بھی یہاں شب کی سیاہی کا مزا ہے　　کہتے ہیں یہ آرام گہِ نور جہاں ہے
مدت ہوئی وہ شمع تہِ خاک نہاں ہے　　اٹھتا مگر ابتک سرِ مرقد سے دھواں ہے

جلووں سے عیاں جنکے ہوا طور کا عالم
تربت پہ ہے اُن کی شبِ دیجور کا عالم

اے حسن جہاں سوز کہاں ہیں وہ شرارے　　کس باغ کے گل ہو گئے کس عرش کے تارے
کیا بن گئے اب کرمک شب تاب وہ سارے　　ہر شام چمکتے ہیں وہ راوی کے کنارے

یا ہو گئے وہ داغ جہانگیر کے دل کے
قابل بھی تو تھے عاشق دلگیر کے دل کے

تجھ سی ملکہ کے لیئے یہ بارہ دری ہے　　غالیچہ سرِ فرش ہے کوئی نہ دری ہے

کیا عالمِ بے چارگی اے تاجوری ہے دن کو بھیں بسر اُم بھیں شب بسری ہے

ایسی کسی جوگن کی بھی کٹیا نہیں ہوتی

ہوتی ہے مگر یوں سرِ صحرا نہیں ہوتی

تعویذِ لحد ہے زبر و زیر یہ اندھیر یہ دَورِ زمانے کے الٹ پھیر یہ اندھیر

آنگن میں پڑے گرد کے ہیں ڈھیر یہ اندھیر اے گردشِ ایام یہ اندھیر یہ اندھیر

ماہِ فلکِ حُسن کو یہ بُرج ملا ہے

اے چرخ تری ہیچ نوازی پہ گلا ہے

حسرت ہے ٹپکتی در و دیوار سے کیا کیا ہوتا ہے اثر دل پہ ان آثار سے کیا کیا

نالے ہیں نکلتے دلِ افگار سے کیا کیا اُٹھتے ہیں شرر آہِ شرر بار سے کیا کیا

یہ عالمِ تنہائی یہ دریا کا کنارہ

ہے تجھ سی حسینہ کے لئے ہُو کا نظارہ

چوپائے جو گھبراتے ہیں گرمی سے تو اکثر آرام لیا کرتے ہیں اس روضہ میں آکر

اور شام کو بالائے سیہ خانوں سے شپّر اُڑ اُڑ کے لگاتے ہیں در و بام پہ چکر

معمور ہے یوں محفلِ جانانہ کسی کی

آباد رہے گورِ غریبانہ کسی کی

آراستہ جن کے لئے گلزارِ چمن تھے جو نازکی میں داغ دہ برگِ سمن تھے

جو گل رُخ و گل پیرہن و غنچہ دہن تھے شاداب گلِ تر سے کہیں جنکے بدن تھے

پژمردہ وہ گل دب کے ہوئے خاک کے نیچے

خوابیدہ ہیں خار و خس و خاشاک کے نیچے

رہنے کیلئے دیدہ و دل جنکے مکاں تھے جو پیکرِ ہستی کے لیئے روحِ رواں تھے

محبوبِ دلِ خلق تھے جاں بخشِ جہاں تھے تھے یوسفِ ثانی کہ مسیحائے زماں تھے

جو کچھ تھے کبھی تھے مگر اب کچھ بھی نہیں ہیں

ٹوٹے ہوئے پنجرے ہیں پڑے زیرِ زمیں ہیں

دنیا کا یہ انجام دیکھ اے دل ناداں ہاں بھول نہ جائے تجھے یہ مدفن ویراں
باقی ہیں نہ وہ باغ نہ وہ قصر نہ ایواں آرام کے اسباب نہ وہ عیش کے ساماں
ٹوٹا ہوا اک ساحل راوی پہ مکاں ہے
دن کو بھی جہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے

شہر خموشاں

کل سوئے گور غریباں جو ہوا میرا گزر ہو گیا پیش نظر عالم ہو کا منظر
اپنی رُوداد سناتے تھے لحد کے کتبے ایک افسانۂ عبرت تھے وہ خاموش کھنڈر
جن کے پرچم تھے فتحمندی و نصرت کی دلیل جنکی شمشیر سے اقبال کے جھڑتے تھے شرر
جن کی سطوت سے دلیروں کے تھے پتے پانی جن کی ہیبت سے لرز جاتے تھے شیروں کے جگر
جن کی عظمت کا جہاں بھر میں بجا تھا ڈنکا جن کا سکہ تھا رواں ہر میں کشور کشور
مانند تھی محفل جم بزم طرب سے جن کے شمع محفل تھے جہاں اہل حضر اہل ہنر
جن کے دروازے سے دولت کا نشاں ملتا تھا کسی گنتی میں نہ تھے سیم و زر و لعل و گہر
جنکی یہ آن تھی یہ شان تھی یہ شوکت تھی جنکی تمکین سے تھی بزم جہاں زیر و زبر
حیف صد حیف وہ تھے گور غریباں کے مکیں دفن تھے خاک میں اور خاک تھی انکے اوپر
انکی قبروں پہ جو گنبد تھے شکستہ تھے بہت اینٹ مٹی سے الگ چونے سے جدا تھے پتھر
بوم تھے گنبد شاہی کے نگہبانوں میں
بیکسی مرثیہ خواں تھی لحد شاہاں پر

یہ سماں دیکھ میرا درد سے جی بھر آیا اور وہیں بیٹھ گیا خاک پہ سر نیوڑا کر
کس نے اس شہر خموشاں کی بنا ڈالی ہے خاک پر کس لیئے یہ بکھرے ہیں اعلیٰ گوہر
سن کے یہ بات فنا مجھ سے ہوئی یوں گویا کیا ہوا پڑ گئے کیوں تیری سمجھ پر پتھر
کس میں قدرت ہے کہ کرے گلشن عالم تاراج کس کی طاقت ہے کرے نظم جہاں زیر و زبر
کس کی ہستی ہے جو کہلائے خداوند جہاں ہاں مگر ایک خداوند خدائے اکبر
اسکو زیبا ہے شہنشاہی کو نین کہ وہ ایسا بے مثل ہے جسکا نہیں کوئی ہمسر

اُسکی توحید کے گاتے ہیں ترانے شب و روز — فرش سے عرش تلک حور و ملک جن و بشر
ذرے ذرے سے عیاں شانِ خدائے یکتا — قطرے قطرے پہ رواں حکم خدائے برتر
جسکو چاہے اُسے دنیا میں سرافراز کرے — جسکو چاہے اُسے ذلت سے خوار و ابتر
جسکو چاہے اُسے دے سلطنت و تاج سرِ — جسکو چاہے وہ کرے خاک نشین خاک بسر
تاج والے نہ رہینگے نہ یہاں تاجگزار — چل سکے گی نہ حکومت یہاں زور نہ زر
جسکی قدرت کا یہ ادنیٰ سا کرشمہ ہے کہ میں — تاج شاہی پہ لگاتی ہوں ہمیشہ ٹھوکر
کاہ سے کوہ تلک جزو سے لیکر کُل تک — سب پہ چلتا ہے عمل میرا بفرمانِ قدر

میں نے ہی شہر خموشاں کی بنا ڈالی ہے
میرے ہی زیر اثر تو ہیں یہ سب گنبد و در

شگفتگی

(۱)

سو رہی جستجو میں سحر کی سیاہ چشم — بنتی ہے صبح برق جگر پارۂ کلیم
کرتا فلک ہے دُرِ شبنم اُوس کے نثار — پاتا ہے اُن کو غنچۂ سحر زادۂ نسیم
نازک لبوں سے دیتی ہے بوسے شعاعِ مہر — کھلتا ہے غنچہ بہر صفت طفلکِ بسیم
ہوتا ہے کھل کے زندگیِ باغ میں شریک — خوشبوئے گل اُڑاتی ہے چاروں طرف شمیم
گلشن میں چند روز دکھا کر بہارِ حسن — ہوتا ہے وہ شگفتگی ہوس سے زمیں ندیم
بنتا ہے دستِ باد میں مصداقِ نونِ نشر — ہاتھوں سے چھوٹتا ہے جونہی وہ خودی کا میم

(۲)

جس طرح اس شگوفہ کو کھلنا شکستِ ساز — مضمر شگفتگی میں مری زندگی کا راز
ذرات کے وجود سے خورشید نور پاش — محتاج ہستیِ دگراں میری بود و باش
زینت مذاقِ دہر میں آئینہ وار وہ — میں مشک ہوں تتار کی ملکِ تتار وہ
نیساں کو چھوڑتا ہوں تو بنتا ہوں میں گہر — دیتا ہے مجھ کو تاب صدف خانۂ دگر
جبتک ہو آفتاب نہ قطروں پہ نور بار — قوسِ قزح کے ہوتے نہیں جوہر آشکار
جامِ دگر نہ ہو تو ہو برباد میرا مُل — برباد جیسے ہوتی ہے صحرا میں بوئے گل
صد گونہ کیفِ زندگی اوروں کے دم سے ہے — اوروں کا دم غنائمِ یزداں کرم سے ہے

اس وقت جبکہ دیتی ہے تجھے شعاعِ ہوش (۱۳) اٹھتی امنگیں بنتی ہیں طوفانگہ خروش

خود بینیوں کو چھوڑ جوانِ شباب مست — دنیا میں دیکھتا ہے مآلِ شکست و بست

مانندِ خمِ شکستہ جم۔ نورِ مہرِ عرب — کھاتا ستارہ تا شبِ تار ہے ہی ضرب

کھوتا ہے زندگی کو وہ جینے کے واسطے — لگتی ہے پیاس پانی ہی پینے کے واسطے

سامانِ پختگی ہے اُسے جام ٹوٹنا — اُسکے لیے ہمیشہ کی عشرت ہے لوٹنا

غنچے کی زندگی سے نمایاں ہے فرق کیا — دیدہ ورانِ عقل و خرد دیکھئے ذرا

یہ میری زندگی کی ہے تصویر ہو بہو — مجکو شگفتگی نہیں بے سود آرزو

طائرِ بے طاقت

اُسکے پروانہ ہی کیا اس بزم میں جل بھن گیا — شمع بھی یاں رہ گئی شعلہ بھی یاں سر دُھن گیا

نام اُسکا رہ گیا بس جب کا گن باقی رہا — ورنہ جو یاں سے گیا ساتھ اُسکے اُسکا گن گیا

میں صبا وہ طائرِ بے طاقت اس گلشن میں ہوں — ایک پر جس کا نہ اُڑ کر تا سرِ گلبن گیا

واسطے بے مغز کے کیا خاک ہو نشوونما — سبز ہو سکتا نہیں وہ جو کہ دانہ گھن گیا

جاگ اٹھا خوابِ عدم سے یک بیک سارا جہاں — کان میں جس دم ظفر خالق کا امرِ کُن گیا

کلام الملوک

دل میں گر یہ گٹھی ٹھنی اچھی — ہے جہاں میں فروتنی اچھی

روغنِ قاز ملکے چرب زباں — بات کرتے ہیں روغنی اچھی

نہیں ناداں کی دوستی بہتر — بلکہ دانا کی دشمنی اچھی

سرِ پُرغرور

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو جا پڑا — یکسر وہ استخوانِ شکستہ سے چُور تھا

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر — میں بھی کبھو کسیکا سرِ پُرغرور تھا

گلِ محبت

کل مجکو شوق جذبۂ محبوب بار بار — کہتا تھا لائیں پھول کوئی لالہ زار سے

چشمِ خیال بن کے پھرا میں چمن چمن — پایا نہ کام شوق کسی شاخسار سے

آخر بصد تلاش پڑا پھول اک نظر — روشن جمالِ اخترِ شب زندہ دار سے

جلے نسرینِ حسن کی آتش کے سوز سے — شعلے مچل رہے تھے زبانِ ہزار سے

چاہا یہ میں نے ہاتھ بڑھا کر کے توڑ لوں — آنسو بہا کے دیدۂ خونناب بار سے

کہنے لگا بتا تو اے دل دادۂ فنا — کیا لے گا میرے جلوۂ ناپائدار سے

باغِ جہاں کی دیکھ کے ناپائداریاں — توڑا ہے ایک پھول دلِ داغدار سے

لایا ہوں تحفۂ گلِ رعنا ترے لیے — سینچے گی گلستاں یہ ہمیشہ بہار سے

یہ پھول لے کہ نورِ محبت کا پھول ہے
حسنِ مدام امن و مسرت کا پھول ہے

شمعِ خاموش

اے تازہ واردانِ ہوائے بساطِ دل — زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ — جنتِ نگاہ یہ تو وہ فردوسِ گوش ہے

یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم میں — نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں — غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

الفتِ دین

یہ ہوا نہ رہی وہ چمن نہ رہا وہ گلی نہ رہی وہ حسیں نہ رہے — وہ فلک نہ رہا وہ سماں نہ رہا وہ مکاں نہ رہا وہ مکیں نہ رہے

نہ گلوں میں گلوں کی سی بو وہ رہی نہ عزیزوں میں لطف کی خو وہ رہی — نہ حسینوں میں رنگِ وفا وہ رہا کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے

نہ وہ آن رہی نہ امنگ رہی نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی — سوئے قبلہ نگاہوں کے رخ نہ رہے درِ دیر پہ نقشِ جبیں نہ رہے

نہ وہ جام رہے نہ وہ مست رہے نہ فدائے عہدِ الست رہے — وہ طریقۂ کارِ جہاں نہ رہا وہ مشاغلِ رونقِ دیں نہ رہے

ہمیں لاکھ زمانہ مٹائے تو کیا نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا
یہ محال ہے اہلِ وفا کے لیے غمِ ملت و الفتِ دیں نہ رہے

رازِ ہستی

رنگِ بہار ہوں کہ گلِ نو دمیدہ ہوں — فانی ہوں اور خزاں کے لیے آفریدہ ہوں
مٹ مٹ کے پا رہا ہوں نشاں ہست و بود کا — نقشِ قدم ہوں درپئے عمرِ دویدہ ہوں
سالک نہ پوچھ مجھ سے کہ راہِ فنا ملی — پائے شکستہ تا بدرِ دل رسیدہ ہوں
ادراک سے میں دور ہوں احساس سے ہیں دور — رنگِ پریدہ ہوں سخنِ ناشنیدہ ہوں
میں کیا ہوں کیا بتاؤں بیاضِ وجود میں — اک حرفِ دلنشیں ہوں مگر آبدیدہ ہوں
ہوں رازِ کُن، کہ سازِ تماشائے اولیں — جو کچھ بھی ہوں نیازِ بتِ آفریدہ ہوں
چشمِ تمیز نے مری ہستی بگاڑ دی — لینا کہ اب میں صورتِ اشکِ چکیدہ ہوں
کیا مجھکو شوقِ سیرِ گلستاں نہیں نہیں — اے رازداں میں جامۂ ہستی دریدہ ہوں
فکرِ معاد دور ہو محو مجھ سے کیوں — ذوقِ قیود و مذہب و ملت چشیدہ ہوں
مرغوبِ رند ہوں نہ میں مقبولِ پارسا — ساقی نہ چھوؤ مجھے کہ مئے نوشیدہ ہوں

بے رحمی

کیا کہیں عالم میں ہم انسان یا حیوان تھے — خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے
ایک دن اک استخواں پر جا پڑا میرا جو پاؤں — کیا کہیں اُس وقت میرے دل میں کیا کیا دھیان تھے
پاؤں پڑتے ہی غرض اُس استخواں نے آہ کی — اور کہا ظالم کبھی ہم بھی تو صاحب جان تھے
دست و بازو سر و گردن شکم پشت و کمر — دیکھنے کو آنکھ اور سننے کی خاطر کان تھے
ابرو و بینی جبیں نقش و نگار و خط و خال — لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے
رات کے سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھی پلنگ — دن کی خاطر بیٹھنے کو تخت اور ایوان تھے
لگ رہا تھا دل کہیں چنچل پریزادوں کے ساتھ — کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہیں پیمان تھے
گلبدن اور گلعذاروں سے کنار و بوس تھا — کچھ نکالی تھی ہوس کچھ اور بھی ارمان تھے
ہو رہے تھے چہچہے اور رچ رہے تھے قہقہے — ساقی و ساغر صراحی عطر پھول اور پان تھے
ایک ہی جھٹکا اجل نے آن کر ایسا دیا — پھر تو نہ ہم تھے نہ وہ سب عیش کے سامان تھے
ایسی بے رحمی سے مت رکھ پاؤں ہم پر اے نظیر — او میاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

طائرِ دل

اُٹھا اک دن بگولا سا جو کچھ میں جوشِ وحشت میں ۔ پھرا آسیمہ سر گھبرا گیا تھا دل بیاباں سے
نظر آیا مجھے اک طائرِ مجروح پر بستہ ۔ ٹپکتا تھا سرِ شوریدہ دیوارِ گلستاں سے
کہا میں نے کہ او ناکام آخر ماجرا کیا ہے ۔ پڑا ہے کام تجھکو کس ستمگر آفتِ جاں سے
ہنسا کچھ کھلکھلا کر پہلے پھر مجھ کو جو پہچانا ۔ تو یوں رویا کہ جوئے خوں بہا پلکوں کے داماں سے
کہا میں صید ہوں اُسکا کہ جسکے دامِ گیسو میں ۔ پھنسا کرتے ہیں طائر روز آکر باغِ رضواں سے
اسی کے زلف و رخ کا دھیان ہے شام و سحر مجھکو ۔ نہ مطلب کفر سے ہے اور نہ ہے کچھ کام ایماں سے
بچشمِ غور جو دیکھا مرا ہی طائرِ دل تھا ۔ کہ جل کر ہوگیا یوں خاک اپنی آہِ سوزاں سے

سروِ لبِ جو

خدا سے پھر گئے غفلت کا پہلو اسکو کہتے ہیں ۔ نگاہ اُس بت کی نازاں ہے کہ جادو اسکو کہتے ہیں
نسیمِ صبح! بوئے گل سے کیا اترائی پھرتی ہے ۔ ذرا سونگھے شمیمِ زلف خوشبو اسکو کہتے ہیں
صدائے فاختہ ویرانۂ دل میں سن آکر ۔ جگر ہوتا ہے ٹکڑے دیکھ کو کو اسکو کہتے ہیں
تصور قامتِ محبوب کا ہر دیدۂ تر کو ۔ طریقِ عشق میں سروِ لبِ جو اسکو کہتے ہیں

انجامِ بہار

مے بھی تھی مینا بھی تھا اور ساقی میخانہ تھا ۔ بزم بھی آراستہ اور جلوۂ جانانہ تھا
پھول کھلنے سے ہوا سارا چمن رشکِ جناں ۔ بلبلوں کا اس لیئے انداز کچھ مستانہ تھا
اپنی خوبی پر تھا اتراتا ہر اک غنچہ دہاں ۔ قمریوں کا سرو سے برتاؤ بیباکانہ تھا
جھولتے گلہائے تر زر لفت کے جھولوں میں تھے ۔ جب کہ خود گلچیں بھی اُن کے حسن کا دیوانہ تھا
بے خطر پھرتا تھا ہر اک طائرِ شیریں بیاں ۔ اور یگانہ ہوگیا جو سبزۂ بیگانہ تھا
چہچہانے کی صدائیں آرہی تھیں کان میں ۔ اس سے بڑھ کر کیوں کہوں وہ اک عجائب خانہ تھا
یک بیک جھونکا ہوائے تند کا آیا وہاں ۔ کچھ نہ تھا گویا کہ مدت کا وہ اک ویرانہ تھا
دیکھتے اپنے وہ بکھرا ایسا شیرازہ وہاں ۔ گل ہوئی وہ شمع جس کا اک جہاں پروانہ تھا
آشیانِ بلبلِ بیکس جو یوں درہم ہوا ۔ زاغ کا اور بوم کا اب خاص خلوت خانہ تھا

دیکھکر یہ حالِ دلِ منظورؔ یوں گویا ہوا　　جو کہ دیکھا خواب تھا اور جو سنا افسانہ تھا

دیوانہ پن

وہ رشکِ چمن گل جو زیبِ چمن تھا　　چمن جنبش شاخ سے سینہ زن تھا
گیا میں جو اس بن چمن میں تو ہر گل　　مجھے اس گھڑی اخگر پیرہن تھا
یہ غنچہ جو بے درد گلچیں نے توڑا　　خدا جانے کس کا یہ نقشِ دہن تھا
تنِ مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا　　گیا وہ تو جس سے مزین یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا　　مشیّن بدن تھا معطّر کفن تھا
جو قبرِ کہن اُن کی اُکھڑی تو دیکھا　　نہ عضوِ بدن تھا نہ تارِ کفن تھا
نظیرؔ آ گئے ہم کو ہوس تھی کفن کی　　جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

خوابِ عبرت

اک روز کہ میں خواب میں ہنگامِ سحر تھا　　(۱)　ناگاہ میرا تربتِ قیصر پہ گزر تھا
یاد آئی یکایک جو مجھے شوکتِ مرحوم　　عبرت سے یہ دریافت کیا با دلِ مغموم
کیوں مٹ گئے وہ نقش نگیں کیا ہوئی صولت　　کیا تھی اسی دو ہاتھ زمیں کے لیئے دولت
تربت سے ندا آئی کہ اے وائے مقدّر　　دو ہاتھ میں بھی پاؤں نہ پھیلا سر بستر
دو ہاتھ زمیں بھی نہیں آرام کی جا ہے　　ہر عضو میرا اسمیں بھی کیڑوں کی غذا ہے
دنیا جسے کہتے ہیں وہ بے شبہ سرا ہے　　(۲)　گھر اسکو کوئی سمجھے تو افسوس کی جا ہے
وہ کون ہے جو آ کے مدام اسمیں رہا ہے　　دو روز کی ہستی ہے پھر آخر کو فنا ہے
جو شاہ فلک جاہ تھے افلاک کے نیچے　　بے نام و نشاں سوتے ہیں وہ خاک کے نیچے
ہیں جیتے ہی جی کام کے یہ درہم و دینار　　(۳)　جب تن سے گئی جان تو یہ ہو گئے بیکار
عیسیٰ نفسوں کو بھی کیا موت نے لاچار　　ہشیار کو لازم ہے رہے مرگ سے ہشیار
کہلاتے ہیں جو لوگ شہنشاہ زمن کے　　ہوتے ہیں پس مرگ وہ محتاج کفن کے
تنہا تجھے جانا ہے عدم کا وہ سفر ہے　　شفقت کے لیئے باپ نہ خدمت کو پسر ہے
کچھ زور ہے واں کا نہ کچھ حاجت زر ہے　　جو شاہ کا ایواں ہے گدا کا وہی گھر ہے

عبرت

گھر سے جو کیا کوچ تو بے گھر ہوئے دونوں جب قبر میں اُترے تو برابر ہوئے دونوں

گل و انسان

وہ بھی عجیب دن تھے کہ عہدِ شباب تھا اپنا رُخِ صبیح شگفتہ گلاب تھا
گل کا عِذار مصحفِ گلزار تھا اگر اپنا شبابِ غیرتِ دُرِّ خوش آب تھا
وہاں عارضِ جمیل پہ بجلی کی تھی تڑپ یاں شعلۂ عذار میں اک التہاب تھا
واں تمکنت سے گل کی گلستاں دماغ دار یاں حُسنِ دل رُبا کا عجب رعب داب تھا
واں بادہ طرب سے بھرا تھا ایاغِ گل یاں بزمِ انبساط میں دورِ شراب تھا
آئی خزاں تو دونوں کی حالت تھی ایک سی پانی کا بلبلا تھا بشرگل حباب تھا
واں ابرِ نیستی تھا سرِ گل پہ سایہ دار یاں حسن سحر فن پہ فنا کا سحاب تھا
جو بال مشک فام تھے کافور ہو گئے اسفند سا سفید سرِ بے خضاب تھا
رخصت ہوئی جو نزہتِ گل باغِ دہر سے اپنا سفیرِ حُسن بھی پا در رکاب تھا
واں شاخ سے درخت کی پتّی ہوا ہوئی یاں جسم کو قُوائے کی طرف سے عذاب تھا
باغِ جہاں کو خار تھے آخر گل و بشر گل کا نہ کچھ شمار نہ اپنا حساب تھا
جاتا رہا وہ جوش بھرا تھا جو قلب میں غائب ہوا وہ ذہن جو حاضر جواب تھا

طلب

طالب تھا اس نمود کا آغاز خوش نما انجام کو جو غور سے دیکھا تو خواب تھا

شالامار باغ

چل رہی ہے گلشنِ عالم میں عبرت کی ہوا آ رہی ہے ہر گلِ خوش رنگ سے بوئے وفا
نغمۂ حسرت ہے وردِ عندلیبِ خوش نوا غنچۂ لب بستہ سے پیدا ہے ماتم کی صدا
قمری کوکو نوا کی گفتگو سے ہے عیاں
ہائے پہلا سا ہے اب وہ منظرِ دلکش کہاں
سوز و سازِ نغمۂ مرغانِ خوش آہنگ تھا سرو تھا طنبور ہر برگِ شجر اک چنگ تھا
رقصِ طاؤسانِ بستاں کا نرالا ڈھنگ تھا لالہ ہم کیفیتِ جامِ مئے خوش رنگ تھا
تھی صبا مجرائی دربارِ شاہنشاہِ گل

خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی

عالیجناب خان بہادر مولوی سید اکبر حسین رضوی سابق جج عدالت عالیہ ورئیس الہ آباد۔ آپکی تاریخ ولادت ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء ہے۔ آپکا سلسلہ نسب امام رضاؑ سے ملتا ہے ۱۸۹۸ء میں آپنے خان بہادر کا خطاب پایا۔ آپ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو تھے عنفوان شباب سے آپکو فن سخن سے خاص لگاؤ تھا۔ خواجہ آتش کے شاگرد منشی غلام حسین صاحب وحید الہ آبادی کے شاگرد رشید بلکہ سرمایہ ناز در فخر استاد تھے۔ چونکہ عربی۔ فارسی زبانوں میں کامل دستگاہ رکھنے کے علاوہ زبان انگریزی اور اس کے علم ادب سے بھی بخوبی ماہر تھے۔ اسوجہ سے جہانتک ممکن تھا مغربی خیالات کو بطرز حسن ایشیائی لباس پہنانے میں ساعی رکھتے تھے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ بدرجہ احسن کامیاب بھی ہوئے ہیں چنانچہ تعلیم و تہذیب مغربی کا جو روز افزوں اثر ہمارے ہندوستانی نوجوانوں پر ہو رہا ہے۔ اور اس سے جو نتیجے پیدا ہوئے۔ اور ہو رہے ہیں اُنکے متعلق آپ اکثر نہایت قابل قدر خیالات ظاہر فرما گئے ہیں زبان نہایت پاکیزہ طرز بیان بالخصوص حد درجہ دلچسپ و دلکش ہے نغز گوئی اور بذلہ سنجی آپکی شوخ طبیعت کا ادنی جوہر ہے مگر ساتھ ہی مضمون آفرینی و نازک خیالی سے خالی نہیں غرض جسقدر کلام ہے۔ برگزیدہ و پسندیدہ خاص و عام ہے عیوب شاعری سے بری اور نقائص سے سراسر معرا آپ پنشن لیکر اپنے وطن قدیم الہ آباد ہی میں رونق افروز رہے۔ تقریباً آٹھ یوم تک مرض پیچش میں مبتلا رہکر ۹ محرم ۱۳۴۰ھ کو جمعہ کے دن تین بجے بعد دوپہر اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ؛ سہ کیوں نہ تاریک ہو جہان ادب ؛ نور چشم زمانہ تھے اکبر

۱۳۴۰ ہجری

مرجع بلبل نگاہاں تھی کبھی درگاہ گل

کیا غضب ڈھایا یہ تونے حیف اے دورِ زماں کردیا یہ جنت الفردوس پامالِ خزاں
اب نہ وہ سنبل، نہ وہ لالہ نہ وہ سروِ چماں تختہ ہائے گل اڑائے صورتِ تختِ رواں

اے فلک کیا تھا اسی صورت میں یہ شہوار باغ
یونہی بے برگ و نوا تھا آہ! شالامار باغ

منتخب تھا اس چمن زارِ جہاں میں یہ چمن تھے ثنا خوانوں میں لاکھوں لالۂ رخ غنچہ دہن
گلشن آرا تھے ہزاروں سرو قد گل پیرہن خود ہوا خواہوں میں اسکے تھے شہنشاہ زمن

ناز پرورِ توجہ ہر گل رعنا رہا
شاہ جہاں اس باغ کا برسوں چمن پیرا رہا

آبشاروں کی روانی اور نہروں کی جھلک پانی پانی کیوں نہ ہوتے کوثر و تسنیم تک
گوہر شبنم کی زینت اور زرِ گل کی چمک ہائے کیوں دیکھی گئی تجھسے نہ اے چشم فلک

محوِ شالامار تھیں پریاں پرستاں چھوڑکر
دیکھنے آتی تھیں حوریں باغ رضواں چھوڑکر

آفریں صد آفریں اے ہمتِ شاہ جہاں ہے زمانے میں یہ تیری خوش نصیبی کا نشاں
یاد تازہ ہے تری جبتک ہے نقشِ بوستاں تیری عالی ہمتی ہے اس عمارت سے عیاں

سات تختوں میں سمائی تونے ایسی گل زمیں
آٹھ گلشن خلد کے ہوتے تھے جس سے شرمگیں

حشمت و شوکت تری اے خسروِ والا گہر خطِ ریحاں میں لکھی ہے صفحۂ تاریخ پر
گرچہ تیری روح ہے اب طائرِ بے بال و پر دیکھتی ہوگی جہاں کے انقلابوں کو مگر

تھا ہمائے جلوہ تیرا جس جگہ جلوہ فگن
اب وہاں رکھتے ہیں طرحِ آشیاں زاغ و زغن

آج اے بسمل وہ شیدائے قدامت ہیں کہاں دیکھتے ہیں جو اس آئینے میں آثارِ جہاں
اس طرف بھی وہ سمندِ عزم کی پھیریں عناں مٹ نہ جائے آہ نقش یادگارِ رفتگاں

نام نیک رفتگان ضائع مکن اے ہوشیار

تا بماند نام نیکت تا قیامت برقرار

پاسبان

تو جولانگاہِ عالمگیر یعنے وہ حصار — دوش پر اپنے اٹھائے سیکڑوں صدیوں کا بار

زندگی سے تھا کبھی معمور اب سُنسان ہے — یہ خموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

اپنے سُکانِ کہن کی خاک کا دلدادہ ہے

کوہ کے سر پر مثالِ پاسباں استادہ ہے

فنا کا باب

زندگی کہتی ہے غافل میں فنا کا باب ہوں — چھیڑتے ہیں ساز غم جس سے میں وہ مضراب ہوں

عافیت سے دور رکھتے ہوں اذیت سے قریب — منتشر بادل کا سایہ ہوں پریشاں خواب ہوں

شیخ و حسن

دوزخ میں بھی پڑیں تو نہ سمجھیں ہوں رنج شعلہ — آتش میں شیخ و حسن ہیں رہیں گے رہن کے ساتھ

وقتِ حقیری

دن جوانی کے گئے موسم پیری آیا — آبرو خواب ہوا اب وقت حقیری آیا

بالانشین

بد خصلتوں کو کرتا ہے بالانشیں فلک — اونچی ہے آشیانۂ زاغ و زغن کی شاخ

فقیر کو

دیتے ہیں وہ جو دیتے ہیں بھیک فقیر کو — دینا نہیں یہ لینا ہے دینا امیر کو

بلند نامی

نشان کھو کے بگولے کی طرح اٹھتے ہیں — تو خاک خوش ہوں ہم ایسی بلند نامی پر

اپنی رطوبت

کٹے ملت سے جو دیکھے گی دنیا انکو عبرت سے

گرے پتے ہیں یہ بس سبز ہیں اپنی رطوبت سے

دفترِ گناہ

دنیا میں جو ملا تھا وہ سب کچھ نہیں رہا
باقی بس اب گناہوں کا دفتر بغل میں ہے

یاد کرینگے

ہنستے ہیں شبِ وصل میں ہم اب تو پر اک دن
اس شب کو بہت روئیں گے اور یاد کرینگے

دُشمنی

دل! نہ آغازِ دشمنی کرنا
اب کسی سے نہ دوستی کرنا

قحط الرجال

یاروں کو تجھ سے حالیؔ اب سرگرانیاں ہیں
نیندیں اُچاٹ دیتی تیری کہانیاں ہیں

ہنستے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں لام وحشی
اُلفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں

اپنی نظر میں بھی یاں اب تو حقیر ہیں ہم
بے غیرتی کی یارو، اب زندگانیاں ہیں

روتے ہیں چار ہم پر ہنستے ہیں چار ہم پر
یاں تک ہماری پہنچی اب ناتوانیاں ہیں

خیبر سے باختر تک جتنے نشاں تھے برپا
کچھ مقبروں میں باقی اُنکی نشانیاں ہیں

دیکھا نہیں ابھی کچھ قحط الرجال تم نے
اس سے بھی سخت آتی آگے گرانیاں ہیں

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو! اُٹھتی جوانیاں ہیں

فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں، تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

رونے میں تیرے حالیؔ! لذت ہے کچھ نرالی
یہ خوں فشانیاں ہیں یا گل فشانیاں ہیں

مقبرۂ جہاں گیر

مصر و روما کی جہانبانی کی شوکت ہو چکی
آتشِ بت خانۂ زردشت ایراں بجھ گئی

حرفِ نسیاں ہے بقا غرناطہ و بغداد کی
لُوٹ لی نادر نے رونق شاہجہان آباد کی

سرزمین آگرہ وہ یادگارِ روزگار
در حقیقت کیا ہے درد و حسرت و غم کا مزار

خاندانِ مغلیہ کا خسروِ خاتم نواز
محوِ آسائش ہے تجھ میں اے زمینِ سوز و ساز

اے نگینِ شاہدرہ! تو کس جگہ روپوش ہے
عرفیِ شیراز کیا راوی بھی اب خاموش ہے

خانۂ تاریک میں کیسے تجھے آرام ہے
تیری بے چینی سے مضطر ابلقِ ایام ہے

اے مزارِ حسرتِ شاہ جہانگیرِ جہاں — عظمتِ عہدِ جہانگیری کے اب چرچے کہاں
آج ویرانے میں تو ویران ہی سنسان ہے — ابرِ حسرت بار کا تجھ میں بھرا طوفان ہے
اے امینِ استخوانہائے شہِ ہندوستاں — کچھ تو کہہ عدلِ جہانگیری کی مجھسے داستاں
عکس اندازِ رخِ راوی تیرے مینار ہیں — شانِ تیموری کے تیری خاک میں آثار ہیں
تیری تاریکی میں وہ نازک بدن خوابیدہ ہے — جسکے پہلو میں عروسِ ناز آرامیدہ ہے

کنجِ تربت میں بنا تجھ کو قرارِ جاوداں
اب جگا سکتی نہیں تجکو کبھی نورِ جہاں

کلام نظیر اکبر آبادی

خمسہ بر غزل خود

آہ یہ کس شعلہ رو سے طبع اب مانوس ہے — جو سپند آسا جگر اس آگ کا مانوس ہے
اور تپِ غم کی تپش چہرے پہ اب محسوس ہے — کسکی نیرنگی یہ برقِ شعلۂ فانوس ہے
جو شرر اس سے اٹھا وہ جلوۂ طاؤس ہے

ہمنشیں احوال اپنا کوئی تجھ سے کیا کہے — آدمیت سے گئے سودا ہوا رسوا ہوئے
خود بخود یہ دلمیں بیخود اب خیال اٹھنے لگے — کل ہوس اسطرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا ہی ملکِ روم ہے اور سرزمینِ روس ہے

جا بسے جب واں تو کس عشرت سے کیجے زندگی — جسطرح سے راحت و حشمت سے کیجے زندگی
گر میسر ہو تو کس عشرت سے کیجے زندگی — مثلِ گل نزہت فزا فرحت سے کیجے زندگی

یہ خیالِ خام اپنے دلمیں بندھتے تھے پڑے — کھل رہے تھے عیش و عشرت کے طبیعت پر دڑے
جب زبان و دل سے باہم یہ سخن ہونے لگے — سنتے ہی عبرت پکاری اک تماشے میں تجھے
چل دکھاؤں میں جو حرص و آز کا محبوس ہے

میں نے جانا لے چلیگی یہ گلستاں کیطرف — یا کنارِ آب یا صحرا بیاباں کیطرف
نہ وہ صحرا لے گئی نے باغ و بستاں کیطرف — لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کیطرف

جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے

میں جو واں پہنچا تو اُس جا ڈھیر دیکھے خاک کے — کوئی بے سایہ کہیں سایہ کسی پر کیکرے

اتنے میں عبرت پکڑ کر ہاتھ میرے خوف سے — مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے

یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

یہ وہ ہے جسکو کہ ہفت اقلیم دیتی تھیں خراج — یہ وہ ہے جسکو کہ ہفت افلاک سے آتا تھا راج

یہ وہ ہے جسکا فرشتے کو نہ ملتا تھا مزاج — پوچھو تو ان سے کہ مال حشمتِ دنیا ہے آج

کچھ بھی انکے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

کر دیا ہے عشق کے غم نے یہ بیطاقت مجھے — اس مرض کی بیطرح لپٹی ہے اب آفت مجھے

بس یہ کہتا ہے نظیر اب مکتۂ حکمت تجھے — گر نہ بخشے شافع محشر شفا قدرت مجھے

عارضے سے تیرے تو حیران جالینوس ہے

نصائح

تصویر جہاں

یاد ایام کہ بے رنگ تھی تصویر جہاں — دست مشاطہ نہ تھا محرمِ زلفِ دوراں

گل خودرو سے بسا تھا چمن کون و مکاں — چار سو حسن خداداد کا سکہ تھا رواں

وضع عالم میں نہ آیا تھا تغیر اب تک

خطِ قدرت کی وہی شان تھی اور نوک پلک

طفل معصوم کے مانند تھا یہ عالم پیر — تھے ہم اک صنعتِ بیچون و چرا کی تصویر

ملکِ فطرت میں تھی سلطنتِ نفس شریر — طبع نے مملکتِ روح نہ کی تھی تسخیر

خواب غفلت کی گھٹا دل پہ چھائی تھی بہت

دن چھپا تھا ہی ابھی رات نہ آئی تھی بہت

مال و دولت کی ہوس میں نہ گرفتار تھے ہم — نہ بلندی کے نہ رفعت کے طلبگار تھے ہم
آپ ہی اپنے ہر ایک رنج میں غمخوار تھے ہم — مدد غیر سے اصلا نہ خبردار تھے ہم
جو سبق آتے تھے اُستاد ازل سے لیکر
وہی ہر منزل و ہر راہ میں تھا یاں رہبر

اصل سے دور بہت ہونے نہ پائے تھے ابھی — دیس سے چھُوٹ کے پردیس میں آئے تھے ابھی
دن جدائی کے نصیبوں نے دکھائے تھے ابھی — ڈال سے توڑ کے بازار میں لائے تھے ابھی
عرصہ گزرا تھا مسافر کو نہ غربت میں بہت
جی لگا تھا نہ ابھی غیر کی صحبت میں بہت

صاف آئینۂ دل میں نظر آتا تھا کوئی — روبرو جیسے جگہ دل میں نہ پاتا تھا کوئی
جی وہ جی تھا کہ نہ جس جی کو لبھاتا تھا کوئی — آنکھ وہ آنکھ تھی جس میں نہ سماتا تھا کوئی
روح تھی بادۂ دوشینہ سے اپنی بدمست
تھا ترقی پہ ابھی نشۂ صہبائے الست

اسقدر عمر دو روزہ پہ نہ مغرور تھے ہم — عیش و عشرت کے طلسموں سے بہت دور تھے ہم
کسی محنت سے مشقت سے نہ معذور تھے ہم — آپ ہی راج تھے اور آپ ہی مزدور تھے ہم
تھے غلام آپ ہی اور آپ ہی آقا اپنے
خود ہی بیمار تھے اور خود ہی مسیحا اپنے

خودنمائی و خودآرائی کا کچھ دھیان نہ تھا — کبر و پندار کا جاری کہیں فرمان نہ تھا
گھر میں ساماں نہ تھا در پہ نگہبان نہ تھا — جی میں فرعونِ زماں بننے کا ارمان نہ تھا
آ کے دنیا میں بہت پاؤں نہ پھیلاتے تھے
اک مسافر کی طرح رہ کے چلے جاتے تھے

خاک کو نرم بچھونوں سے سوا جانتے تھے — روکھ کی چھاؤں کو ہم ظلِ ہما جانتے تھے
مل گیا جو اُسے انعامِ خدا جانتے تھے — نہ بُرا جانتے تھے اور نہ بھلا جانتے تھے
طاعتِ نفسِ فرومایہ سے آزاد تھے ہم

ساگ اور پات پہ گزران تھی اور شاد تھے ہم

تھی سفر میں نہ سواری کی ضرورت زنہار — کٹے انھیں قدموں سے کرتے تھے ہر اک راہ گزار
کھانے پینے کو نہ تھے ظرف بلوریں درکار — انھیں ہاتھوں پہ خور و نوش کا تھا اپنے مدار

شرم آتی تھی نہ ہل جوتنے کھانے سے ہمیں
عیب لگتا تھا نہ کچھ ڈھور چرانے سے ہمیں

کرنے پڑتے تھے ضیافت میں نہ بیجا ساماں — ناں جو کھاتے تھے خوش ہوتے تھے ہمارے مہماں
تھا بناوٹ کا پتا اور نہ تکلف کا نشاں — ایک قانون کے پابند تھے دل اور زباں

پیٹ کے مارے کہیں سر نہ جھکاتے ہم تھے
آبروئے نفس کی خاطر نہ گنواتے ہم تھے

آمد موسم گل میں تھا عجب لطف ہوا — آندھیوں سے نہ کبھی تھا کبھی طوفاں برپا
چشمہ نزدیک تھا منبع تھا عین صفا — جتنا بڑھتا گیا ہوتا گیا پانی گدلا

مٹتے مٹتے اثر صدق و وفا کچھ نہ رہا
آخری دور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا

اے جہاں! اے روشیں تازہ بدلنے والے — نت نئی چال نئی ڈھال سے چلنے والے
موم کی طرح ہر اک سانچے میں ڈھلنے والے — روز اک سوانگ نیا بھر کے نکلنے والے

آج کچھ اور ہے کل اور تھی کچھ شان تری
ایک سے ایک نہیں ملتی کہیں آن تری

اک زمانہ تھا کہ جمہور تھے سب خرد و کلاں — لہلہاتی تھی بنی نوع کی کھیتی یکساں
ایک اسلوب پہ تھی گردش پرکار زماں — شہر و ویرانہ و آبادی میں تھا جنس یکساں

قدر و قیمت میں نہ تھا فرق کسی کو بھلا
کوئی پلا تھا ترازو کا نہ اونچا نیچا

ایک سے ایک نہ کم تھا نہ زیادہ سر مو — سب تھے ہم ایک ترائی کا درخت خودرو
حاجتیں لیکے کسی در پہ گئے تھے نہ کبھو — نہ زمیں بوسی کی عادت تھی نہ تسلیم کی خو

دست قدرت کے سوا در پہ کوئی ہاتھ نہ تھا
ایک قبلہ تھا کوئی قبلۂ حاجات نہ تھا
حق نے شائستۂ ہر بات بنایا تھا ہمیں
ایک ہی دام میں پھنسنا سکھایا تھا ہمیں
رستہ ہر کوچہ و منزل کا بتایا تھا ہمیں
زینہ ہر بام پہ چڑھنے کا دکھایا تھا ہمیں
ایسا کچھ بادۂ الفت نے کیا متوالا
طوق خدمت کا لیا اور گلے میں ڈالا
در مخلوق کو ہم ملجا و ماوے سمجھے
طاقتِ خلق کو اعجاز کا تمغا سمجھے
پیشہ و حرفہ کو اجلاف کا شیوہ سمجھے
ننگ خدمت کو شرافت کا تقاضا سمجھے
عیب گننے لگے نجاری و حدادی کو
بیچتے پھرنے لگے جوہر آزادی کو
نوکری ٹھہری ہے لے دیکے اب اوقات اپنی
پیشہ سمجھے تھے جسے ہوگئی وہ ذات اپنی
اب نہ دن اپنا رہا اور نہ رہی رات اپنی
جا پڑی غیر کے ہاتھوں میں ہر اک بات اپنی
ہاتھ اپنے دلِ آزاد سے ہم دھو بیٹھے
ایک دولت تھی ہماری سو اُسے کھو بیٹھے
کرتے ہیں قصدِ تجارت تو گرہ میں نہیں دام
دستکاری کو سمجھتے ہیں کہ ہے کارِ عوام
نہیں ہل جوتنے میں راحت و آرام کا نام
بنتے پھرتے ہیں اسی واسطے اک اک کے غلام
نظر آتی نہیں مطلب کی کوئی گھات ہمیں
وہ پڑا نقشہ کہ ہر چال میں ہے مات ہمیں
ایک آقا ہو تو خدمت کا حق اُسکی ہو ادا
ایک افسر ہو تو حکم اس کا کوئی لائے بجا
زید کی رائے جدا عمرو کی تجویز جدا
ایک بندے کو بھگتنے کئی پڑتے ہیں خدا
بھاگو خدمت سے کہ اچھا نہیں انجام اسکا
جس کا پتھر کا کلیجہ ہو وہ لے نام اس کا
آتی ہیں نوکروں کے سر پہ بلائیں اکثر
بے سبب اُن پہ گزرتی ہیں جفائیں اکثر

ماننی پڑتی ہیں ناکردہ خطائیں اکثر   سامنے جاتے ہیں پڑھ پڑھ کے دعائیں اکثر

غیرت آتی ہے جنہیں وہ ٹھیرنے پاتے نہیں یاں

جو کہ عاقل ہیں کبھی کان ہلاتے نہیں یاں

کیجئے فرض کہ ہے زید بڑا منصب دار   اور عمرو اس کا ہے اک بندۂ فرماں بردار

فرق دونوں میں نہیں اسکے سوا کچھ زنہار   کہ یہ میلا ہے وہ اُجلا یہ پیادہ وہ سوار

ورنہ انصاف سے دیکھو تو ہیں نوکر دونوں

قید میں عجز میں ذلت میں برابر دونوں

عمرو کرتا ہے اگر اس کا ادب اور تعظیم   کرنی پڑتی ہے اُسے بھی کہیں جھک کر تسلیم

زید کی جھڑکیوں سے گر ہے دل عمرو دو نیم   جا کے سنتا ہے کہیں زید بھی الفاظِ سقیم

پاجی احمق اسے کہنے کا اگر ہے دستور

"ڈیم فول" اسکو بھی سننا کہیں پڑتا ہے ضرور

رکھتے ہیں حضرت انساں جو بڑائی میں قدم   گاو و خر ان سے ہیں کیا جانیے کس بات میں کم

مالکوں سے انہیں گر جھیلنے پڑتے ہیں ستم   ذلتیں ان کے لئے بھی ہیں مہیا ہر دم

ننگ خدمت کی حقیقت کو بشر گر سمجھے

چاکروں کو گدھے اور بیل سے بدتر سمجھے

کھیت سے اپنے بچھڑنے کا ہے گر انکو ملال   مدتیں گذریں کہ لوٹا گیا یاں عیش وصال

نوکری نے جو ہیں دکھلائے طلسمِ اقبال   چھوڑ کر شہر وطن کو ہوئے جویائے محال

گھر چھٹا یار چھٹے خویش و یگانہ چھوٹا

ایک ذلت ملی اور سارا زمانہ چھوٹا

انکی گردن میں اگر طوق کی رسی ہے پڑی   اپنی بے بال و پری کی بھی کہانی ہے بڑی

تازہ حکموں کی لگی رہتی ہے ہر وقت جھڑی   نہیں خالی کوئی ساعت کوئی پل کوئی گھڑی

مرغ بے پر کی طرح قیدی صیاد ہیں ہم

کہئیے پھر کون سی حجت ہے کہ آزاد ہیں ہم

ہوتے ہیں فرطِ مشقت سے اگر وہ رنجور　　مالک اُنکی نگرانی میں نہیں کرتے قصور
دیکھ لیتے نہیں جبتک کہ ہوئے روگ سے دُور　　رکھتے ہیں محنت و تکلیف سے اُنکو معذور

جانتے ہیں یہی دھن ہے یہی دولت اپنی
دم سے وابستہ انہیں کی ہے معیشت اپنی

اپنی گر جان پہ بنجائے مشقت میں یہاں　　نہیں اُمید کہ گزرے کسی خاطر پہ گراں
مطمئن ہیں کہ ہے مزدوروں کا دنیا میں سماں　　نہ ہوا ایک تو رکھتی نہیں تعمیر مکاں

پھرتے ہیں پیٹ کی یاں دیتے دہائی لاکھوں
گر نہیں آپ تو ہیں آپکے بھائی لاکھوں

نوکروں سے ہیں بہائم کہیں رتبہ میں سوا　　کہ نہیں خدمت ہمجنس کا ان پر دھبا
گائے ہو بیل ہو گھوڑا ہو کہ اسپ ہو گدہا　　ایک کو ایک کا تابع کہیں دیکھا نہ سُنا

کسی مخلوق کو رتبہ نہ خدا نے بخشا
جو غُلاموں کو شرف عقل رسا نے بخشا

اس سے بڑھکر نہیں ذلت کی کوئی شان یہاں　　کہ ہو ہمجنس کی ہمجنس کے قبضہ میں عناں
ایک گلے میں کوئی بھیڑ ہو اور کوئی شباں　　نسلِ آدم میں کوئی ڈھور ہو کوئی انساں

ناتواں ٹھہرے کوئی کوئی تنومند بنے
ایک نوکر بنے ۔ اور ایک خداوند بنے

ایک وہ ہیں کہ نہیں غیر کے فرماں بردار　　اپنی ہر بات کے ہر کام کے خود ہیں مختار
نہیں سرکار سے دربار سے اُن کو سروکار　　جس جگہ بیٹھ گئے ہے وہی اُن کا دربار

گر تو انگر ہیں تو دوس ایں ہیں اُنکے محکوم
ورنہ خادم ہیں کسی کے نہ کسی کے مخدوم

حکم سے کوئی نہیں اُن کا بلانے والا　　جبر سے کوئی نہیں اُن کا دبانے والا
بیٹھ جائیں تو نہیں کوئی اُٹھانے والا　　سو رہیں جب تو نہیں کوئی جگانے والا

اُٹھ کے چلدیں تو نہیں روکنے والا کوئی

اُلٹے پھر جائیں جو ہو ٹوکنے والا کوئی

ایک وہ ہیں کہ زمانہ کرے انصاف اگر — اور کھل جائیں کمالات بھی لٹکے سب پر

جوہری جو ہیں وہ سب انکے پرکھ لیں جوہر — کامیابی نہیں اُنکے لیے اس سے بڑھ کر

کہ سدا قید رہیں مرغ خوش الحاں کی طرح

جا کے رُک جائیں کہیں یوسف کنعاں کی طرح

دیکھ لیں جب اُنہیں ہر علم و ہنر میں یکتا — شرفِ ذات میں اور اصل گہر میں یکتا

زور بازو میں، بلندیٔ نظر میں یکتا — الغرض جملہ کمالات بشر میں یکتا

اور پھر اُس پہ مدد طالع بیدار کی ہو

تب نصیب اُنکو غلامی کسی سرکار کی ہو

ورنہ دن رات پھریں ٹھوکریں کھاتے دردر — سندیں، چٹھیاں پروانے دکھاتے دردر

چاپلوسی سے دل اِک اِک کا لُبھاتے دردر — ذائقہ نفس کو ذلت کا چکھاتے دردر

تاکہ ذلت سے بسر کرنے کی عادت ہو جائے

نفس جس طرح بنے لائقِ خدمت ہو جائے

کوئی دفتر نہ کوئی اور کچہری ایسی — کہ جہاں گزری ہو ایک آدھ نہ عرضی انکی

سنتے مشرق میں ہیں گر کوئی اسامی خالی — قافلے ہوتے ہیں مغرب سے اُسی دم راہی

برسوں اِس پر بھی گزر جاتے ہیں بے نیل مرام

کوئی آقا نہیں ملتا کہ بنیں اُس کے غلام

تنگ ہوتے ہیں تو تقدیر کا کرتے ہیں گلا — کبھی ٹھیراتے ہیں گردش کو زمانہ کی بُرا

کبھی سرکار کو کہتے ہیں کہ ہے بے پروا — کبھی فرماتے ہیں یہ ہو کے مشیت سے خفا

وعدہ رزق میں سنتے تھے کہ ہوتی نہیں دیر

پھر جو نوکر نہیں ہوتے تو یہ کیا ہے اندھیر

تنگ وہ جانتے ہیں رزق ہو جسکا وعدہ — اُس کا حیلہ نہیں یاں کوئی غلامی کے سوا

اور دروازے ہوئے بند سب اُس پہ گویا — اب فلک پر اُنہیں ملجا نہ زمیں پر ماوا

کام ہوتا کوئی اور اُن سے سرانجام نہیں
جس طرح بیل کو جتنے کے سوا کام نہیں

اب حسب اور نسب پر نہیں نازش کا محل — گردشِ دہر نے دی صورتِ احوال بدل
خاندانوں سے نجیبوں کے گئی ٹھیک نکل — کسی قابل نہ رہے شیخ نہ سیّد نہ مغل

گر گئے جو مئے پندار کے تھے متوالے
بڑھ گئے پیشہ و مزدوری و محنت والے

جن کو منظور ہے مشکل کو وہ دشوار کریں — چاہیئے سعی و مشقت سے نہ وہ عار کریں
ہو میسر جنہیں وہ خدمتِ سرکار کریں — ورنہ مزدوری و محنت سرِ بازار کریں

آبرو اسمیں ہے شان اسمیں ہے عزت اس میں
فخر اسمیں ہے شرف اسمیں شرافت اس میں

پیشہ سیکھیں کوئی فن سیکھیں صناعت سیکھیں — کشت کاری کریں آئینِ خلافت سیکھیں
گھر سے نکلیں کہیں آدابِ سیاحت سیکھیں — الغرض مردِ بنیں جرأت و ہمت سیکھیں

کہیں تسلیم کریں جا کے نہ آداب کریں
خود وسیلہ بنیں اپنی وہ مدد آپ کریں

کی ہے مردوں نے اسیطرح سے دنیا میں گزر — ہوئی تکلیف سے یا چین سے اوقات بسر
نہ ہوئے غیر کے تا زیست کبھی دست نگر — جب پڑی اپنے ہی بازو پہ پڑی جا کے نظر

گئے دل جمع یہاں سے کہ پریشان گئے
پر زمانے کے نہ شرمندہ احسان گئے
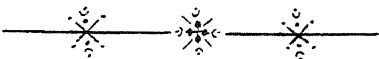
مناظرِ قدرت

مناظرِ سماوی

صبح

پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی پنہاں درازیِ پرِ طاؤس شب ہوئی
اور قطعِ زلفِ لیلیٰ زہرہ لقب ہوئی مجنوں صفت قبائے سحر چاک جب ہوئی
فکرِ رفو تھی چرخِ ہنرمند کیلئے
دن چار ٹکڑے ہوگیا پیوند کیلئے

یوسف غریقِ چاہِ سبد ناگہاں ہوا یعنی غروب ماہِ تجلّی نشاں ہوا
یونس وہاں ماہیِ شب سے عیاں ہوا یعنی طلوع نیّرِ مشرق ستاں ہوا
فرعونِ شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیم اور یدِ بیضا تھا آفتاب

تھی صبح یا فلک کا وہ جیبِ دریدہ تھا یا چہرۂ مسیح کا رنگ پریدہ تھا
خورشید کا یا عرش کا اشکِ چکیدہ تھا یا فاطمہؑ کا نالۂ گردوں رسیدہ تھا
کیئے نہ مہرِ صبح کے سینے پہ داغ تھا
امیدِ اہلِ بیت کا گھر بے چراغ تھا

روزِ سفید یوسفِ آفاق شب نقاب مغرب کے چاہ میں تھا جو زیرِ آفتاب
سقائے آسماں نے لیا دلوِ آفتاب اور ریسمانِ شعاع کی باندھی بہ آب و تاب
یوسف کو دلوِ مہر میں بٹھلا کے چاہ سے
کھینچا فرازِ چرخ میں مغرب کی راہ سے

نکلا اُفق سے عابدِ روشن ضمیرِ صبح محراب آسماں ہوئی جلوہ پذیرِ صبح
کھولا سفیدی نے جو دلہائے پیر صبح ہر سجدہ گاہ بن گیا مہرِ منیرِ صبح
کرتی تھی شب غروب کا سجدہ ودود کو
سیّارے ہفت عضو بنے تھے سجود کو

ظلمت جہاں جہاں تھی وہاں نور ہو گیا پھر مشکِ شب جہان سے کافور ہو گیا
گویا کہ زنگ آئینہ سے دور ہو گیا باطل رسالۂ شبِ دیجور ہو گیا
کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامے میں
مضموں تھا آفتاب کا ذرّوں کے نامے میں

جوزا عنانوں کے ہُوا جولاں جو راہوار سیّارے بھولے سیر و تماشائے روزگار
تارے ہوئے جو صرف چراگاہ ایک بار باقی نہ کہکشاں کی رہی کاہ زینہار
برباد سبزۂ روشِ کہکشاں ہوا
پامال برجِ سنبلۂ آسماں ہوا

ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرۂ سحر تجھ کو مآلِ حُسن کی کیا مل گئی خبر تجھ کو
متاعِ نور کے لُٹ جانے کا ہے ڈر تجھکو ہے کیا ہراس فنا صورتِ شرر تجھ کو
زمیں سے دور دیا آسماں نے گھر تجھکو مثالِ ماہ اُڑھائی قبائے زر تجھ کو
غضب ہے پھر تری ننھی سی جان ڈرتی ہے
تمام رات تری کانپتے گزرتی ہے

چمکنے والے مسافر عجب یہ بستی ہے جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے
اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادتِ مہر فنا کی نیند مئے زندگی کی مستی ہے
وداعِ غنچہ میں ہے رازِ آفرینشِ گل عدم عدم ہے کہ آئینہ دارِ ہستی ہے
سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں

دو ستارے

آئے جو قِراں میں ستارے　　کہنے لگا ایک دوسرے سے

یہ وصل مدام ہو تو کیا خوب　　انجامِ خرام ہو تو کیا خوب

تھوڑا سا جو مہرباں فلک ہو

ہم دونوں کی ایک ہی چمک ہو

لیکن یہ وصال کی تمنّا　　پیغامِ فراق تھی سراپا

گردش ہے ستاروں کی مقدر　　ہر ایک کی راہ ہے مقرر

ہے خواب ثباتِ آشنائی

آئینِ جہاں کا ہے جُدائی

صبح

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح　　ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح

گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح　　ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح

پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا

عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

خورشید نے جو رخ سے اُٹھائی نقابِ شب　　در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب

انجم کی فرد فرد سے لیکر حسابِ شب　　دفتر کشائے صبح نے اُلٹی کتابِ شب

گردوں پہ رنگِ چہرۂ مہتاب فق ہوا

سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

یوں گلشنِ شفق سے ستارے ہوئے رواں　　چُن لے چمن سے پھولوں کو جیسے باغباں

آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں　　مُرجھا کے رہ گیا ثمرِ شاخِ کہکشاں

دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے

پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور　　یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور

وہ رونق اور وہ سبز ہوا وہ فضائے نور		خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انساں زمیں پہ محو ملک آسمان پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر

وہ سرخیٔ شفق کی اُدھر چرخ پر بہار		وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گُہر ہائے آبدار		پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھُلے ہوئے وہ گلوں کے شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشت کربلا کی زمیں رشکِ آسماں		تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سماں
چھٹکے ہوئے ستاروں کا ذروں پہ تھا گماں		بحرِ فرات بیچ میں تھا مثلِ کہکشاں
سرسبز جو درخت تھا وہ نخلِ طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

پھولا شفق سے چرخ کا جب لالہ زارِ صبح		گلزارِ شب خزاں ہوئی آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح		سرگرمِ ذکرِ حق ہوا طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بدم		مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تاب لہر وہ موجوں کا پیچ و خم		سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ نورِ صبح لو وہ صحرا وہ سبزہ زار		تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار		کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں　　تھا جسکی ضو سے وجد میں طاؤس آسماں
ذرّوں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں　　بحر فرات بیچ میں تھا مثل کہکشاں

ہر نخل پر ضیائے سر کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارش باران نور تھی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد　　مخمل کی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کے قدم اپنا ہوائے سرد　　یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد

دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سبزی جگہ کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

طفل ابر

(پہاڑ کے ایک منظر کو دیکھکر)

وہ دیکھو کوہ کے پہلو سے طفل ابر اٹھا　(۱)　وہ سامنے ہے جہاں پیڑ یوکلپٹس کا
وہ بھاپ سا وہ دھواں سا وہ ملگجا سا ابر　　وہ ننھا منا بگولا سا وہ ذرا سا ابر
وہ پیارا پیارا سا وہ دل ربا سا دیکھو تو　　نہ دیکھا ہوگا کبھی یہ تماشہ دیکھو تو
آیا یا کھڈ میں سے اور اک غبار سا نکلا　(۲)　ہوا کے گھوڑے پہ بادل سوار سا نکلا
وہ پھیلا اور وہ سرکا، بڑھا، چلا کیا خوب　　وہ مل کے دونوں نے ٹیلہ چھپا لیا کیا خوب
اندھیرا ہو گیا اب دھند و کار بادل سے　　نہاں نظر سے ہوئے کھیت سبز مخمل کے
وہ دیو دار کے جنگل وہ فرن خوش منظر　(۳)　بنی ہوئی تھی جو سب کوہسار کا منظر
نظر فریب جو تھیں پھول پتیاں ایلو　　وہ سب دھندلکے میں بادل کے چھپ گئیں دیکھو
وہ آسمان کا حسن منظر فریب چھپا　　فراز کوہ کھڈوں کا جو تھا نشیب چھپا
وہ دلفریب سماں سب نظر سے اوجھل ہے　　زمیں سے تا بفلک اب تو صرف بادل ہے
لو بھیگی بھیگی ہوا آئی مینہ برسنے لگا　(۴)　لو بوندیوں کا سر کہسار پر بندھا سہرا
لو کھڑکیوں پہ مہاوٹ کی چلمنیں چھوٹیں　　اور وہ پہاڑ سے پتھر گرے سلیں ٹوٹیں
لو پانی سانپ کی مانند کوہ سے اترا　　لو کھڈ کی سمت چلا بے تحاشا لہراتا

اُچھلتا، کودتا، رُکتا ہوا چلا آتا — سمٹتا، پھیلتا، جھکتا ہوا چلا آتا
بدلتا رنگ کھنڈوں میں مچاتا شور گھسا — چمکتا، گرتا، سنبھلتا، دکھاتا زور گھسا
نکھر رہے ہیں شجر اور حجر دلہن کی طرح — (۵) پہاڑ پر ہے بہار آجکل چمن کی طرح
عروج روح کو حاصل ہو لطف منظر سے — یہ طفل ابر الٰہی یونہی بڑھے برسے

برسات

آئی برسات ہرے پھر ہوئے دل کے سب زخم — باغ میں پھر ہے جنوں خیز ہواؤں کا گزر
آئی گھنگھور گھٹا۔ چھاگئے بادل ہر سُو — آئیں بگلوں کی قطاریں سوئے دریا اُڑکر
کوئلیں کوکیں پپیہوں نے صدا دی دلکش — ہوکے خوش مور نے بھی ناز سے پھیلا دیئے پر
فاختہ ورد رہے سروسہی کی مشغول — مسکرائے ہوئے غنچوں پہ ہے بلبل کی نظر
بھونرے کرنے لگے پھولوں کی بلا گردانی — آکے سب بیٹھ گئے نغمہ سرا شاخوں پر
شور قمری نے کیا باغ میں جو حد سے زیاد — ضعف سے نرگس بیمار نے بدلے تیور
بال سنبل کے جو اُلجھے ہوئے پائے اُس نے — شانہ کرنے لگی منقار سے قمری آکر
کالی کالی جو گھٹا میں کبھی بجلی چمکی — پھر گئی آنکھ میں اُس شوخ کے غصّے کی نظر
پھر غش آنے لگے مجھ کو نفس سرد کے ساتھ — کسی بے درد کی الفت کا ہوا دل پہ اثر
لہر کھاتے ہوئے سنبل کے جو گیسو دیکھے — ایسے اُلجھے کہ رہا کچھ بھی نہ قابو دل پر

یوں نکل جائیں یہ دن ہجر کے صد مونہیں محال
تم ہی انصاف کرو صبر کریں ہم کیونکر

مل کے روئیں

بھاتا ہے مجکو رونا ابر بہار تیرا — ہے موتیوں کی مالا اشکوں کا ہار تیرا
معشوق ہو کہ عاشق دونوں میں پیار تیرا — بلبل کو اور گل کو ہے انتظار تیرا

برسات نے ملائے یہ خوب یار دونوں
آ مل کے روئیں ہم تم ابر بہار دونوں

اے ابر جس طرح سے تیرا ہے کام رونا — تقدیر نے دیا ہے مجھ کو مدام رونا ۔

میرے نصیب میں بھی ہی صبح شام رونا　　رونا تڑپ تڑپ کر جی تھام تھام رونا
ہیں اپنی اپنی قسمت پر اشکبار دونوں
آمل کے روئیں ہم تم ابر بہار دونوں

ہے کیوں یہ اشک ریزی میں اس سے بیخبر ہوں　　اتنی خبر ہے مجکو رونے سے بہرہ ور ہوں
سر تا بپا ہوں گریہ پر محض بے اثر ہوں　　تو آسمان پر ہے اور میں زمین پر ہوں
لیکن ہیں فی الحقیقت ہم خاکسار دونوں
آملکے روئیں ہم تم ابر بہار دونوں

سینے میں دل ہے میرا اور برق تجھ میں پنہاں　　دونوں میں اک تڑپ ہے بیتاب دونوں یکساں
دونوں مچل مچل کر کرتے ہیں ہم کو حیراں　　شوریدہ سر ہیں دونوں، دونوں ہیں خانہ ویراں
وہ دیکھ کس طرح ہیں اب بیقرار دونوں
آملکے روئیں ہم تم ابر بہار دونوں

کرتے ہیں ابر نیساں اب ملکے اشکباری　　دیکھیں کہ رنگ لائے کیا اپنی آہ و زاری
کچھ کر دکھائیں ہم بھی مرضی ہو گر تمہاری　　ہو جائے گی یہ دنیا اک پل میں غرق ساری
جی بھر کے روئینگے جب زار و قطار دونوں
آملکے روئیں ہم تم ابر بہار دونوں

وہ کون ہے جو ہم کو اتنا رُلا رہا ہے　　رونے میں اپنے اسکو کیا جانے کیا مزا ہے
ہنستا ہے رونی صورت جب اپنی دیکھتا ہے　　گر وہ ہنسے تو رونا اپنا بہت بجا ہے
روئیں گے اُسکے آگے اب زار زار دونوں
آملکے روئیں ہم تم ابر بہار دونوں

دریا کا ہو کنارہ اور چل رہی ہوا ہو　　بجلی تڑپ رہی ہو چھائی ہوئی گھٹا ہو
اک دم مزاج برہم صبر و قرار کا ہو　　قلب و جگر کو تھامے محروم بھی کھڑا ہو
ہو جائیں دل ہی دل میں بے اختیار دونوں
اُس وقت مل کے روئیں ابر بہار دونوں

ابرِ نوبہار

پیاسِ خاطرِ رندانِ بادہ خوار برس
برس، برس کے دن آئے ابرِ نوبہار برس

دعائیں مانگی ہیں ساقی نے کھول کر زلفیں
بسانِ دستِ کرم ابرِ وجلہ بار برس

کمی نہ بادہ پرستوں کے جوش میں ہوگی
ہزار بار برس بلکہ لاکھ بار برس

جہاں دشت و گلستاں میں بھر دے آب جل تھل
نکال خوب سا دل میں جو ہے بخار برس

نگاہ جانبِ قبلہ ہے منتظر ہوں میں
ہوئے ہیں چار پہر آج مجھ کو چار برس

کوئی تو تربتِ عاشق پہ رونے والا ہو
ذرا چمن میں برس کر سرِ مزار برس

بس انتظار ہی تیرا ہے بادہ نوشوں کو
لیے ہیں ہاتھ میں ساغر ترے نثار برس

رکھا ہوا ہے خُمِ مے چنے ہیں سب ساغر
مرے خدا یونہی برسے گھٹا ہزار برس

مقابلے پہ اگر تیری پست ہے ہمت
تھمی ہوئی ہے مری چشمِ اشکبار برس

دلوں میں کچھ تو جمادات کے پڑے ٹھنڈک
نکل رہے ہیں ہر اک سنگ سے شرار برس

شبابِ حسن کی گرمی بڑھی ہوئی ہے بہت
دلوں کو شعلہ مزاجوں کے ہو قرار برس

گلوں سے بھر گئی ہیں جھولیاں چمن کی سب
نمو کا جوش ہے ہاں تو بھی بار بار برس

چمن ہو وسعتِ آبادیٔ جنوب و شمال
سوئے یمین برس گہ سوئے یسار برس

صدف ہو قلزمِ امواج میں کشادہ دہن
گہر فشاں ہو اب اے ابر قطرہ بار برس

پڑا ہے داغِ جگر میں دلمیں جیسے ہوں تازے
سرِ زمینِ گلستانِ لالہ زار برس

بڑھائے جوشش دل سبزی پہاڑوں کی
رواں ہو چادرِ بارانِ آبشار برس

چمک رہی ہیں تپِ غم سے بجلیاں دل میں
گھٹائیں غم کی اٹھیں ابرِ نوبہار برس

ترے کرم سے ہو بارانِ لطف ساقی بھی
قریبِ مسکنِ رندانِ میگسار برس

تجھے بھی جوش میں آوازِ رعد کہتی ہے
بھرا ہوا ہے مرے سر میں بھی خمار برس

نظر فریب بنا چوٹیاں پہاڑوں کی
بسوئے وسعتِ دامانِ کوہسار برس

نگاہ ساقی و مینائے مے کی صحبت ہے
بقدرِ ذوق تماشائیانِ یار برس

دکھاؤں جوشِ نہاں ابرِ جسم کا میں بھی
زمانہ دے مجھے مہلت جو پانچ چار برس

عزیز رشحۂ افکارِ نو سے ہیں سرخوش　　اگر ہو جوش تو اے ابرِ نو بہار برس

شمشیر سحر

پھٹا پڑتا ہے جوبن اسے بتا شمشیرِ سحر تیرا　　بلائیں لے رہی ہے سُرخ روئی تیری رنگت کی
کسی ہندو کا قشقہ ہے کہ محرابِ مسلماں ہے　　نشانی ہے عقیدت کی علامت ہے عبادت کی

تارہ

او شام سے فلک پر آکر چمکنے والے　　او راہ نوردِ عالم دم بھر نہ تھکنے والے
او تیز رَو مسافر تو کس قدر حسیں ہے　　صورت ہی پیاری پیاری اور حسن دلنشیں ہے
اعجازِ حق نما ہے یا کوئی رمزِ قدرت　　آخر مجھے بتا تو کیا ہے تری حقیقت
کیا چرخِ چنبری کا نورِ نظر کہوں میں　　چھوٹا سا ہے، قمر کا لختِ جگر کہوں میں
پُر نور تیرا رخ ہے روشن تری جبیں ہے　　تارہ ہے یا فضا میں رقصاں کوئی حسیں ہے
کیوں دور سے نمایاں تیری چمک دمک ہے　　تو رونقِ سما ہے تو زینتِ فلک ہے
جگنوں میں تجکو سمجھوں یا آگ کا شرارہ　　رہتا ہے رات بھر تو بے شبہ عالم آرا
کس دلربا سے سیکھا اندازِ دل نشینی　　کس حسنِ پُر ضیا سے کرتا ہے خوشہ چینی
کسکی چمک سے تو نے یہ نور لے لیا ہے　　کس مہر و ماہ سے تو نے کسبِ ضیا کیا ہے
کیا تیری آنکھ کو ہے فکرِ کرشمہ سازی　　کیوں جانبِ زمیں ہے محوِ نظارہ بازی
مانا حسیں ہے لیکن نخوت میں کھو نہ جانا　　سیمیں تنی پہ اپنی مغرور ہو نہ جانا
مغلوب تو نہیں ہے گو تابشِ قمر سے　　سورج کے آگے پنہاں ہو جائیگا نظر سے
افروختہ رہا ہے شب بھر شرر کی صورت　　چھپنا پڑیگا دن بھر تجکو نظر کی صورت
ہے رات بھر کی مہماں تیری نظر فریبی　　تنویرِ مہر زائل کر دے گی دیدہ زیبی
جب جان پر بن آئی سوزِ غمِ نہاں سے　　تو شعلہ بن کے ٹوٹا رخصت ہوا جہاں سے
ہیں موسمی تغیر وابستہ تیرے دم سے　　ہوتی ہیں کشت زاریں تازہ ترے کرم سے
غربت میں ہر مسافر کو راہ تو بتائے　　گم گشتہ راہ تجھ سے منزل کی راہ پائے
اس سطحِ نیلگوں پر چھٹکے ہوئے ستارو　　افشاں ہو، یا عروسِ شب کی جبیں کے تارو

یہ کہکشاں تمہاری چھوٹی سی انجمن ہے — ہر ایک رکن جس کا دنیا میں ضو فگن ہے
میں ہی فقط نہیں ہوں گرویدۂ کواکب — اک صغر سن جماعت بھی ہے تمہاری طالب
ہر روز شام ہی سے کرتے ہیں یاد بچّے — جب دیکھتے ہیں تم کو ہوتے ہیں شاد بچّے
مجھ غم نصیب کے بھی ہو غم شریک تم سب — گن گن کے تم کو میں نے کاٹی ہے ہجر کی شب
محوِ خیالِ جاناں رہتا ہوں رات بھر میں — ہو جاتی ہے سحر بھی تھکتا نہیں مگر میں
ہے شانِ حُسنِ دلبر کچھ تم سے آشکارا — میری نظر سے پنہاں ہونا نہ تم خدارا
تم آسماں نشیں ہو میں مجمرہ نشیں ہوں — تم انجمِ فلک ہو میں اخگرِ زمیں ہوں
لیکن سحاب سے اب مجبور ہو گئے تم — بادل جو گھر کے آیا نظروں سے کھو گئے تم
روشن تھا تم سے عالم اب ہو گیا اندھیرا — پھیلی رہے گی ظلمت جب تک نہ ہو سویرا
کالی گھٹا سے ظلمت دنیا پہ چھا رہی ہے — سو جاؤ پڑ کے محوی اب نیند آ رہی ہے

بچّہ اور ہلال

رنگیں ادا ہیں دونوں رنگیں جمال دونوں — نورس ثمر ہیں دونوں اور نونہال دونوں
بچے ابھی اگرچہ ہیں خورد سال دونوں — بڑھکر کریں گے اکدن کسبِ کمال دونوں

آ مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

چھوٹی سی کیا ہی دلکش ہے یہ کمان تیری — مجھکو پسند دل سے ہے آن بان تیری
پر یہ نہیں رہے گی بچپن کی شان تیری — دو چار دن کی طفلی ہے میہمان تیری

آ مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

تو بڑھ کے بدر ہوگا جس طرح آسماں پہ — ڈالے گا اپنی کرنیں اس تیرہ خاکداں پر
میرا شباب یونہی آئے گا عنفواں پر — شفقت کا نور میں بھی برساؤں گا جہاں پر

آ مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

ننھے سے او کھلاڑی او آسماں کے ساکن — آ کھیل لیں کہ دونوں بچے ابھی ہیں کمسن
دو چار دن کے مہماں ہیں کھیل کود کے دن — پیری ہیں دونوں لے ہیں طفلی ہے غیر ممکن

آ مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

کشتی اتار لاؤں چھوٹی سی آسماں سے — ایسا کہاں کا اونچا ہے تو مرے مکاں سے
ہوں تیر چھوڑنے کو مضطر، تری کماں سے — تیرے لیے تڑپتا ہوں میں غم نہاں سے
آ مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

یارب! نہ چشم بد سے پہنچے گزند تجھکو — ہو شام کی سیاہی دود سپند تجھ کو
گردوں کرے بڑھاکر بالا بلند تجھکو — ہاں کون سے کھلونے ہیں دلپسند تجھکو
آ مل کے ساتھ کھیلیں ہم تم ہلال دونوں

سرور

ستاروں کی جھول

بارے خدا کے ہاں بھی تکلف قبول ہے — پیل فلک نے ڈالی ستاروں کی جھول ہے

آزاد

برکھا رُت

اُٹھ ساقی برکھا رُت آئی — بجلی چمکی بدلی چھائی
پانی برسا بادل گرجا — پڑے ہیں جھولے باغیں ہر جا
اُڑیں ملاریں گرجے ہنڈولے — گائیں سکھیاں پپیہے بولے
رات کو جھینگر پھونکے نفیری — دن کو ساون گائے بھنبیری
کہیں پوربیئے آلھا گائیں — جھولے ڈالیں پینگ لگائیں
اپنے رنگ میں سب متوالے — گجری گائیں بنارس والے
چمک رہا ہے سارا جنگل — سارے درخت ہیں تا ڑا منڈل
اگلا جھولے بگلا جھولے — کریا ماس کریلا پھولے

عدیل کنتوری

بارش

ابر تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی — تھی زمیں پہنے ہوئی وردی ہری بانات کی
آفتاب اوڑھے ہوئے تھا چادر ابر سیاہ — برق کی چشمک زنی سے خیرہ ہوتی تھی نگاہ
بادل اتنے میں دُرِ ناسُفتہ برسانے لگے — داستان قلزم و عمان دُہرانے لگے
جھوم کر اُٹھی گھٹا برسی برس کر چھٹ گئی — گرد کی چادر زمیں کے مُنہ سے فوراً ہٹ گئی
بادلوں سے نور خورشید اسطرف چھننے لگا — سائباں قوس قزح کا اس طرف تننے لگا

سبزہ زاروں میں کلیلیں کرتے پھرتے تھے ہرن — تھا مہا بن کا ہر اک گونا ختن اندر ختن

جنگلوں میں مست ہو کر ناچتے پھرتے تھے مور — کوہساروں میں چکوروں نے مچا رکھا تھا شور

ڈھل کے پہنچا تھا اُفق کے آسماں تک آفتاب — تھی شفق کی اُسکے مُنہ پر ایک نارنجی نقاب

یہ نظر آرا مناظر تھے کچھ ایسے دلفریب — ہاتھ سے جاتا رہا دل میرا اور دل سے شکیب

عالم از خود رفتگی کا مجھ پہ طاری ہو گیا — جوش مستی کا مری ہر رگ میں ساری ہو گیا

ابر کرم

چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر — اور اُٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر

بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی — سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی

آتی اِدھر صبا ہے اُدھر سے نسیم بھی — اور اُنکے ساتھ ساتھ ہی آتی شمیم بھی

مستی میں جھومنا وہ جوانانِ باغ کا — جھک جھک کے لینا ہاتھ سے گل کے ایاغ کا

سبزہ کے عکس سے در و دیوار سبز سبز — سیراب باغ و دشت تو کہسار سبز سبز

اِن سبز سبز کیاریوں پر دل ہیں ٹوٹتے — طوطے برنگ طائرِ سنبل ہیں لوٹتے

شبنم عجب بہار ہے اپنی دکھا رہی — موتی بکھیرتی ہے جواہر لٹا رہی

پتوں پہ آب و رنگ سے مینا نگار ہیں — ٹپکیں اگر ہوا سے تو ہیرے کا ہار ہیں

لو بادل اب گرجتے ہوئے سر پہ آگئے — اور شامیانے شرق سے تا غرب چھا گئے

کیا مست آیا جھوم کے سرشار ابر ہے — برسیگا آج خوب دھواں دھار ابر ہے

لیکن یہ باجرا سا برسنا پھوار کا — ہیگا پیام ابر بہاری کے تار کا

بوندوں میں جھومتی وہ درختوں کی ڈالیاں — اور سبز کیاریوں میں وہ پھولوں کی لالیاں

وہ ٹہنیوں میں پانی کے قطرے چھلک رہے — وہ کیاریاں بھری ہوئیں تھالے چھلک رہے

آب رواں کا نالیوں میں لہر مارنا — اور روئے سبزہ زار کا دھو کر سنوارنا

گرنا وہ آبشار کی چادر کا زور سے — اور گونجنا وہ باغ کا پانی کے شور سے

جل تھل ہیں کوہ و دشت ہیں تالاب آب کے — گویا چھلک رہے ہیں کٹورے گلاب کے

ہر شاخ پہ طائران چمن غول غول ہیں — آپس میں بول بول کے کرتے کلول ہیں

شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد

شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب آزاد مرحوم

مولانا مرحوم کے سوانح قلمبند کرنے کیلیے تو ایک دفتر درکار ہے مجملاً یہ کہ مولانا مرحوم ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے ۔ والدین کا انتقال ہو گیا تو مولانا باقر شہید نے پرورش کیا تعلیم کے ابتدائی مراحل گھر ہی پر طے کئے ۔ پھر دہلی کالج میں داخل ہوئے ۔ مولانا ذکاء اللہ و نذیر احمد کے ہمدرس تھے ۔ مولانا ابراہیم صاحب ذوق سے تلمذ تھا ۔ اکثر ان کی خدمت میں رہتے تھے ۔ دیوان ذوق سے خاص شغف تھا ۔ ذوق کو بہت عزیز رکھتے تھے تعلیم سے فارغ ہو کر مختلف سرکاری ملازمتیں کیں ۔ حتیٰ کہ گورنمنٹ کالج میں پروفیسر ہوئے شمس العلماء کا خطاب ملا ۔ پنجاب میں اردو کو ترقی مولانا کی ذات سے ہوئی متعدد مفید کتابیں تصنیف فرمائیں ۔ جیسے دربار اکبری ۔ آبحیات نگارستان فارس وغیرہ مولانا آزاد بحر علم کے ناپیدا کنار تھے ۔ آخر عمر میں آپکی حالت مجذوبانہ ہو گئی ۔ اس حالت میں بھی سلسلہ تصنیف برابر جاری رکھا ۔ ۱۹۱۰ء میں آپکا انتقال ہوا تاریخ انتقال میں مولانا حالی فرماتے ہیں ؎

تاریخ جو پوچھے تو یہ کہدو اے حالی
افسوس ہوا خاتمہ اردو کے ادب کا

کوئل کا دور دور درختوں پہ بولنا — اور دل میں اہلِ درد کے نشتر چبھولنا

طاؤس کا وہ دم کو چھوڑ کر کے ناچنا — اور مورنی کا اشک کے موتی کا جانچنا

لیکن چمن سے ناچ کے چپتا جو مور ہے — اک قہقہے پہ طنز لگاتا چکور ہے

املی کے اک درخت پہ جھولا پڑا ہوا — اور ساتھ اُس کے آم کا ٹپکا لگا ہوا

جھولوں میں نوجوان ہیں پینگیں چڑھا رہے — اور بیچ آم کے ہیں پپیہے بجا رہے

ساون کے گیت اُبھارے طوفاں و لوٹیں ہیں — پردیسیوں کی یاد سے ارماں لوٹیں ہیں

پھر مجکو رشک ہے اُسی مستِ مدام پر — جس کی یہ میکشی نہیں موقوف جام پر

مستانہ بن میں رکھتا ہے دیوانہ طور بھی — مستانے ساتھ رکھتا ہے دو چار اور بھی

سبزہ پہ لوٹتا ہے دماغ آسماں پہ ہے — اور دمبدم یہ مطلعِ موزوں زباں پہ ہے

یوں پھوٹ کر جو نہی گل و ریحاں نکل پڑے — کیا جانے کن دلوں کے ہیں ارماں نکل پڑے

دنیائے مریخ

گو ہے اے مریخ! کہنے کو تو جادِ فلک — لوگ تجھکو جانتے ہیں ایک تارا آج تک

اپنی دنیا سے تری ہم دیکھا کرتے ہیں جھلک — دیکھنے سے تیرے اکثر آنکھیں جاتی ہیں جھپک

یہ نہیں معلوم تھا تو عالمِ انسان ہے

تیرے سر بھی ایک مخلوقات کا احسان ہے

تیرے دم سے بھی ہے قائم ایک دنیائے حیات — تجھ میں بھی پائی گئی ہیں ایک عالم کی صفات

جانداروں سے بھی ہیں آباد تیرے سب جہات — بستی ہے آغوش میں تیری بھی اچھی کائنات

پیٹ میں کیا گن بھرے ہیں تیرے کیا ہشیار ہو

آج یہ عقدہ کھلا ہے تو بھی دنیا دار ہے

برف بھی گرتی ہے تجھ میں ابر بھی ہے دُرفشاں — رات دن اور فصلِ موسم کا بھی ملتا ہے نشاں

باغ بھی ہیں کھیت بھی ہیں تجھ میں اے فخرِ جہاں — مونگ دلتا ہے تری چھاتی پہ بھی ہر انساں

تیرے دنیا والے رنج و عیش کے خوگر بھی ہیں

بادشہ بھی ہیں رعایا بھی ہیں اور لشکر بھی ہیں

ساکنانِ عالمِ مریخ! کچھ کھولو زباں — یا اشاروں ہی میں ہونگی رمز کی باتیں عیاں
ہم سے لاکھوں میل اوپر ہیں تمہاری بستیاں — ورنہ ہم تم ایک ہی ہستی کا دیتے ہیں نشاں

ہم بھی اک دنیائے سیارہ کے رہنے والے ہیں
ہم بھی اک تاریک آبادی میں بسنے والے ہیں

یہ نئی صنعت کی بیلون، اور ہوائی کشتیاں — تم سے ملنے کیلئے ہم نے بنائی ہیں یہاں
تاکہ تم سے ملکے دیکھیں ہم تمہاری بستیاں — صنعتیں دیکھیں تمہاری اور تمہاری کھیتیاں

رخصتِ نظارہ دیجئے تم سے غمخواروں کو اب
ہم بھی آتے ہیں اُڑتے اپنے غباروں کو اب

ابر کی آمد

لہرا دیا صبا نے جو کل سبزہ زار کو — وہیں گھٹا نے گھیر لیا چشمہ سار کو
جوش و خروش رعد نے یہ دھوم دھام کی — ہرگز کوئی کسی کی نہ پہنچا پکار کو
بجلی تڑپ تڑپ کے دکھانے لگی چمک — رونق ہوئی دوچند ہر اک برگ و بار کو
کچھ کہہ رہا ہے ابر سپید و سیاہ و سرخ — مستانہ جھوم جھوم چلے کوہسار کو
ہم مشرب اپنے چند جواں تھے سو نہر پر — تشریف لے گئے وہ بتوں کے شکار کو

مناظر ارضی

سندھ کو پیغام

اے رودِ کرم! کیجیو پیغام رسانی — جب دور سے آجائے نظر سندھ کا پانی
جو کچھ کہوں بشد اُسے یاد سے کہنا — حسرت بھری آواز سے فریاد سے کہنا
کہنا کہ مسافر کوئی آوارۂ غربت — دیتا تھا سلام اور یہ کہتا تھا بہ حسرت

اے آب اباسیں کہ بہ صد موج رواں ہے
معلوم ہے تجھکو ترا شیدائی کہاں ہے

با چاک گریباں وہ کہیں خاک بسر ہے — مشغول تری یاد میں با دیدۂ تر ہے

آتے ہیں اُسے یاد ترے سبز کنارے — بیچارے کی آہوں سے نکلتے ہیں شرارے
وہ سبزۂ ساحل کا ترے نرم بچھونا — ساون میں ترا زیرِ شجر چین سے سونا
ساون کی گھٹاؤں کا وہ پھر جھوم کے آنا — وہ ناچنا موروں کا، پرندوں کا وہ گانا
طفلی وہ مری اور وہ معصوم ترنگیں — اے وائے وہ دل خوش کن و موہوم اُمنگیں

وہ کھیلنا میرا تری امواج سے دن بھر
وہ چھیڑ میری بُلبلے کے تاج سے دن بھر

خورشید جہانتاب کا وہ چھپ کے نکلنا — محروم کا وہ شوق میں بستر سے اُچھلنا
نورانی دوپٹے میں کرن کا وہ نکھرنا — سونا رہے اُس کا وہ عروسانہ اترنا
تعظیم میں اُسکی وہ تری ناصیہ سائی — اور ذوقِ تمنا میں وہ آغوش کشائی

وہ چھیڑنا اُس کا تجھے اور آکے نہانا
اے سندھ وہ تیرا اُسے چھاتی سے لگانا

کیا خوب تھے برسات میں قدرت کے تماشے — کثرت سے دکھائے مجھے وحدت کے تماشے
وہ کون سا قطرہ تھا جو ہستی کو مٹا کے — آگاہ نہ کرتا گیا اسرار بقا سے

پھرتا ہوں اسی خواب پریشاں میں ابھی تک
نقشے ہیں وہی دیدۂ حیراں میں ابھی تک

اے آہ وہ بجروں کی روانی کے نظارے — بھولیں گے نہ مجکو کبھی پانی کے نظارے
ملاحوں کے ہیں گیت مجھے یاد ابھی تک — چُپکے سے ہے گاتا دلِ ناشاد ابھی تک

قابو سے نکل کشتی کا گرداب میں آنا
ملاح کی عورت کا کنارے پہ وہ گانا

اللہ بچالے میرے اللہ بچالے — عاجز ہوں میں سب کچھ ہے مرا تیرے حوالے
اے ورطۂ خونخوار یہ بیداد نہ کرنا — اے میرے خدا مجکو تو برباد نہ کرنا
ہاں المدد اے حضرتِ الیاسؑ بچانا — بیکس ہوں، بچانا، ہے تری آس، بچانا
کس گوشے میں سوتی ہوائے پورب کی ہواؤ — پہنچو مری کشتی کو کہیں آج بچاؤ

تقدیر نے کشتی جو پھنسائی ہے بھنور میں
کشتی مری امید کی آئی ہے بھنور میں

دھوپ چھاؤں

دھوپ نے چھاؤں سے اک دن یہ کہا شوخی سے   بہن کچھ دیکھے ہیں دنیا میں کرشمے میرے
سارے اشجار ہیں انسان کے ممنون میرے   باغ اور کھیت ہیں سب میری بدولت جیتے

میں نہ ہوتی تو کہاں شوق تماشہ ہوتا
حسن ہوتا نہ کوئی چاہنے والا ہوتا

خوشنما پھولوں کی گلکاری اور آبشاراں   باغ اور راغ چمن اور عجائب بستاں
دوپہر، شام، سہ پہر اور سویرے کا سماں   رہتے نظروں سے ہر اک شخص کی یہ سب پنہاں

میری ہستی سے جہاں والوں کی جاں بخشی ہے
میں ہوں معدوم تو ان لوگوں کی کم بختی ہے

موسمِ سرما میں جو پڑتے ہیں کڑکتے جاڑے   وقت وہ ہوتے ہیں لوگوں کو نہایت گاڑھے
جتنی ہوں دردِ شریک آتی ہوں ان کے آڑے   فتح و نصرت کے ہیں بس جھنڈے جہاں میں گاڑے

مرد اعضا کو غریبوں کے ہے گرمی ملتی
اینٹھے جوڑوں سے انھیں مجھ سے ہی نرمی ملتی

میرے آگے نہ جھکیں جن و بشر کیا معنی   میرے مغلوب ہوں تیغ و تبر کیا معنی
میرے آگے نہ پڑے ماند قمر کیا معنی   دل میں اترے نہ مرا تیر نظر کیا معنی

مجھ پہ عاشق نہ کوئی دیکھ کے ہوئے کیا خوب
قیس لیلٰے کے لیے ہوش نہ کھوئے کیا خوب

ایک میں آپ کہ کوئی بھی خریدار نہیں   آپ کی نرگسِ بیمار کا بیمار نہیں
بس چلو بیٹھو بھی گرم آپ کا بازار نہیں   میرے ہیں لاکھ مگر آپ کا اک یار نہیں

تم جہاں میں ہو فضول اور ہو بالکل بے سود
سچ کہو بہن کہ کس کام یہ آئے گا وجود

چھاؤں بولی، ذری ٹھنڈی ہو، ہوا غصہ دور — اتنی ہو جائیے آپے سے نہ یکدم باہر
ٹھیکری آنکھ پہ رکھ لو تو نہ کچھ آئے نظر — ورنہ ہر سو ہے مرا حسن ضیا جلوہ گر

ایک موجود ہے ہر روز خریدار نیا
میری اس چشم کا ہر روز ہے بیمار نیا

آپ سے گرمی میں ہر شخص ہے نالاں رہتا — سر میں ہے درد بدن سے ہے پسینہ بہتا
آپ کو اپنا پرایا ہے بُرا ہی کہتا — آپ کے جور و جفا ہے ہر اک انساں سہتا

دفع امراض میں مجھ کو دم عیسےٰ سمجھو
خود پسندی میں ہو تم سست مجھے کیا سمجھو

نازنینوں کو ہی جاڑے میں بھی کچھ آپ سے عار — سرد موسم میں بھی تم دیتی ہو اُن کو آزار
اُن سے گر راہ میں ہو جائے کہیں تم سے دوچار — چھتریاں کھولتے ہیں ہوتے ہیں آ کر لاچار

گوری ہو آپ مگر کالا بنا دیتی ہو
رشک سے غیر کی خوبی کو جلا دیتی ہو

دھوپ نے جب یہ سنا آگ بگولا ہو کر — بولی کیا بکتی ہے کیا کرتی ہے زیادہ ٹر ٹر
مُنہ پہ پوڈر بھی مَلا پھر بھی رہی ہو گھوتر — آئینہ دیکھ، مری بعد کو بنیو ہمسر

کالا مُنہ، کالا بدن، کالا لباس خاکی
وہ کہا کرتے ہیں کس برتے پہ تتا پانی

چھاؤں بولی کہ بہن غصے نہ ہو معاف کرو — کالی رنگت سے ذرا ایسی خدارا نہ ڈرو
خال کالا رخ جاناں پہ نہ ہو تو سمجھو — حسن کچھ چیز نہ ہو عشق سے کچھ کام نہ ہو

دھوپ اور چھاؤں کا جھگڑا نہ ہوا ختم مگر
ابر نے دونوں کو پرچا کے نکالا پرچم

بڑے دن کی بڑائی

وہی پرانا وہی بڑا دن — وہی بکھیڑے بھرا ہوا دن
وہی زمین اور وہی زمانہ — وہی قبیلہ وہی گھرانہ

وہی ترنم وہی ترانے — وہی ہیں گانے وہی دوگانے
وہی فلک ہے وہی قمر ہے — وہی شجر ہے وہی ثمر ہے
وہی مشقت وہی ریاضت — وہی محبت وہی عداوت

کہاں کا آیا بڑا نیا دن
جس سے اُسکو کہیں بڑا دن

وہی پتنگ ہیں وہی سموسے — وہی کنار اور وہی ہیں بوسے
وہی تو پھول ہیں وہی ہیں ڈالی — وہی ہیں میوے وہی ہیں مالی
وہی مٹھائی وہی مربا — وہی ہیں اماں وہی ہیں ابا
وہی قمیص اور وہی ہے سایا — وہی باورچی وہی ہیں آیا
وہی گاڑیاں وہی ہیں گھوڑے — وہی جواہر وہی ہیں جوڑے

بڑائی کیونکر یہ پا گیا دن
کہ لوگ کہنے لگے بڑا دن

جواب

یہ سب بجا ہے یہ سچ کہا ہے — مگر یہ دنیا عجب سرا ہے
فلک کے نیچے کوئی نئی شئے — نہیں ہے اسے مہرباں نہیں ہے
مگر یہ تقریب کے زمانے — یہ دل بڑھانے کے ہیں بہانے
ہے ان دنوں میں حضور دنیا — ثواب عقبےٰ سرور دنیا
نہیں جو دنیا میں سچی راحت — تو ایسی راحت بھی ہے جراحت
یہ دن مسیحا کے آنے کا ہے — یہ ماننے اور منانے کا ہے

وہی پرانا مگر نیا دن
اگرچہ چھوٹا مگر بڑا دن

نوید صبح

آتی ہے مشرق سے جب ہنگامۂ دامن سحر — منزل ہستی سے کر جاتی ہے خاموشی سفر

محفلِ قدرت کا آخر ٹوٹ جاتا ہے سکوت — دیتی ہے ہر چیز اپنی زندگانی کا ثبوت
چہچہاتے ہیں پرندے پا کے پیغامِ حیات — باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرامِ حیات

مسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ نکل آئی سحر گرمِ تقاضا تو بھی ہو

دورۂ عالم میں رہ پیما ہو مثلِ آفتاب — دامنِ گردوں سے ناپید ابھی ہیں داغِ سحاب
کھینچکر خنجر کرن کا پھر ہو تو گرمِ ستیز — پھر سکھا تاریکیٔ باطل کو آدابِ گریز
تو سراپا نور ہے زیبا ہے عریانی تجھے — اور عریاں ہو کے زیبا ہے خود افشانی تجھے

ہاں نمایاں ہو کے برقِ دیدۂ خفاش ہو
اے دلِ کون و مکاں کے راز مضمر فاش ہو

"کیا ہے"

ذرا زمین و یسار دیکھو کہ صنعت کردگار دیکھو — چمن کے نقش و نگار دیکھو عمارت کوہسار دیکھو
یہ دشت دیکھو دیار دیکھو یہ بحرِ آئینہ وار دیکھو — ہواؤں کے راہوار دیکھو ہیں بادل انپر سوار دیکھو
ستارے جو زیبِ آسماں ہیں فضا میں ہر سو چمک رہے ہیں — یہ بحر میں گویا کشتیاں ہیں کبھی یہاں ہیں کبھی وہاں ہیں
شفق ہی کیا اور اُفق ہے کیسی ہیں کیسے دلچسپ نظارے — یہ آسماں کیا ہے اور کیا ہیں یہ ماہ و خورشید اور ستارے
طلوع ہو کر غروب ہو کر ہمیشہ کرتے ہیں کیا اشارے — خبر ہیں کس بندگی پہ اور مطیع فرماں ہیں کسکے سارے
کوئی تو سمجھا ہے ان کو حادث کسی کو کچھ اور ہی گماں ہے — کسی کے لب پر ہیں چناں چنیں تو کوئی انگشت در دہاں ہے
شجر پُر از برگ و بار کیا ہے حجر میں پنہاں شرار کیا ہے — چمن میں صورت ہزار کیا ہے یہ لالۂ داغدار کیا ہے
یہ سبزہ یہ آبشار کیا ہے یہ نکہتِ مشکبار کیا ہے — یہ لیل کیا ہے نہار کیا ہے خزاں ہے کیا اور بہار کیا ہے
ہے شہرۂ نزدیک و دور اسکا ہر ایک شی سے ظہور اسکا — ہے عیب اسکا قصور اسکا ہے مستقبل اسکا دور اُس کا
کہاں سے ہر شی نے پائی خلقت کہاں سے ہر شی میں آئی فطرت — ہے شعلۂ نار میں حرارت تو قطرۂ آب میں طراوت
ہے عرض کیا اور کیا ہے جوہر گہر ہے کیا کیا ہے آبِ گوہر — نظر ہے کیا اور کیا ہے منظر عیاں ہے کیا اور کیا ہے مضمر
یہ صاحبِ تخت عزوشاں ہے تو اسکو تشویش و فکرِ ناں ہے — جو محفلِ ناؤ نوش واں ہے تو عبرت انگیز یاں سماں ہے
کہیں تو بے معنی رواں ہے کہیں پڑا کوئی تشنہ جاں ہے — کوئی تو نو واردِ جہاں ہے تو کوئی دم بھر کا میہماں ہے

نمونۂ فن ہو سی

گر اب آیا ہے وہ زمانہ وہی ہے فرزانہ اور دانا — کہ جس نے خالق حکیم احاکم زمانہ مانا خدا نہ مانا

تعریف محل

کوٹھی وہ مرتفع بنائی — کی جسے فلک سے جبہ سائی

وہ طرز جدید اور وہ اسلوب — جو اہل نظر کو دل سے مرغوب

گو دہر میں سیکڑوں مکاں ہیں — ایسے خوش قطع پر کہاں ہیں

وسعت قلب سخی سے بڑھکر — رفعت میں ہے آسماں سے ہمسر

محرابوں نے حسن ایسا پایا — محجوب ہی جس سے طاق کسریٰ

جو کمرہ ہے لاجواب ہے وہ — جو غرفہ ہے انتخاب ہے وہ

نادر اسباب وہ لگایا — شاہوں کے بھی ہاتھ جو نہ آیا

باندی فانوس جھاڑ ہر رنگ — بلور کے خوشنما و خوشرنگ

گرمی

وہ لو وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب — کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب

خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب — خیمے جو تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب

اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا

کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

آب رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور — جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر ادھر

مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر — خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں

پڑجائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار — اک اک درخت جل رہا تھا صورت چنار

ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار — کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخ باردار

گرمی نہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے

پتے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ مُنہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گماں
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں
تہ میں تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں

پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تابِ تپ کی تاب
چھپنے کو برق چاہتا تھا دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کا اضطراب
کافورِ صبح ڈھونڈتا پھرتا تھا آفتاب

بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر میں

وہ گرمیوں کے دن وہ پہاڑوں کی راہ سخت
پانی نہ منزلوں نہ کہیں سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینوں میں ہیں غازیوں کے رخت
سنولا گئے ہیں رنگ جوانانِ نیک بخت

راکب عبائیں چاند سے چہرے پہ ڈالے ہیں
توسنے ہوئے سمند زبانیں نکالے ہیں

وہ دن ہیں جن دنوں کوئی کرتا نہیں سفر
صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
رنج و مسافرت میں ہیں سلطان بحر و بر
لب برگ گل سے خشک ہیں چہرہ عرق میں تر

آتی ہے خاک اڑ کے یمین و یسار سے
گیسوئے مشکبار اٹے ہیں غبار سے

کشمیر

اے کاشمیر! تو چمن بے نظیر ہے
شیدا تیرا جوان کی صورت میں پیر ہے
تجھ پر ازل سے فضل خدائے کبیر ہے
جسکو لگی ہے لَو تری روشن ضمیر ہے

ہے آرزوئے دل کہ تری آرزو کریں

جبتک زبان ترہے تری گفتگو کریں

جو ہے ہزار جان سے تجھپر نثار ہے — گل سے عزیز ہم کو ترا خار خار ہے

سرتاج دہر ہند کا تو افتخار ہے — رنگین تجھ سے یہ چمن روزگار ہے

مدت سے اشتیاق ہے اک بار دیکھ لیں

بلبل ہیں چشم شوق سے گلزار دیکھ لیں

اب کرتے آئے ہیں تری توصیف اور ثنا — تیری زمیں ہے زیر فلک شان کبریا

دیکھا نہیں ہے آنکھ سے کانوں نے ہے سُنا — ہے یہ شنید دید سے بھی معتبر سوا

اب کچھ ہو پہلے تو چمن بے مثال تھا

کیا حال سے غرض ہی یہ ماضی کا حال تھا

فرش زمیں کا عرش سے پایہ بلند تھا — ہر قصر شکل بام مسیحا بلند تھا

شمشاد باغ شاید بالا بلند تھا — ذرّوں کا مہر سے بھی ستارا بلند تھا

آب و ہوا کا حکم جو تھا زمہریر کا

بازار سرد رہتا تھا مہر منیر کا

ہر نخل شکل نخل تمنّا ہرا بھرا — ہر گل مراد سے بھی بڑھکے جانفزا

ہر غنچہ غنچۂ دل احباب باوفا — ہر خار خار دیدۂ بدبیں پُر دغا

ہر کوہ کاشمیر کا کوہ وقار تھا

ہر چشمہ چشمۂ کرم کردگار تھا

چشم وفا کا نرگس بیمار پر گماں — سادہ رخوں کی پھولوں میں رنگیں مزاجیاں

بحر عطا کی طرح ہر اک نہر تھی رواں — آزادیٔ وطن تھی ہر اک سرو سے عیاں

کس جوش سے پہاڑ کے چشمے اُبلتے ہیں

اہل وطن کے ولولے دل سے نکلتے ہیں

ہر سرو میں بلندی ہمت انہیں کی تھی — ہر نہر میں صفائی طبیعت اُنہیں کی تھی

ہر گل میں رنگ و بوئے محبت انہیں کی تھی ہر غنچہ کی زباں پہ بریت انہیں کی تھی
موجِ صبا مسیح نفس انکے دم سے تھی
کشتِ امید سبز انہیں کے کرم سے تھی

ہے سیر برف کی وہی بالائے کہسار جاری ہیں ہر طرف سے وہی اب بھی آبشار
کوسوں تلک وہی ہیں شجر ہائے میوہ دار گلزار میں وہی گل و نسرین کی بہار
بلبل وہی ہیں گل ہیں وہی بوستاں وہی
نہریں وہی ہیں سرو وہی قمریاں وہی

دریا وہی ہیں دشت وہی ہیں جبل وہی سبزہ کنار جو ہے وہی اسیر ڈل وہی
گردوں پہ مہر و ماہ و سُہا و زحل وہی روئے زمیں پہ شہر و مکان و محل وہی
آب و ہوا وہی ہے مرے کاشمیر کی
سردی وہی ہے خطۂ جنت نظیر کی

سب کچھ وہی ہے حیف مگر وہ بشر نہیں وہ اہلِ دل نہیں ہیں وہ اہلِ نظر نہیں
کان و صدف وہی ہیں پہ لعل و گہر نہیں باغ و چمن وہی ہیں پہ گلہائے تر نہیں
قالب ہیں دیکھنے کو پہ قالب میں جاں نہیں
نامِ وطن ہے حُبِّ وطن کا نشاں نہیں

کیا آجکل وطن کی ہے حالت نہ پوچھیئے کیا کیا پڑے ہیں رنج و مصیبت نہ پوچھیئے
جہل و نفاق و کبر کی حالت نہ پوچھیئے کشمیریوں کی گردشِ قسمت نہ پوچھیئے
جنت میں بھی عذابِ جہنم اُٹھاتے ہیں
اعمال بد ہیں اُنکے سزا اُسکی پاتے ہیں

گلزار میں بھی وحشت کا رنگ ہے صبحِ وطن میں شامِ غریبی کا ڈھنگ ہے
جو ہے وہ آج دستِ زمانہ سے تنگ ہے کشتِ امید موردِ بارانِ سنگ ہے
آوارہ آرزوئیں ہیں مانندِ گردِ راہ
کشتیٔ قوم موجِ تلاطم میں ہے تباہ

پنڈت بشن نا

دریائے بیاس

آ رہا ہے کس لیئے یہ شور و غل کہسار سے
یہ بیاسا جا رہا ہے دُھن میں بارا مار سے

کس لیئے سینے میں تیرے بیقراری ہے بتا؟
کیا جدائی ہو گئی ہے۔ تجکو تیرے یار سے

ہے تموج سے ترے پایان مستی آشکار
آگہی تجکو نہیں ہے میرے حالِ زار سے

اک طرف جاتا ہے تو، اور لوٹ کر آتا نہیں
ہے مناسب میں سبق سیکھوں تری رفتار سے

میری پیہم محنتوں میں کوئی شے حائل نہو
مستقل میرے ارادے ہوں اسی ہنجار سے

کوہ کو چشمک دکھاتا ہے تو اپنے حلم سے
شان ہے تیری بڑی گر گوہرِ شہوار سے

کوہ بھی مستی میں اپنی کم نہیں ہے اے بیاس
شعلۂ جوالہ دکھلاتا ہے مجکو پیار سے

تجھ میں اور جوالہ میں ہے قدرتِ حق آشکار
آب و آتش دونوں جلوے ہیں یہ پراسرار سے

مثلِ گل شاداب و خنداں تھا میں باغِ دہر سے
چولی دامن کا ہے لیکن ساتھ گل کو خار سے

ایک ہی قانون کے تابع ہے یہ سارا جہاں
راحتِ عالم نہیں خالی کبھی افکار سے

پیش اللہ رنج و اندوہ و تعب الغیاث
در سے سائل ہوں دیکھیں کیا ملے سرکار سے

ایک وہ دن تھا کہ میں تھا مثلِ دریا موجزن
ایک یہ دن ہے کہ ہوں میں غرقِ دریائے محن

آج پھر کشتی پہ بیٹھے چلا جاتا ہوں میں
موجِ دریا کے تماشے دیکھتا جاتا ہوں میں

بحرِ بے پایاں ہے تو سینے میں مجھ سے مرے
سرد پانی کے تماشے دیکھتا جاتا ہوں میں

لیکن طاقت کہاں تجھمیں بجھا دے میری پیاس
یاس و حسرت لیکے پھر الٹا چلا جاتا ہوں میں

عافیت سے کی تھی اب تک تیرے یم ہستی کی سیر
جوشِ طوفاں کے نشاں دریا میں اب پاتا ہوں میں

واہ کیسی جائے عبرت ہے تو اے رود بیاس
غرقِ بیچونِ غم و حسرت ہوا جاتا ہوں میں

الغرض اب سماں ہے اک بلا کا حادثہ
دیکھکر جبروتِ خالق سر کو نہوڑاتا ہوں میں

میرے دل کو ہے سدا لاتقنطوا کا آسرا
ہے یہی ڈھارس مجھی گو خونِ دل کھاتا ہوں میں

بعد تنگی کے فراخی ہے بہ فرمانِ خدا
اس مکرر حکم سے اب دل کو بہلاتا ہوں میں

جو کرے خالق ہمارے حق میں بہتر ہے وہی
سمجھو اسکو ہند والو تم کو سمجھاتا ہوں میں

ناظر رضی

نو گرفتارم نیم آگاہ از جور زباں
مے کند بر حال من گریہ زمین و آسماں

نندیم

عجیب منظر

آم کے پیڑوں سے رہتے کوہ ہی سارا ڈھکا ۔۔۔ پکے آموں سے لدی ہیں ڈالیاں رشک چمن
زرو رنگت پر پڑیگا آپ کا عکس سیاہ ۔۔۔ جیسے گورے گورے پستاں پر سیاہی خوش‌نگن
بستیاں ہیں دیوتاؤں کی سربالائے کوہ ۔۔۔ شاد ہونگے آپکے دیدار سے سب مرد و زن
قصر عالیشان کرتے ہیں فلک سے ہمسری ۔۔۔ ہر گھڑی چلتی ہے اتراتی ہوئی باد صبا
اس طرف سے اُس طرف کو پھر رہتے ہیں مدام ۔۔۔ بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہمراہ ہوا
بوندیوں سے دُھل گئے ہیں قصر کے نقش و نگار ۔۔۔ کانپتے ہیں خوف کے مارے، ہوئی سرزد خطا

عاشق

پہاڑ کا منظر

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائے خوشگوار ۔۔۔ زندگانی بخش ابر کوہسار
کیا لکھوں کیفیت خوش سبزہ زار ۔۔۔ کیا لکھوں گلہائے خودرَو کی بہار
مینہ کے قطرے بن کے دُرِ شاہوار ۔۔۔ ہو رہے ہیں قدرتِ حق پر نثار
لے گیا دل سبز رنگ اشجار کا ۔۔۔ حُسن دلکش اور جوبن کا اُبھار
لالہ رویانِ جہاں کو چھوڑ کر ۔۔۔ کر تماشائے جہانِ لالہ زار
قدرتوں میں ندرتیں ہیں جلوہ گر ۔۔۔ ندرتوں میں سیکڑوں نقش و نگار
دیکھکر گلہائے رنگا رنگ کو ۔۔۔ یاد آتا ہے خدائے کردگار
کوہ کے اِس سلسلہ کو دیکھکر ۔۔۔ معرفت کا بندھ گیا ہے ایک تار
شوکت و اجلال باری دیکھ کر ۔۔۔ خوف سے روتی ہے چشم آبشار
سنگ کا دل بہ رہا ہے پھوٹ پھوٹ ۔۔۔ کہہ رہا ہے یہ بچشم اشکبار
خوف سے شق ہو گیا سینہ مِرا ۔۔۔ تیرے قرباں جاؤں اے پروردگار
اللہ اللہ کوہ کی شادابیاں ۔۔۔ نام کو دل میں نہیں باقی غبار
دل لُبھا جاتی ہے کوئل کی صدا ۔۔۔ چٹکیاں لیتی ہیں دل میں بار بار

ہے دُھواں یہ یا کہ انبوہِ درخت ۔۔۔ سُرخ پھُول اس میں ہیں مانندِ شرار
دیبیاں ہیں اونچی اونچی چوٹیاں ۔۔۔ ہے گلے میں حسن کے پھُولوں کا ہار
معرفت کے باب کھل جائیں تمام ۔۔۔ وا اگر ہو جائے چشمِ اعتبار
ہیں نرالے ہی یہاں کے روز و شب ۔۔۔ کیا انوکھے یاں کے ہیں لیل و نہار
زندہ کر دیتی ہے تن کو مینہ کی بوند ۔۔۔ تازہ کر جاتی ہے آنکھوں کو پھوہار
لُوٹ لو ثاقبؔ مزے کہسار کے ۔۔۔ پھر کہاں تم اور کہاں فصلِ بہار

ثاقب

سیرِ دریا

سیرِ دریا، لطفِ کشتی اور گھٹا چھائی ہوئی ۔۔۔ بڑھ چلی حد سے جوانی جوش پر آئی ہوئی
دستہائے گل سے کشتی کو بنا کر مہدِ گل ۔۔۔ لے چلا تفریح کو عہدِ شباب اور عہدِ گل
عاشق و معشوق باہم سیر کرنے کو چلے ۔۔۔ آشنایانِ محبت ڈوب مرنے کو چلے
کیا سرور افزا نشاط انگیز چھائی ہے گھٹا ۔۔۔ بوندیاں پڑتی ہیں یا کیوڑا چھڑکتی ہے گھٹا
بوئے گل کے مختلف کپڑے بدلتی ہے نسیم ۔۔۔ پنکھیاں پھولوں کی گویا منہ پہ جھلتی ہے نسیم
لیتی ہے نظارۂ ہر برگ میں لذّت نگاہ ۔۔۔ چاہتی ہے سبزۂ شاداب پر امرت نگاہ
جس طرح دریا میں موجوں سے کوئی کشتی نشیں ۔۔۔ کھیلتا ہو ڈال کر پانی میں دستِ نازنیں
کشتیٔ چشمِ طراوت آشنا سے کُود کر ۔۔۔ تیرتی ہے سبزۂ موّاجِ ساحل پر نظر
دور کوسوں دوڑ جاتی ہے فضائے آب میں ۔۔۔ ڈُبکیاں کھاتی ہوئی امواج اور گرداب میں
تیرتی ہیں وہ بطیں گرتی ہیں وہ مرغابیاں ۔۔۔ اور وہ کشتی میں بٹھایا جا رہا ہے اک جواں
خوب اک ماہ پارۂ نوخیز بھی پہلو میں ہے ۔۔۔ آدمی کے ایک دریائی پری پہلو میں ہے
ہائے وہ مستانہ انداز اور وہ رغبت کی نگاہ ۔۔۔ وہ گلابی آنکھ وہ نشّہ میں متوالی نگاہ
بیخودی میں زانوئے عاشق دبائے پیار سے ۔۔۔ اور وہ سینے پہ اُسکے سر جھکائے پیار سے
عالمِ خلوت ہے اور معشوق در آغوش ہے ۔۔۔ لطفِ سیر و لطفِ وصل و لطفِ نائو نوش ہے
اے ہوس آلودہ اے لذّت کشِ آغوشِ یار ۔۔۔ چین ہی چین اب تو لکھتا ہے ترا نامہ نگار
چین ہے کیا درحقیقت چین اسیکا نام ہے ۔۔۔ کیا شبابِ چند روزہ کا یہی اک کام ہے

عیش کہتا ہے لسے سمجھا نہ تو مفہوم عیش
تیرتی ہے بحرِ غم پر کشتیٔ موہوم عیش

تیری کشتی گرچہ او کشتی نشیں جاتی ہے تیز
کشتیٔ عمرِ رواں اس سے کہیں جاتی ہے تیز

بس ہوا و حرص کی موجوں کو اپنے ساتھ روک
ٹھہر کشتی پھر بہتے چھوڑ اپنے ہاتھ روک

زورِ طوفاں ہے کہیں گرداب میں تو آ نہ جائے
دیکھ ساحل سے کہیں کشتی تری ٹکرا نہ جائے

ہے حبابِ بحر کے مانند انجامِ حیات
ایک غوطہ کھانے میں لبریز ہے جامِ حیات

اے حبابِ بحر اے پروردۂ آغوشِ موج
تیری ہستی اک جنازہ ہے رواں بردوشِ موج

لذّتِ گہوارہ ہے جسکی تجھے ہر لہر میں
ایک تختہ بھی نہ اُبھرا ڈوب کر اس بحر میں

دیکھ ہوتی جا رہی ہے اب گھٹا تاریک تر
اور جھونکے آمدِ طوفاں کی دیتے ہیں خبر

روک ہتھے پھیر رُخ کشتی کا ناداں لوٹ آ
جان دینے کو نہ جا اے دشمنِ جاں لوٹ آ

دیکھ تیرے ساتھ خطرے میں ہے تیرا ہمنشیں
آہ تو اس نازنیں کو بھی نہ لے ڈوبے کہیں

تو نہیں سنتا کسی کی، خیر، جاتا ہے تو جا
اپنی بربادی کی کرنے سیر جاتا ہے تو جا

جا، اور اس آغازِ الفت کا بخیر انجام ہو
تیرا بیڑا پار ہو ساحل پہ تجکو شام ہو

نادر علیخاں تخلّص کاکوروی

بہار

دخترِ رز پر لوٹ ہیں پرہیزگار اب کے برس
زہد میں بٹہ لگائے گی بہار اب کے برس

محمد لکھنوی

گدگدی

گلشن میں گدگدی سے نسیمِ سحر کی آج
گل ہنس دیا تو غنچہ بھی کچھ مسکرا دیا

آبشار

کوہ بھی ہنگامِ بارش میں عروس وقت ہے
سر پر اسکے سہرا مروارید کا ہے آبشار

خرامِ نازنیں

ہے نسیمِ صبح کا عالم خرامِ نازنیں
سبزۂ خوابیدہ کو چلتے ہو چونکائے ہوئے

تاشق

گرمی کا موسم

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ
بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ

بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا
ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایا

چلی لُو اور تڑاقے کی پڑی دھوپ — لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دھوپ
زمیں ہے یا کوئی جلتا توا ہے — کوئی شعلہ ہے یا پھٹا ہوا ہے
درودیوار ہیں گرمی سے تپتے — بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے
پرندے اڑ کے ہیں پانی پہ گرتے — چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے
درندے چھپ گئے ہیں جھاڑیوں میں — مگر ڈوبے ہوئے ہیں کھاڑیوں میں
نہ پوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی — زمیں کا فرش ہے چھت آسماں کی
نہ پنکھا ہے نہ ٹٹی ہے نہ کمرہ — ذرا سی جھونپڑی محنت کا ثمرہ

امیروں کو مبارک ہو حویلی
غریبوں کا بھی ہے اللہ بیلی

شب گرما

بچھا صحن میں تھا بڑا سا جو تخت — وہاں آکے بیٹھا وہ فرخندہ بخت
لگا سامنے آکے دستارِ خوان — بہم کھا کھلا کر ہوئے شادماں
فراغت ہوئی کھانے پینے سے جب — بچھونوں پہ آئے قرینے سے تب
برابر برابر بچھے تھے پلنگ — پڑیں چادریں اُن پہ مہتاب رنگ
فلک نیلگوں رنگ نکھرے ہوئے — ستارے تمام اُن پہ بکھرے ہوئے
چمک کر چڑھا چرخ پر چاند تھا — کہ سورج کا منھ کر دیا ماند تھا
اِدھر چاندنی نور پھیلا رہی تھی — سیاہی اُدھر رنگ دکھلا رہی تھی
وہ چھائی ہوئی رات تاروں بھری — کہ چادر ہو جیسے ستاروں بھری
پلنگڑی پہ لڑکا تھا لیٹا ہوا — کہ بیٹا تھا شکر لپیٹا ہوا
پدر تھا جو تاریخ کا راز داں — سناتا تھا ہر دم نئی داستاں
دیا یہ مزہ اُن حکایات نے — کہ انگڑائی کروٹ پہ لی رات نے
ہوا آکے پنکھا ہلانے لگی — ہر اک کو غرض نیند آنے لگی
تھکے ماندے دن بھر کے تھے ہو رہے — دوپٹے لیے تان اور سو رہے

بیاں کیا کروں رات کی شان کا | زمانے میں عالم ہے سنسان کا
پڑا نیند میں مست سارا جہاں | نہ تھے چور باقی نہ تھے پاسباں
پڑے سوئے سب ایسے بے ہوش تھے | کہ گھڑیال تک بھی تو خاموش تھے
درختوں میں تھیں جو گزرتی ہوائیں | زمانہ پڑا کرتا تھا سائیں سائیں
شبِ تار بھی نیند میں آن کر | سیاہ چادر اپنی پڑی تان کر
ہمیشہ زمانے کا دستور ہے | اندھیرے سے کرتا عیاں نور ہے
کہ چمکا ستارہ سحرگاہ کا | ہوا رنگ پھیکا رُخِ ماہ کا
ستاروں کی آنکھیں جھپکنے لگیں | تعجب سے مشرق کو تکنے لگیں
شبِ تار کا رنگ فق ہو گیا | چراغِ سحر جاں بحق ہو گیا
سحر کے جو عالم نمودار تھے | دھوئیں اڑ رہے تھے شبِ تار کے
لگے بولنے سب سحر کے طیور | گئی اُنکی آواز نزدیک و دور
وہ لڑکا تھا جو بسترِ خواب میں | ستارہ ہو جوں چادرِ آب میں

اٹھا کر کہا اُس نے تکیہ سے سر
سلامٌ علیکم مبارک سحر

استاد

طوفانِ عظیم حیدرآباد دکن

او نامراد ندی تجھ پر غضب خدا کا | الٹا ہے تو نے تختہ یارانِ آشنا کا
اچھا کیا ادا حق ہمسائیگی کا تو نے | ہم تجھ سے لو لگائیں تو نے ہمیں کو تاکا
اِک کاروانِ آصف اُترا ترے کنارے | او ناسپاس تو نے ڈالا اِسی پہ ڈاکا
تیری ہر ایک ٹکر داعی بنی اجل کی | تیرا ہر ایک تھپیڑ قاصد بنا قضا کا
منجدھار میں ہے کشتی ٹوٹا ہوا ہے لنگر | سر پر ہے رات کالی طوفان ہے بلا کا
تقدیر ہنس رہی ہے تدبیر رو رہی ہے | مورد ہو ناخدا کیوں الزام ناروا کا
شب ہے شبِ قیامت دن ہی حساب کا دن | وقت آ گیا سزا کا عہد آ گیا جزا کا
خالی امید کا گھر دروازہ توبہ کا بند | آئے اثر کہاں سے موقع نہیں دعا کا

وہ ڈوبتے ہوؤں کا سب کو سلام کرنا اور ان کی حسرتوں کا تہِ گرداب میں گڑنا

تھا فتنۂ قیامت یہ سیل رودِ موسےٰ منہ کر کے تیر چشمہ بن کر تیزاب بگڑنا

کیوں ساتھ ساتھ اپنے لیکر چلا نہ ہم کو جو قافلہ چلا ہے سوئے منزلِ عدم کو

آبشار

سچ بتا اے کوہ و صحرا کے مسافر آبشار ٹھوکریں کھاتا ہوا کس جا چلا ہے بیقرار

کیوں سراسیمہ ہے کیوں یہ لڑکھڑاتی چال ہے سیل اشکِ چشمِ تر کی طرح کیوں پامال ہے

تیرے دامن میں ہے دلکش سبزہ و گل کی بہار میٹھی میٹھی بولیاں اور بلبلانِ کوہسار

دشت میں جاری ہیں سو نہریں ترے فیض کی ذات تیری بہرِ صحرا وجہ شادابی ہوئی

چشمۂ حیواں ہے تو تشنہ دہانوں کے لئے اور ہے رشکِ مسیح افسردہ جانوں کیلئے

سیل جو تیری ہے وہ چینِ جبینِ حور ہے تجھکو سب آسائش ہے پھر تو کس لیے رنجور ہے

ہائے کیوں پتھر سے ٹکراتا ہے سر کو بار بار خاک پر تو لوٹ کر کیوں ہو رہا ہے بیقرار

رات دن تجھکو تلاشِ بحرِ الفت تو نہیں تو بھی میری طرح قیدی بندِ آفت تو نہیں

تو کہاں یہ جستجوئے بحرِ بے پایاں کہاں دشت پیمائی بقدرِ جوششِ ارماں کہاں

آرزو مندیٔ وصلِ بحرِ ناپیدا کنار

ایں خیال است و محال است و جنوں

گرمی کے دوزخ

دلخراش رخ

یہ لو یہ گرد و باد یہ حدت یہ آفتاب یہ تیرگی غبار کی یہ دھوپ کا شباب

جھونکوں کی کشمکش یہ شعاعوں کا اضطراب ذروں کی یہ [illegible]

یہ زور آندھیوں کا فلک چھا رہا ہوا جنگل تمام دشت سا چنگھاڑتا ہوا

ذروں سے آگ اٹھتی ہے میدان ہیں دھواں چشمے جو تھے تمام وہ سوکھے ہیں ندیاں

گرمی سے کشمکش ہے عناصر کے درمیاں چوپائے ہانپتے ہیں نکالے ہوئے زباں

گرمی نے بڑھکے آگ لگا دی خدائی میں شیروں کو نیند آتی نہیں ہے ترائی میں

غرقِ عرق ہیں اہلِ جہاں خستہ و حزیں
دامن جو تر بتر ہے تو بھیگی ہے آستیں

سبزے کو کھائے جاتی ہے تپتی ہوئی زمیں
پھولوں کے رخ پہ خوں کی اک چھینٹ بھی نہیں

جو نخل جل گیا نہ کبھی پھر ہرا ہوا
انگاروں سے ہے دشت کا سینہ بھرا ہوا

دلنواز رُخ

شام آئی مہ رخوں کے ٹھکانے ہوئے حواس
مٹی کے سوندھے سوندھے چُنے کاغذی گلاس

دھوئی گئیں صراحیاں بدلے گئے لباس
چھڑکاؤ ہو رہا ہے پلنگڑی کے آس پاس

رنگیں نواڑ سے وہ کھٹولے کسے ہوئے
بیلے کے تازہ پھولوں سے بستر بسے ہوئے

پنگھٹ پہ شام ہوتے ہی ساماں ہیں دُھوم کے
پریاں ہزار دل سے نثار اس ہجوم کے

چلنا پری جمالوں کا وہ جھوم جھوم کے
گویا کہ رکھ رہی ہیں قدم چوم چوم کے

شوخی و دلبری کے خزانے نگاہ میں
عاشق کنوئیں پہ آئے ہیں جلووں کی چاہ میں

آپس کی چھیڑ چھاڑ وہ دلکش کہ الاماں
وہ عارضوں کا رنگ کہ شرمائے گلستاں

کچھ کم سنی کے نشے میں مخمور کچھ جواں
رسی جو کھینچتی ہیں تو بجتی ہیں چوڑیاں

خوشبوئے گل رخوں سے مہکتے ہوئے گھڑے
رکھے ہوئے سروں پہ چھلکتے ہوئے گھڑے

مناظرِ نباتاتی

آم

ہاں دلِ درد مند زمزمہ ساز
کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز

خامے کا صفحے پر رواں ہونا
شاخِ گل کا ہے گلفشاں ہونا

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے
نکتہ ہائے خرد طراں لکھیے

بارے آموں کا بیاں ہو جائے
خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے

آم کا کون مردِ میداں ہے
ثمر و شاخ گوئے چوگاں ہے

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں
آئے یہ گو ہے اور یہ میداں

آم کے آگے پیش جاوے خاک | پھوڑتا ہے جلے پھپھولے خاک
نہ چلا جب کسی طرح مقدور | بادۂ ناب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے | شرم سے پانی پانی ہونا ہے
مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے | آم کے آگے نیشکر کیا ہے
نہ گل اسمیں نہ شاخ و برگ و بار | جب خزاں آئے تب ہو اسکی بہار
اور دوڑائیے قیاس کہاں | جان شیریں میں یہ مٹھاس کہاں
جان میں گر یہی ہے شیرینی | ق | کوہ کن باوجود غمگینی
جان دینے میں اسکو یکتا جان | پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان
نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر | کہ دواخانۂ ازل میں مگر
آتش گل پہ قند کا ہے قوام | شیرہ کے تار کا ہے ریشہ خام
یا یہ ہوگا کہ فرط راحت سے | ق | باغبانوں نے باغ جنت سے
انگبیں کے بحکم رب الناس | بھر کے بھیجے ہیں سر بمہر گلاس
یا لگا کر خضر نے شاخ نبات | مدتوں تک دیا ہے آب حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل | ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
تھا ترنج زر ایک خسرو پاس | رنگ کا زرد پر کہاں بو باس
آم کو دیکھتا اگر یک بار | پھینک دیتا طلائے زرافشار
رونق کارگاہ برگ و نوا | نازش دودمان آب و ہوا
رہرو راہ خلد کا توشہ | طوبےٰ اور سدرہ کا جگر گوشہ
صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم | ناز پروردۂ بہار ہے آم

قطعہ در صفت انبہ

تحفہ تر آم مرے دوست نے بھیجے ہیں مجھے | متحیر ہے طبیعت کہ انہیں کیا کہیئے
سر فرو بردہ تفکر کہ انہیں کیا لکھیے | ناطقہ مہر بلب ہے کہ انہیں کیا کہیے
نخل الطاف و کرم کے یہ ثمر تازہ ہیں | اُن کی صورت کو محبت کا ہیولا کہیے

دیکھئے رنگ عنایت کا جھلکتا ان میں — مے الفت کا ہر اک جام چھلکتا کہیئے
چاشنی لطف کی شیرینی وفا کی ہے بھری — قند کیا چیز ہے اُن سے جسے میٹھا کہیئے
لب شیریں ہیں کسی کے ہیں حلاوت میں سوا — رنگ میں لس ہیں رخسارۂ عذرا کہیئے
کسی محبوب کے ہاتھوں کا ترنج انکو کہیں — یا کسی حور کا جوبن انہیں اُبھرا کہیئے
باغ رضواں سے خدا نے ہے یہ ہدیہ بھیجا — آم، یا ثمر سدرۂ طوبےٰ کہیئے
شہد کے پانی سے قدرت نے انہیں سینچا ہو — بند کوزوں میں حلاوت کے ہیں دریا کہیئے
سر بمُہر آتے ہیں جنت سے یہ کوثر کے گلاس — مُہر ہے صنعت قدرت سے ہویدا کہیئے
رس بھرے چشمے سے بن بن کے چلے آتے ہیں — کس طرح پھر نہ ان آموں کو رسیلا کہیئے
لب شیریں سے حسیں چوستے ہیں جب انکو — ان کی شیرینی کو پھر کیوں نہ دو بالا کہیئے
کیجئے فرض انہیں بحر عسل کے ہیں حباب — خلد میں جاری اگر شہد کے دریا کہیئے
بلبلیں گل پہ چہکتی ہیں تو کوئل ان پر — دل رُبائی میں مگر ان کو دو بالا کہیئے
اُن کی سُرخی رُخ معشوق کی سُرخی سے سوا — انکی سبزی کو کتابی سا وہ چہرا کہیئے
کون سی چیز سے دیجے انہیں تشبیہ حمید — مختصر یہ ہے کہ سب سے انہیں بالا کہیئے

حمید

کلی کی بے کلی

نسیم نے آ آکے مجھ کو گدگدایا ہے — اسی سے میری لبوں پہ تبسم آیا ہے
یہ میری بُو کو نہ چھوڑے گی میں سمجھتی ہوں — مرے حجاب کو توڑے گی میں سمجھتی ہوں
بنے گی ہاتھ مرے پیرہن کو کھولیگی — کلید ہوکے یہ قفل دہن کو کھولیگی
اُٹھے گا عارضی طفلی سے رنگ نادانی — شگفتگی مری ہو جائے گی پریشانی
نصیب ہوگا نہ خاطر کو جمع پھر ہونا — کھلائے گا کوئی گل میرا منتشر ہونا
جو میں مہکوں گی تو گلچیں مجھے نہ چھوڑیگا — وہ سلسلہ مری حب وطن کا توڑیگا
مری رگوں میں نہ دوڑیگا چڑھ کے پھر پانی — نہ کام آئے گی شبنم کی قطرہ افشانی
ہوائے تازہ کو ترسونگی پاسکوں گی کہاں — چمن میں پھر اسے کھانے کو آسکونگی کہاں
شجر کی شاخ نہ مجکو نصیب پھر ہوگی — شعاع مہر نہ میرے قریب پھر ہوگی

کہاں یہ رات کو تاروں کی چھاؤں میں بنا — جگر چھدے گا بتوں کی جب بار بار بہنا

گلے پڑو گی ہیں جسکے وہ مل کے چھوڑیگا — مرے بہاس کی رنگت بدل کے چھوڑیگا

یہ آبرو میرے چہرے کی آپ ہی تک ہے — بہارِ حُسن کی رنگ شباب ہی تک ہے

یئے بہار تو ہو جائے رنگ فق میرا — الٹ پلٹ کے ہو برباد ہر ورق میرا

جفائیں سہنے کو شاید جہاں میں آئی ہوں — ہوئی یہ چوک کہ حُسن اور جان لائی ہوں

مگر دہن نہ میسّر ہُوا کہ بول سکوں — جگر کی چوٹ کا پردہ زباں سے کھول سکوں

کہے یہ کون کہ اللہ سے ڈرو او گلچیں! — یہ بے زباں ہے نہ اس پر ستم کرو او گلچیں!

وہ کیا سُنے گا اسے کوڑیوں کا لالچ ہے — طمع ہے سخت بُری چیز شوق یہ سچ ہے

چکنی ڈلی

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی — زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے — ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

مُہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے — حرزِ بازوئے شگرفانِ خود آرا کہیے

اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجے — خالِ مشکینِ رخِ دلکشِ لیلا کہیے

حجرالاسودِ دیوارِ حرم کیجے فرض — نافہ آہوئے بیابانِ ختن کا کہیے

وضع میں اسکو اگر سمجھیے قافِ تریاق — رنگ میں سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہیے

صومعے میں اسے ٹھیرائیے گر مُہرِ نماز — میکدے میں اسے خشتِ خمِ صہبا کہیے

کیوں اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے — کیوں اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کہیے

کیوں اسے گوہرِ نایاب تصوّر کیجے — کیوں اسے مردمکِ دیدۂ عنقا کہیے

کیوں اسے تکمۂ پیراہنِ لیلا لکھیے — کیوں اسے نقشِ پئے ناقۂ سلما کہیے

بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجے فرض — اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

آگرے کی ککڑی

پہنچے نہ اسکو ہرگز کابل ورے کی ککڑی — نے پورب اور پچھم خوبی بھرے کی ککڑی

سنبھل کے چپے کی اور نے ڈرے کی ککڑی — دکن کی اور نہ ہرگز اُس سے پرے کی ککڑی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں　　گنے کی پوریاں ہیں ریشم کی تکلیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں شیریں کی ہنسلیاں ہیں　　مجنوں کی سرد آہیں لیلیٰ کی انگلیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کوئی ہے زرد نائل کوئی ہری بھری ہے　　پکھراج منفعل ہے پنے کو تھرتھری ہے
ٹیڑھی ہے سو تو چوڑی وہ ہیر کی ہری ہے　　سیدھی ہے سو وہ یارو رانجھے کی بانسری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

میٹھی ہے جسکو برفی کہیے گلابی کہیے　　یا حلقے دیکھ اسکے تازی جلیبی کہیے
تلشکریوں کی پھانکیں اب مرتی یا کہیے　　سچ پوچھیے تو اس کو دندان مصری کہیے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

چھونے میں برگ گل ہی کھانے میں کرکری ہے　　گرمی کے مارنے کو اک تیر کی سری ہے
آنکھوں میں سکھ کلیجے ٹھنڈک ہری بھری ہے　　ککڑی نہ کہیے اسکو ککڑسی نہیں پری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جسمیں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

بیل اسکی ایسی نازک جوں الف پیچ کھائی　　بیج ایسے چھوٹے چھوٹے خشخاش یا کہ رائی
دیکھ اسکی ایسی نرمی باریکی اور صفائی　　آتی ہے یاد ہم کو محبوب کی کلائی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

لیتے ہیں مول سکو گل کیطرح سے کھل کر　　معشوق اور عاشق کھاتے ہیں دونوں ملکر
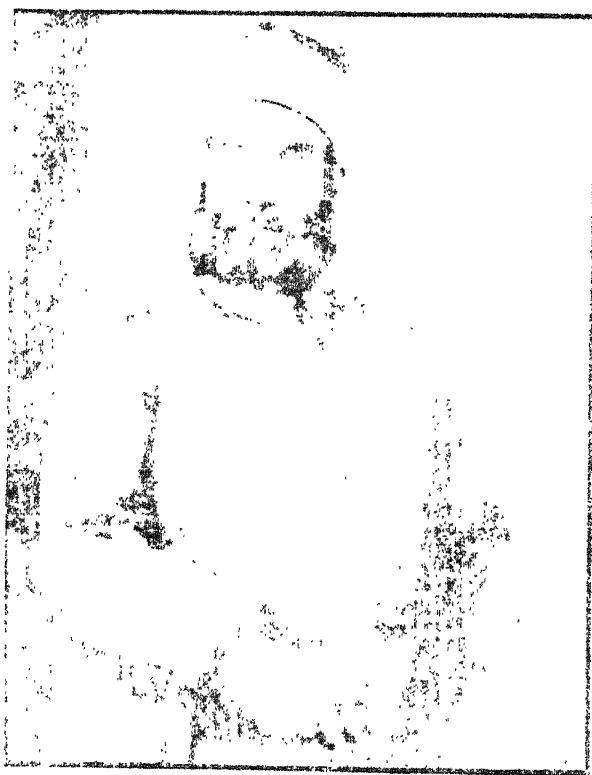
عاشق تو ہیں بجھاتے شعلوں کو اپنے دل کے — معشوق ہیں لگاتے ماتھے پہ اپنے چھلکے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

مشہور ایسی ہر جا یاں کی جوالیاں ہیں — ویسی ہی ککڑی نے بھٹوں میں ڈالیاں ہیں

میٹھی ہیں سو تو گویا شکر کی تھالیاں ہیں — کڑوی ہیں سو بھی گویا خوباں کی گالیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

جو ایک بار اس جا کی کھائے ککڑی — پھر جا کہیں کی اس کو ہرگز نہ بھائے ککڑی

دل تو نظیر عشق ہے یعنی منگائے ککڑی — ککڑی ہے یا قیامت کیا کہیے ہائے ککڑی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی

اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

موتیا

کتنا بڑھا ہے حسن دل آویز باغ کا — نکہت کی انتہا ہے نہ رنگت کی انتہا

اٹھکھیلی پھرتی ہے نسیم طرب فزا — غنچہ ان گل و چمن ہیں [illegible] موتیا

آتی ہے بوئے عطر بہشتی دماغ میں

جنت کے پھول آ کے کھلے ہیں یہ باغ میں

ہوتے ہیں کتنے [illegible] موتیے کے [illegible] — خوشبو میں مشک [illegible] سو موتیے کے [illegible]

گجرے گلے کے صاف [illegible] ہیں موتیے کے پھول — گلرو [illegible] ہیں [illegible] موتیے کے [illegible]

[illegible] چمن کے پھول باغ سے [illegible]

[illegible]

[illegible] موتیے [illegible] حسن پہ بہار — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible]

بو پھر رہی ہے دوشِ ہوا پر سوار آج

کلیاں ہیں موتیے کی دل آویز کس قدر　　گویا چمک رہے ہیں ستارے اِدھر اُدھر
اعجازِ موسوی کا یقیں آئے دیکھکر　　ہر دستِ شاخ کو یدِ بیضا کے نظر

یا موتیے کے عطر سے شیشی بھری ہوئی
کوئی اِدھر تو کوئی اُدھر ہے دھری ہوئی

غنچے کی شکل میں جو نظر آئے موتیا　　شک ہو دہانِ تنگِ حسینِ صبیح کا
بِنچی بندھی ہوئی ہے جسے اکرے ہوا　　زاہد کہے کہ ہے یہ مرا قلبِ باصفا

تنگی کسی دہن میں اس انداز کی نہ ہو
ایسی کسی جبیں پہ گرہ ناز کی نہ ہو

غنچہ جو گل ہوا تو شگفتہ جبیں بنا　　صبحِ بہار سے بھی سوا دل نشیں بنا
دامانِ صاف ماہوشِ نازنیں بنا　　محبوبِ صاف رنگ کا روئے حسیں بنا

ایسا سفید دیدۂ یعقوبؑ بھی نہ ہو
دامانِ چاکِ حضرتِ یوسفؑ کبھی نہ ہو

لیکن ستم یہ ہے کہ نہ راحت ذرا ملی　　رنگِ ثبات پایا نہ بوئے وفا ملی
مانا کہ نازروؤں کے پہلو میں جا ملی　　دل چھد گیا چمن بھی چھٹا یہ سزا ملی

خواہاں حسین آج ہیں پھولوں کی واسطے
کل پھینک دینگے ملکے گلے سے اتار کے

وردِ احمر

اے گلِ شاداب اے تصویرِ زیبائی و حسن　　تو چمن میں ہے کوئی تعمیرِ زیبائی و حسن
بہ بوتی تیرا ہے اک تفسیرِ زیبائی و حسن　　اور تجھی سے ہے عیاں تنویرِ زیبائی و حسن

شوخیاں قربان ہوتی ہیں نزاکت پہ تری
پھٹ پڑا ہے کس بلا کا حسن صورت پر تری

تیری نیرنگی کا گلشن میں عجب انداز ہے　　تو کوئی تصویرِ خونِ عاشقِ جاں باز ہے

گلاب کا پھول

اے گلِ نازک سراپا ناز و بو — ایک ساعت کا ہی مہماں آہ تو
کیا ہی بھینی بھینی ہے خوشبو تری — بخشتی ہی دل کو میرے تازگی
تیری خوشبو سے معطر ہی باغ — دیکھکر تجکو ہی دل بھی باغ باغ
گدگداتی ہی تجھے جسدم نسیم — پھیلتی ہی چوطرف تیری شمیم
رنگ یہ تیرا گلابی لال ہے — یا کسی کا گورا گورا گال ہے
لعل ہیرا کھائے تجکو دیکھکر — ہو فدا نیلم تیرے ہر برگ پر

تو مرصع گوہر شبنم سے ہی
زینت گلشن ترے ہی دم سے ہی

تو ابھی غنچہ تھا اور اب کھل گیا — لے اڑی نکہت تری موجِ صبا
آئی ہے بلبل بھی تجکو دیکھکر — گرد تیرے اڑتی ہی آشفتہ سر
خوشنمائی پر وہ تیری لوٹ ہی — دردِ الفت کی جگر پر چوٹ ہی
چوستا ہی آکے بھنورا رس تیرا — ایک ہی عاشق ہی گویا بس تیرا
آہ ظالم چوس کر چلتا بنا — میل ہی گویا کبھی تجھ سے تھا
ہائے یہ بلبل بھی ظالم ہے بڑی — منتشر کر دی تری ہر پنکھڑی
ہو گیا صد چاک یہ دامن ترا — خاک میں سب مل گیا جوبن ترا

پھر بھی تیری قدر و قیمت ہی وہی
شاعروں کو تجھسے الفت ہی وہی

سطوت و شوکت یہ سارا طمطراق — حسن و دولت اور یہ قصر و رواق
چار ہی دن کے فقط مہماں ہیں — گو یہ ظاہر میں عظیم الشان ہیں
صرف رہجاتا ہے اک خلق حسن — جسمیں ہی رہتی مسرت کی پھبن
سوکھکر کملا بھی جائے تو اگر — جا نہیں سکتی تری خوشبوئے تر
عین ایسے ہی یہ اخلاق حسنی — باقی رہجاتے ہیں بعد مرگ بھی

صاف گوئی اُس پہ یہ ہر دلعزیزی دیکھئے
عیب جوئی روبرو وافر تیزی دیکھئے

موبمو غیبت کا عادی صورت شانہ نہیں
راستی کا عکس ہے یہ رنگ افسانہ نہیں

پہلوئے انسان میں لیکن عجب ہے آئینہ
باعثِ الفت محبت کا سبب ہے آئینہ

یہ انوکھا آئینہ گو سانولا پر صاف ہے
یہ نرالا آئینہ سودائی پر شفاف ہے

بقعۂ انوار ہے۔ کاشانۂ تنویر ہے
جنت حیرت ہے یہ یا عالمِ تصویر ہے

یہ انوکھا آئینہ اک نور کا تالاب ہے
چھیڑ کر دیکھو تو پھر یہ قلزمِ سیماب ہے

غمگسارِ سوز ہے اور درد کا ہمراز ہے
شاد ہے آباد ہے ناشاد ہے برباد ہے

ٹھیس لگ جائے اگر یہ خون کا فوارہ ہے
برق کا گہوارہ ہے یا آگ کا انگارہ ہے

خون بنکر پہلوئے مضطر میں بہ جاتا ہے یہ
بنکے آنسو دیدۂ گریاں سے بہ جاتا ہے یہ

یہ حقیقی آئینہ ہے وہ مجازی آئینہ
اور اُس آئینہ سے بہتر ہے یہ ہر آئینہ

بہار

ہوا چار سوں طرف اقصائے عالم میں پکار آئی
بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی

بہار آئی زمانے میں جو سرگرمِ نمو ہو کر
خزاں جب ہی گئی نظروں سے آخر زرد رو ہو کر

بہار آئی دکھاتی قادرِ مطلق کی شان اُس نے
زمیں کی تہ میں جو مُردے تھے ڈالی ان میں جان اُس نے

بہار آئی ہے نیچر اپنی نقاشی دکھاتا ہے
بہت رنگیں نقشے سامنے آنکھوں کے لاتا ہے

بہار دلربا کی شکل قدرت نے سنواری ہے
زمیں کی لاڈلی ہے نیّرِ اکبر کی پیاری ہے

گیا فصلِ خزاں کا کوکبِ اقبال پستی میں
بہار اب حکمراں ہے ہر طرف اقلیمِ ہستی میں

جہاں سے مٹ گیا برگِ خزاں کا بدنما سکہ
بہار اب ڈھالتی ہے اشرفی کے پھول کا سکہ

یہ زائیدہ بھی پروردہ بھی سورج کی ہے دنیا میں
حسیں بھی اور بے پردہ بھی ہے بزمِ تماشا میں

پرندوں کی نوا سنجی بڑھاتی ہے یہی آکر
ہوا کے دوش پر بو کو چڑھاتی ہے یہی آکر

دکھاتی ہے یہ تن کر بانکپن اپنا نہالوں سے
جوانی بن کے ہوتی ہے عیاں پھولوں کے گالوں سے

ہوائے صبح اسکے ساتھ پنکھا جھلتی آتی ہے
ہنسی پڑتی ہیں کلیاں جب یہ انکو منہ لگاتی ہے

پہاڑوں سے بہاتی اُسنے برف صاف پگھلا کر
رواں ہوکر وہی پانی سمندر سے ملا جاکر

بہت ہنستا ہے پاکر افسر یاقوت انار اس سے
ہوا تاج زمرد زیب فرق کوکنار اس سے

نسیم آتی ہے کس انداز سے آہستہ آہستہ
دلہن چلتی ہے گویا ناز سے آہستہ آہستہ

شمیم باغ سے سیکھا چمن اترا کے چلنے کا
زمانہ آگیا پردے سے سبزوں کے نکلنے کا

بھری دیکھی ہوا نے نخل گل کی شاخ کلیوں سے
ہنسا یا گدگدا کر ہوگئی گستاخ کلیوں سے

بڑھی ہے کونپلوں کے پھوٹنے سے رونق خوبی
کہ ہیں پیش نظر دوشیزگان قصر محبوبی

دلہن کی شکل ہر گل نے لباس سرخ پہنا ہے
شجر کے جسم پر کیا خوشنما پتوں کا گہنا ہے

ہوا مشاطگی پر نیر اعظم جو آمادہ
سنوارا مختلف رنگوں سے دنیا کا رخ سادہ

تعجب کیا جو ہیبت سے خزاں کے رخ پہ زردی ہے
کہ وہ فوج اسپہ غالب آئی جس کی سبز وردی ہے

ہوا خورشید حکمت سے علاج دہر پر مائل
کہ ہے اسکی چمک سے بردِ ہوائے جہاں زائل

ہے ایسا اعتدال آب و ہوا کے کارخانے میں
پتا ملتا نہیں اب سردی گرمی کا زمانے میں

لبھاتی ہے دلوں کو گھاس ہر جانب ہری کیسی
کبھی عاشق مزاجوں کی نگاہوں میں ہری کیسی

زمین دشت نے سامان آرائش نیا پایا
پرندِ سبزہ کا فرش اس نے کیسا خوشنما پایا

ہوئی ہے حسن کی مے پی کے ایسی ہوش سے باہر
زمیں کے ذرا سکے دل سے آگئے باہر

نکل آئے حجاب ارض سے گل پیرہن لاکھوں
کہیں ہیں سرو قد لاکھوں کہیں غنچہ دہن لاکھوں

بڑھایا جوش سودا کو گلوں کے حسن صورت نے
دماغ و دیدہ پر قبضہ کیا بو اور رنگت نے

زمیں کے بطن سے اعجاز مریم ہے مگر پیدا
ہوا ہر نخل اس سے مثل عیسی بے پدر پیدا

پلاتی ہے شجر کو اوس اپنا دودھ لا لاکر
محبت سے وہ منہ چومتی ہے بار بار آکر

ہوا کرنوں سے دے کر پھر سے ضبط کرتا ہے
وہ اسکی رگوں میں آب زیر خاک بھرتا ہے

زمیں میں گرمی اندر پہنچ کر قوت پکڑتی ہے
زمیں کو جو جکڑتی ہے نہیں تو وہ جکڑتی ہے

لبھاتا ہے دلوں کو حسن بڑھ کر کے پتوں میں
کہ دھانی رنگ بن جاتا ہے چڑھ کر کے پتوں پہ

ہوا ہے کہ دنیا میں یہ عیسی بے پدر آئے
خدمت تو وجود یک پتی ان کے نذر پر آئے

مگر کیوں سائنس اسکو قابلِ تسلیم مانیگا
شگوفہ شاخِ نخلستانِ مذہب کا وہ جانیگا

سخن سنجانہ علمی مسئلے پر حرف لائے ہم
مگر چکر دے کے آخر نظم کے رستے پہ آئے ہم

گلوں کو ہم نے دیکھا اُن میں ہیں بھی نر و مادہ ہیں
شجر دیکھے تو اُن میں کچھ گلوں سے بھی زیادہ ہیں

غرض جو شئے ہے وہ مجبور ہے قانونِ فطرت سے
بنا قانونِ فطرت خالقِ عالم کی حکمت سے

خزاں قانون کے منسوخ صفحے لیکے آتی ہے
بہار اُس کے جدید اوراقِ رنگیں لیکے آتی ہے

بہار آتی ہے نیچر تختِ فیاضی پہ آ بیٹھا
وہ ارواحِ نباتی کا خزانہ سب لُٹا بیٹھا

زمیں نے کام کنجی کا کیا اپنی رطوبت سے
کیا وا اُس نے قفلِ دانہ کو ترکیبِ فطرت سے

ہوئے ہیں [illegible] کے تخموں میں شجر رنگیں
کہ ہے ہر شاخ رنگیں برگ رنگیں اور ثمر رنگیں

وجودِ نخل میں چیزیں یہ ساری خشک تھیں تو بھی
شکر بھی اُس میں ہے لوہا بھی ہے پانی بھی پتھر بھی

حجر کے جز ہے اشجار میں سختی کا عالم ہے
چڑھا پانی زمیں سے ریشہ ریشہ اس سے پُرنم ہے

عدم سے عالمِ ہستی میں جو شکلِ نبات آئی
اُسے نیچر نے دیدی روح وہ لیکر حیات آئی

نہ ہو گر روح اُس میں تو نہ ہو بالیدگی اُسکو
عطا کی جس نے روح اُسکو اُسی نے عمر دی اُسکو

ہے سامانِ ضرورت یہ شجر کے پاس فطرت سے
ملی ہے ہر شجر کو قوتِ احساس فطرت سے

بڑھیں شاخیں اُسی رخ جس طرف راہ گذر پائی
جڑیں چلیں اُسی جانب گرفت اپنی جدھر پائی

شجر جوڑے دو گل کے ہیں سب کے پہنے ہوئے گہنے
کہ گل شاخوں میں یا بندوں کے ہاتھوں میں پہنے ہیں

کیا ہے پیڑ کو سبزہ پوش نخ لانے نے
لباسِ لال پہنا ہے حبش کے رہنے والے نے

چمن و دشت میں ہے ہر طرف انبار پھولوں کا
جدھر دیکھو زمیں پہنے ہوئے ہے ہار پھولوں کا

جمے یوں سبزے کی نوکوں پہ قطرے گرکے شبنم کے
رُکے نوکِ مژہ پر جیسے آنسو چشمِ پُرنم کے

ہوا شبنم کے قطرے وقتِ شب سبزے کو دیتی ہے
زباں بنکر شعاعِ مہر دن کو چاٹ لیتی ہے

بہت وارفتہ ہوتی ہے اُنہیں رنگیں ادا پاکر
شعاعیں بوسہ بازی کرتی ہیں پھولوں سے آکر

عیاں سبزے پہ اُلفت کی ادائیں کی ہیں سورج نے
بڑھا کر ہاتھ کرنوں کے بلائیں لی ہیں سورج نے

ہیں روشن چاندنی کے پھول یا تارے چمکتے ہیں
کھلے ہیں پھول لالے کے کہ انگارے چمکتے ہیں

کیا ہے پُرشکن ہر رنگ نے پھولوں کی جبینوں کو
غرورِ حسن ہر صورت سے زیبا ہے حسینوں کو

گری شبنم زمیں پر خشک گل کی پتیاں بیکر
تمازت سے ہوا اب جا لگی تن کو کہاں بیکر

ہوائے موسمی کا دل جو ٹھنڈک پہ ہوا مائل
ردائے ابر کی مہر و زمیں کے بیچ میں حائل

دکھائی ابرِ تر نے جھوم کر ایسی سیہ مستی
کہ بے خود ہو کے پھینکے اپنے موتی جانبِ ہستی

بخاراتِ ابر بن کر ہوا پہ پھیل جاتے ہیں
وہ پیرواں کی کشش سے بنکے پانی کھنچ آتے ہیں

دیا نیچر نے جوشِ فیض سے نیساں کو کیا جوہر
ہوا کے دوش پر پانی صدف کے بطن میں گوہر

یہ وہ موسم ہے جو کافور کو ہستی میں لاتا ہے
یہ ہے وہ کیمیاگر بس لوہن جو بنتا ہے

بڑھا ہے جوش ایسا ملک گیری کی امنگوں کا
کہ قبضہ ہو گیا سارے زمیں پر سبزہ رنگوں کا

وہی رنگت زمیں نے پائی جو آدم سے پہلے تھی
وہی صورت ہے جو آبادیٔ آدم سے پہلے تھی

نتھر کر صاف مثلِ آئینہ ہے نہر کا پانی
کناروں کے شجر کرتے ہیں پانی پر گل افشانی

وہ پانی صاف رو دھیمی ہوا سے موج بن کچھ کچھ
جبیں شفاف لیکن اس پہ ہے پُرشکن کچھ کچھ

کناروں پر سبز پیڑوں کا سایہ ساتھ لہروں کے
وہ لہریں لے رہا ہے تب جو ہیں ساتھ لہروں کے

صفائے آب سے روشن ہیں شب کو زیرِ آب اختر
بھرا ہے بیچ میں پانی فلک نیچے فلک اوپر

شجر کو جب اگاتی ہے زمیں تب زرد کرتی ہے
ہوا گردوں سے ہو کر سبز رنگت انہیں بھرتی ہے

ہوا دانہ شجر دورِ تسلسل آشکارا ہے
شجر سے گل تو گل سے پھل تو پھل سے دانہ پیدا ہے

بہار حسن کرتا ہے جو خورشیدِ فلک پیدا
سنہرے رنگ کے پتوں سے ہوتی ہے چمک پیدا

ہوائے بد کے جھونکے گل کے پیڑوں نے گر روکے
تو پتے اسکے سم کو کھینچ کر نابود کرتے ہیں

ہوا کو گرم کرتا ہے جو سورج اپنی گرمی سے
تو سختی چھپتی کی آتی ہے [illegible] نرمی سے

کلی بلبل کے کرتی ہے یہ گل کے ساتھ سرگوشی
کلید اب کھولے گی مرے یہ قفلِ خاموشی

کمیں پر چڑھی ہیں ہر کلی میں جا بجا دیکھو
ہنسی سے پھینے زیرِ لب تبسم کی ادا دیکھو

نقابِ برگ سے بو کو ہوا باہر نکالے گی
یہ رہنے کی منتشر ور وہ بو کو اڑا لے گی

طبائع کی امنگیں رنگ ابھی موسم میں لاتی ہیں
دلوں سے اٹھتی ہیں جو موجیں پہ پھیل بنکے آتی ہیں

کنول اور رنگ اگر رنگ دیتے ہیں حسینوں کو
چمن مہندی کو ملہ بناتے ہیں جبینوں کو

پپیہے کو ہیں کوئل سے ہی بحثِ ہم‌آوازی
کہیں ہے کوکلا کس حسن سے محوِ نواسازی

کہیں ہے نغمۂ بلبل کہیں شاما کہیں ہریل
کہیں چنڈول اُڑتا اور گاتا ہے بلندی پر

کسی جا طوطی خوش لہجہ کی شیریں بیانی ہے
کہیں چھوٹا لتورا مائل رنگیں بیانی ہے

کہیں بھنگراج دل کو کھینچتا ہے خوشنوائی سے
کہیں مینائیں غل کرتی ہیں آپس کی لڑائی سے

کہیں پیراہن پُر زر ہے دلکش حسن موروں کا
کہیں اِٹھلا کے چلنا سرخ پاؤں سے چکوروں کا

ہزاروں رنگ کی چڑیاں ہیں شکلیں خوشنما جن کی
ادائیں دلربا جن کی صدائیں نغمہ زا جن کی

بہار آنے سے خوش ہیں ہر طرف اتراتی پھرتی ہیں
ہوا تو ناچتی پھرتی ہے چڑیاں گاتی پھرتی ہیں

سبق چڑیوں سے شاعر لیتے ہیں رنگیں بیانی کا
شجر سے رنگ اڑا لیتے ہیں خامے گل فشانی کا

گلوں سے مکھیاں رس لیکے شہد اُس سے بناتی ہیں
مزے سے بلبلیں آ آکے ان کیڑوں کو کھاتی ہیں

دیا ہے تتلیوں کو رزق کا ساماں پھولوں نے
کیا بھنوروں کو جوش فیض سے مہماں پھولوں نے

دکھاتی پالنے والوں نے مقراضوں کی مشاقی
نہیں ہے اُون اب دنبوں کے جسموں پر کہیں باقی

زمیں پر مختلف رنگوں سے ہیں کیا خوشنما بوٹے
نگینے ہیں جواہر خانۂ قدرت کے یا بوٹے

وہ موسم آیا ہے آموں کے شجر پھل دینے والے ہیں
یہ گویا پیش خیمہ ہے ثمر اب آنے والے ہیں

نہال اب ہیں شجر پاس آنکے سرمایہ ہے پتوں کا
خزاں میں تھی جہاں دھوپ اب وہاں سایہ ہے پتوں کا

کرامت دھوپ اور سایہ سے ہے زیر شجر ظاہر
سحر میں شام ظاہر شام میں نور سحر ظاہر

شجر کے سایہ میں دھوپ آتی ہے پتوں سے چھن چھنکر
چمکتی ہے زمیں تختہ گل خورشید کا بن کر

زمیں پر آسماں سے چند سیارے اتر آئے
ملی سایہ کی تاریکی تو دن کو وہ نظر آئے

خوش آیا دھوپ میں سایہ کا فیض عام خلقت کو
کہ اسکی سرپرستی سے ملا آرام خلقت کو

چمن میں سربکف آئے ہیں سب گل جتنے آئے ہیں
زمیں کی تہ سے نیچر کا خزانہ لوٹ لائے ہیں

ہوئے خوش برگ گل[ٹ] × × × ورق لیکر
بہار باغ سے رنگیں بیانی کا سبق لیکر

پے گلگشت گلرو آئے تو دیکھا شباب اُن کا
بنا ہنسکر چمن میں ہر گل تازہ جواب اُن کا

مگر پھولوں کو نیچر فیض سے جو رنگ دیتا ہے
وہ آخر گرم ہو کر سورج ان سے چھین لیتا ہے

ہوا ہی نے کھلائے گل ہوا ہی پھر گراتی ہے
زمیں جسنے کیا پیدا وہی پھر ان کو کھاتی ہے

غرض اے شوق اترانا عبث ہے حسن فانی پر
گھمنڈ انساں کو نازیبا ہے دو دن کی جوانی پر

ٹ سمجھ میں نہیں آیا ۔ قد

کس ادا کے ساتھ بیلیں لپٹی ہیں اشجار سے — کیا یہ جوشِ شوق میں ہیں ہمکنارِ سالِ نو
اُڑتے پھرتے ہیں ہوا کے زور پر پھولوں کے ورق — یا زرِ گل کوئی کرتا ہے نثارِ سالِ نو
تو بھی کر انصاف ساقی آج پی کر کیا کروں — بے پئے ہوں میں تو سرمستِ خمارِ سالِ نو
بادۂ انگور سے مدت ہوئی توبہ کیے — پیتے ہیں جامِ محبت میگسارِ سالِ نو
دوستوں پر امن و راحت کی فراوانی رہے — پھول انکے واسطے بن جائے خارِ سالِ نو
گلشنِ ہندوستاں سرسبز ہو شاداب ہو — اسکی خوشحالی پہ ہے یعنی مدارِ سالِ نو
یہ دعا ہے جارج پنجم ہمیشہ ہوں سایہ فگن — ہے انہیں کی ذات سے نقش و نگارِ سالِ نو
سالِ نو کا جس طرح آغاز ہے تسکین بخش — یا الٰہی ہو یونہی انجام کارِ سالِ نو

ہو گلِ مقصود کا گردن میں ہار اب کے برس
شادمانی سے گزر جائے بہارِ سالِ نو

لطفِ بہار

اک روز گلستاں میں جو میرا گزر ہوا — لطفِ بہار و منظرِ بستاں تھا دلکشا
جادو بھرا تھا گل کا ادھر حسنِ جانفزا — بلبل ادھر ترانۂ الفت سے خوشنوا

سبزے کا فرش بادِ بہاری بچھا گئی
شبنم بھی موتیوں کا خزانہ لٹا گئی

کلیاں تھیں اک ادا سے تبسم دکھا رہی — تھیں مسکرا کے بجلیاں گویا گرا رہی
بادِ صبا انہیں تھی کبھی گدگدا رہی — منہ چوم کر کبھی تھی گلے سے لگا رہی

شمشاد کے گلے کا کبھی ہار بن گئی
سنبل کے گیسوؤں کا کبھی تار بن گئی

شاخیں گلوں کی گاہ صبا تھی ہلا رہی — تھی گاہ طفلِ غنچہ کو جھولا جھلا رہی
مستانہ چال سے تھی کبھی لڑکھڑا رہی — انداز لغزشوں کے کبھی تھی دکھا رہی

سوسن کی ہم زباں تھی کبھی ہمکنار تھی
نسرین و نسترن کی کبھی رازدار تھی

تھیں خندہائے گل میں عجب جاں نوازیاں　　نالوں میں بلبلوں کے نہاں تھیں گدازیاں

پیچے کے پیچ پیچ میں افسوں طرازیاں　　نرگس کی چشم مست میں سو سحر سازیاں

کچھ کر رہی تھی غنچوں کو نرگس اشارتیں

آنکھوں سے تھیں ٹپک رہی اسکی شرارتیں

مرغان بوستاں بھی تھے بیتاب نغمہ گر　　بے چین اڑ رہے تھے چمن میں ادھر ادھر

گویا وہ ڈھونڈھتے تھے کسی کو شجر شجر　　قرباں کر رہے تھے وہ دل شاخ شاخ پر

نرگس پہ نسترن پہ گل سبزہ زار پر

شمشاد پر صنوبر و سرو و چنار پر

دھانی لباس پہنے عروس بہار تھی　　زیب گلو کیے ہوئے پھولوں کے ہار تھی

ہر برگ گل سے شان جمال آشکار تھی　　جوبن کے رس بہار پہ جنت نثار تھی

شہرت بہار حسن کی تھی آسمان پر

تعریف اسکی مرغ جناں کی زبان پر

مبارک

فضائے برشگال

اٹھا وہ جھوم کے ساقی چمن میں ابر بہار　　چٹک رہے ہیں شگوفے برس رہی ہے پھوار

سہی قدوں کا ہے جھمگٹ کنار آب رواں　　کہ موج میں لب جمنا ہے گوپیوں کی قطار

ترانہ ریز ہے یوں شاخ سرو پر قمری　　کہ جیسے گاتی ہو مدھ بن میں کوئی سندر نار

ہے موتیوں کی لڑی یا قطار بگلوں کی　　ہوا میں اڑتے ہیں جگنوں کہ چھوٹتے ہیں انار

عجب نشاط ہے بادہ کشو پیو تو سہی

پیام عیش ہے لایا چمن میں ابر بہار

ایضاً

ذوق مے نوشی بڑھاتی ہے گھٹا برسات کی　　اور لے آتی ہے مستوں کو ہوا برسات کی

ابر، دریا، سبزہ، ساقی، یار، مطرب، دختِ رز　　ہوں یہ سب ساماں تو پھر دیکھیں فضا برسات کی

رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں نوعروسانِ چمن　　پتی پتی سے برستی ہے ادا برسات کی

سوناچیں کوئلیں کوکیں پپیہے بول اٹھے　　وصل کے دن آگئے فصل آئی کیا برسات کی

ساقیا جام و سبوسے ایسی آرائش بڑھے

آکے میخانے پہ صدقے ہو گھٹا برسات کی

بہار

بگھیاں پھولوں کی کرتیار لے بوئے سمن　　کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانانِ چمن

عالمِ اطفالِ نباتات پہ ہوگا کچھ اور　　گرے کا بے سبھی پھینکنگے نئے کپڑے پہن

کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر　　کرے گی نازپہ جلوہ کی دکھائیگا پھبن

نسترن بھی نئی صورت کا دکھائیگا رنگ　　کوچ پر ناز کی جب پاؤں رکھیگا بن ٹھن

اپنے گیلاس شگوفے بھی کرینگے حاضر　　آکے جب غنچہ و گل کھولینگے بوتل کا دہن

اور ہی جلوے نگاہوں کو لگیں گے دینے　　اودی باناتی کی کرتی سے شگوفے سوسن

بیتے بلبل کے بجاوینگے فرنگی طنبور　　لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن

کھینچکر تار رگ ابر بہاری سے کبھی　　خود نسیم آئے گی اپنی وہ بجاتی ارگن

اپنی سنگینیں چمکتی ہوئی دکھلاویں گے　　آپڑے گی جو کہیں نہر پہ سورج کی کرن

آئیگا نذر کو شیشے کی گھڑی لیکے حباب　　یاسمیں پتوں کی پہنیں میں چلے گی بن ٹھن

نکہت آئے گی نکل کھول کلی کا کمرہ　　ساتھ ہولیگی نزاکت بھی جو ہی اسکی بہن

نقشِ ثانی

ہی قلزمِ طبع میں روانی ہوا ہے آہنگ شعرخوانی　　کرے جو ساقی بھی مہربانی دو چند ہو قوتِ بیانی

زباں کی رُت بدل گئی ہے خزاں چمن سے نکل گئی ہے　　ہر ایک کونپل سنبھل گئی ہے ہوئے ہیں اشجار دھانی دھانی

فرو ہوئی گردِ کلفتِ غم ہوا درختوں کا اور عالم　　ہر ایک پودہ ہے شاد و خرم قبائے ہر گل ہوا ارغوانی

کہیں ہے غنچہ کا سر وقد تھا کہیں ہے نرگس کی چشمِ شہلا　　کسی طرف گل کا روئے زیبا کہیں ہے سوسن کی صد زبانی

کہیں ہے نسرین کہیں ہے چمپا کہیں ہے شبو کہیں ہے لالہ　　کہیں ہے جوہی کہیں ہے بیلا کہیں ہے صد برگ زعفرانی

چمن میں بلبل چہک رہی ہے شمیم ہر سو مہک رہی ہے　　یہ آتشِ گل بھڑک رہی ہے کہ جل گئی صرصر خزانی

کہیں پپیہے کی پی کہاں ہے کسی طرف عندلیب کی فغاں ہے　　کہیں یہ کوکو ہے قمریاں ہیں کہیں عنادل کی نغمہ خوانی

اداسے کبک دری کی خراماں ہو قمری طاؤس آفت جاں
ستم ہے کوئل کی کوک ہر سو بنا ہے بلبل کی خوش بیانی

چمک ہے بجلی کی یا تماشہ گرج کا ہے ایک شور برپا
اٹھا ہے مغرب سے ابر کالا برس رہا ہے چمن میں پانی

دم گرم اور صحن گلشن طیور ہر طرف چہچہا زن
ہو کون وقت اور اس سے احسن بہار کے دن ہیں جوانی

کدھر ہے ساقی سبز پیکر بپا ہے رندوں کے غل سے محشر
دکھا دے اب جلد روئے انور پئے خدا چھوڑ لن ترانی

ہر ایک میخوار منتظر ہے چلے بھی دور اب کہیں پیالے
ملا دے ہونٹوں سے ساغر مے خمار سے ہو نہ سر گرانی

اگر میسر ایاغ ہووے تو چاک یکسر دماغ ہووے
دل حزیں باغ باغ ہووے سناؤں دلکش عجب کہانی

پڑھوں نشے میں وہ نظم دلکش کہ جس سے ہو جائے دل مشوش
سنیں تو ہوں فرط وجد سے غش نظامی و سعدی و قاآنی

وہ نظم بے مثل ہے سراپا کروں بھلا وصف اس کا میں کیا
سنا رہی ہے قصور اپنا زباں خود اپنی بجا زبانی

عجب دل آویز مثنوی ہے کلام پاکیزہ تقی ہے
بہار باغ سخنوری ہے نہال سرسبز نکتہ دانی

وہ اصل ہندی کی ہے حکایت مگر ہوئی ترجمے سے جدت
بدل کے اس لہر کی صورت جمایا کیا خوب نقش ثانی

یہ کیا خوش اسلوب نظم لکھی شبیہ قصے کی خوب کھینچی
عجب قلم نے مصوری کی غرض ہے حیرت میں سب مانی

سطور ہیں یا کہ جعد سنبل ہیں زاسے یا کہ عارض گل
نقاط میں خال لالہ بالکل الف ہے یا سرو بوستانی

ہوا جو یہ ماہوش دوبارہ زبان اردو میں جلوہ آرا
یہ تخت طالع کا اشارہ کہ ختم ہے جن پہ قدردانی

وہ گلشن فیض کے شجر ہیں نہال بخشش کے جو ثمر ہیں
بحر سخاوت کے وہ گہر ہیں بنا ہے جود و عطا کے بانی

ہر ایک فن میں خلیل ہیں وہ عجیب فہم و عقیل ہیں وہ
وحید بے قال و قیل ہیں وہ نہیں ہے اب جن کی اکا ثانی

ملا تقی کو جو حکم محکم بہت ہوئے دل میں شاد و خرم
کیا نہ پھر تو توقف لکم تلاش کرنے لگے معانی

قطعہ

فصل کا مری

پھر طبیعت جوش کی بے جوش پر آئی ہوئی
آم کے باغوں پہ ہے کالی گھٹا چھائی ہوئی

مست بھنورا گو سمجھا پھرتا ہے کوہ و دشت میں
شیخ پھرتی ہے کسی وحشی کی گھبرائی ہوئی

پھر حسینوں نے گھٹا آتے ہی زلفیں کھول دیں
ہر ادا ساغر ہوئی ہر سانس انگڑائی ہوئی

آم ٹپکے آئیں شاخیں سامنے ساغر بکف
اٹھ رہی ہے ہر طرف پھر آنکھ للچائی ہوئی

فصل کی رگ رگ میں گردش کر رہا ہے گرم خون
گا رہی ہیں کوئلیں فرقت کی تڑپائی ہوئی

پھول کے بنگلے بنے ہر شاخ میں جھولے پڑے
پھر گھٹے باغوں میں ہیں بزم آرائی ہوئی

پوست خوشبو دے رہا ہے آم میں رس آگیا
سبز پتے ہو گئے ہر آنکھ شیدائی ہوئی

پھر اٹھا ابر سیاہ پھر سوزِ غم کے فیض سے
اشک جھلکے نور سے لبریز مینائی ہوئی

پھر گھٹا سے نشہ برسا روح سے نغمے اٹھے
پھر ہوا سے کیف ٹپکا بادہ پیمائی ہوئی

آئیں پھر بازار میں کمسن پھلیندے والیاں
ہاتھ انگڑائی کی صورت آنکھ شرمائی ہوئی

جوشؔ اب سنجیدگی کا بار اٹھ سکتا نہیں
آسماں پر چھائے یہ رنگینیاں چھائی ہوئی

جوش

موسم بہار

موسم ہے نکلے شاخوں سے پتے ہرے ہرے
پودے چمن میں پھولوں سے دیکھے بھرے بھرے

آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمع دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

کیا سمجھیں اُسکے رتبۂ عالی کو اہلِ خاک
پھرتے ہیں جوں سپہر بہت ہم ورے ورے

گلشن میں آگ لگ رہی تھی رنگِ گل سے میرؔ
بلبل پکاری دیکھ کے صاحب پرے پرے

میر

--- ✻ ---

مناظر حیوانی

ابابیل

جان ہے ننھی سی تو ننھی تری آواز ہے
ننھے ننھے بال و پر، ننھا ترا انداز ہے

خال عارض سے سیاہ تر ہے تری چشم بصیر
سحر ہے جادو ہے تو، یا کوئی افسوں ساز ہے

آنکھ میں تیری لگا ہے سُرمۂ دنبالہ دار
زلف ہے مشکیں تری کالی تری پشواز ہے

شانۂ مشاطہ کی تجھ کو نہیں ہے احتیاج
بے نیازی حسن کی تیرے سراپا ناز ہے

تجھ کو مل جاتا ہے ہر نوروز پہ رختِ حریر
حاجتِ خیاط ہے نے منتِ بزاز ہے

سقف و دیبہ میں ننھا سا نشیمن ہے ترا
گو فلک تک صبحدم تو مائل پرواز ہے

لذت دنیا کا چسکا اس قدر اچھا نہیں — کچھ خبر تجھکو مآل کار کی اصلا نہیں

بارہا چکھا مگر دیکھی نہیں ایذا کبھی — اس لیئے تو ذائقے پر دیتی ہے شکر کے جی

یاد رکھ لذت پسندی کی یہ لت اچھی نہیں — اور بھی چیزیں ہیں میٹھی ایک شکر ہی نہیں

لذت دنیا میں دیکھ اچھا نہیں یہ انہماک — اے مگس ہونا پڑے گا ایک دن تجھکو ہلاک

نیش کچھ بیٹھے بھی ہیں یاں جو بشکل نوش ہیں — اے مگس ہموار راہوں میں چہ خس پوش ہیں

کھینچ لے جائیگا ذوق قند اک دن تا عسل — کیا ہوا گر بچ گئی تو آج پھنس جائے گی کل

شہد فی الاصل آب حیواں بھی اگر ہو فی المثل — ڈوبنے والے کے حق میں ہو وہ تلخ آب اجل

لطف کے تشنے کو کچھ حاجت نہیں ہے زہر کی — گر پڑے جو مر جائے، اسکو کیا ضرورت زہر کی

ہوگئی ہے بوالہوس آخر اسیر دام حرص — اب کف افسوس مل، اور دیکھ لے انجام حرص

جان شیریں کے عوض پایا ہے تو نے شہد آہ — خوب اب جی بھر کے پی لینا نہیں ہرگز گناہ

بے ٹھکانے لگ گئی، ہاں آگئی کیا جی کو کل — اے مگس اب تا دم آخر ہے تو اور ہے عسل

رشتۂ طول امل خود بن گیا زنجیر پا — لذت عیش جہاں کی بس نہیں ہے انتہا

اب کف افسوس ملنا اور رگڑنا ایڑیاں — بعد قطع رشتۂ جاں یہ کٹیں گی بیڑیاں

دیدنی ہے ہمت پروانۂ آوزہ پرست — کر گئی ہے عرصۂ ہستی کو جس کی ایک جست

واہ اس ننھی سی جاں میں کتنی ہے تاب و تواں — طور شعلہ پر چڑھا پروانۂ آتش بجاں

جل کے سوز عشق سے دم بھر میں ٹھنڈا ہو گیا — اسکی خاکستر ہے یا گلزار ابراہیم کا

شاطر

تتلی

آ ٹھہر جا پیاری تتلی شاخ گل پر کوئی دم — تیرے ان رنگیں پروں کے ہیں بہت مشتاق ہم

حسن صدقے ہے تیرے رنگ پر پرواز پر — لوٹی جاتی ہیں ادائیں تیرے ہر انداز پر

تیرتا پھرتا ہے ہوا پر ساغر زریں کوئی — کر رہا ہے سیر یا معشوقۂ رنگیں کوئی

بن کے یوسف حسن خود آیا ہے یا بازار میں — پڑ گئی ہے جان تازہ یا گل گلزار میں

یا مصور شوخی معشوقۂ رعنا ہے تو — یا مجسم رنگ روئے عاشق شیدا ہے تو

جسم ہلکا سا ترا نازک سبک اور پر سبک — آتش گلشن کے ہیں شعلہ سبک اخگر سبک

کالی، پیلی، نیلی، عنابی، گلابی، سبز، لعل | تو نظر جس رنگ میں آتی ہے دلکش ہے کمال
ہلکی پھلکی گرچہ ہے تو اک ذرا سی جان نثار | دیکھتے ہیں تجھ میں ہم نیرنگ قدرت کی بہار
باعثِ حیرت ہے رنگینی تری ہم کیا کہیں | پھول اک اڑتا ہوا یا باغ چھوٹا سا کہیں
کر رہے ہیں سیر یا خود رنگ و روشن بال و پر | ٹکڑے یا قوس قزح کے اڑتے آتے ہیں نظر
اڑتے پھرتے دیکھ کر تجھ کو ہوا میں شاد شاد | اک عجب حسرت سے بچپن کی ہمیں آتی ہے یاد
سخت کوشش پر ہماری بھی جو ہاتھ آتی تھی تو | تجھ تلک چٹکی پہنچتی تھی کہ اڑ جاتی تھی تو
معترف ہوتے تھے چالاکی کے تیری دمبدم | اور ہوا میں تجھ کو پہروں تاکتے رہتے تھے ہم
آہ وہ دن کیا ہوئے جب رنج و غم سے دور تھے | تتلیوں سے بھی سوا معصوم تھے مسرور تھے
اب وہ اگلی سی آزادی نہ اگلا سادہ دل | اب فقط ہے گردشِ ایام و طبع مضمحل
اب کہاں ننھا سا دل اور آرزوئے رنگ و بو | صحنِ گلشن میں کہاں اب تتلیوں کی جستجو
ننھی تتلی تیری ہستی کا اگر ظاہر ہو راز | منکشف ہو رشتۂ خلق و خدائے بے نیاز
ہاں وہ محفل اور تھی سامانِ محفل اور تھا | سچ تو یہ ہے کہ وہاں ہم اور تھے دل اور تھا

جگت موہن

گھوڑا

وہ جست و خیز، سرعت و چالاکی سمند | سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اس کے جوڑ بند
سُم قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند | نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند
گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ اڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال | کبک دری خجل، دلِ طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال | اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
راکب نے سانس لی کہ وہ کوسوں روانہ تھا
تارِ نفس بھی اس کے لیے تازیانہ تھا

بجلی کبھی بنا کبھی راہوار بن گیا | آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا
گہ قطب گاہ گنبدِ دوّار بن گیا | نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا

حیران تھے اسکی گشت پہ لوگ اِس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

انیس

تتلی

تتلی ہے چمن میں اک رنگیلی — پیاری چنچل نئی نویلی
چلتی پھرتی چمن میں ہر سو — اُڑتی ہوئی پہنچی تا لب جو
چپہ چپہ چمن کا پامال — مانند شرار و برق تمثال
منظور نظر کلی کلی ہے — ہر ایک روش پہ بیکلی ہے
سبزے پہ کبھی نہال پر ہے — گل پر کبھی شاخ پر نظر ہے
غنچوں کی بنی کبھی تو دمساز — نکہت کی طرح کبھی ہے پرواز

قابو میں نہیں جو قلب مضطر
اک جا پہ نہیں قرار دم بھر

چڑیاں

چڑیوں کا اِدھر اُدھر سے آنا — چھوٹے چھوٹے پھلوں کا کھانا
کچھ سبز ہیں جنکے لال سر ہیں — کچھ زرد سنہری جنکے پر ہیں
کچھ جن میں سپیدی اور سیاہی — کچھ جن کے سروں پہ تاج شاہی
کچھ جن کے زمرّدیں ہیں بوٹے — نقطے پوٹوں پہ چھوٹے چھوٹے
پانی میں اِدھر اُدھر نہا کر — بیٹھیں شاخوں پہ پر پُھلا کر
مینا کہیں غل مچا رہی ہے — بلبل کہیں بیٹھی گا رہی ہے
طوطا پیارا زبان شیریں — لہجہ شیریں بیان شیریں
شاماں کی صدا سے سب ہیں بیچین — چنڈول جو بولے دل لُٹے چین
دہیز کیا خوب نغمہ خواں ہیں — بھنگراج ہزار داستاں ہے
رفتار تدرو بانکپن کی — تصویر کھنچی ہوئی پھبن کی
ہر شکل کے ساتھ جلوہ گر حسن — جو کچھ ہے وہ قصہ مختصر حسن

شوق قدوائی

کیونکر نہ تری ہو دلمیں توقیر ہے ذات تری وفا کی تصویر
دلمیں ترے نور حق سمایا دشمن سے رسول کو بچایا
کعبہ کا طواف تجکو حاصل ہے حق کی طرف تو صاف مائل
پایا ہے ضرور تو نے ایماں لازم ہے کہوں تجھے مسلماں

محمد عبد العزیز
باندپچوری

قمری

ہم نے قمری عجیب پالی ہے عاشق حسن لایزالی ہے
کیا ہی نازوں سے اسکو پالا ہے قفس نقرئی میں ڈالا ہے
جب میں پنجرے کے پاس جاتا ہوں پیار سے ہاتھ پر بٹھاتا ہوں
پیاری پیاری وہ نور کی گردن جس پہ قربان حور کی گردن
وہ گلا خوشنما صراحی دار چاہتا ہوں کہ کروں بہنچ کے پیار
لال لال اُس کی نرگس گلفام یا بھرا ہے شراب سرخ کا جام
اس پہ طرہ ہے سرخی منقار گل سمجھ کے نہ کرے بلبل پیار
رنگ منقار ارغواں یکسر یا دھڑی پان کی ہی ہونٹوں پہ
یا کوئی ناخن حنائی ہے ہائے کیا سرخ چونچ پائی ہے
کبھی سرکش گل چمن کی طرح سنگوں ہی کبھی دُلہن کی طرح
زیب زینت سے اسکو آن بن ہے سادگی میں ہزار جوبن ہے
جسم نقرہ صفت تمام سپید صاف براق رنگ قابل دید
ہے صدا اسکی مونس دل زار ہے تصدق ہزار صحبت ہزار
ہائے وہ اسکی مست کن آواز گویا بابِ سماع ہو گیا باز
گیت توحید کا سناتی ہے راہِ حق کی طرف بلاتی ہے
بس ہے حق سرہ سے کام اُسے ورد اللہ کا ہے نام اُسے
ضرب نامِ خدا لگاتی ہے دل تو ننھا سا اور یہ چھاتی ہے
شور کرتی ہے غل مچاتی ہے چُپ کبھی تھک کے بیٹھ جاتی ہے

آمجد

مضطرب ہو کے پھر پکارتی ہے ۔۔۔ چونچ کھٹ کھٹ زمیں پہ ملتی ہے
نعرۂ ہو سے دل ہلاتی ہے ۔۔۔ کہہ کے حق سرّہ جگاتی ہے

کوّا

کوّے ہیں سب دیکھے بھالے ۔۔۔ چونچ بھی کالی پر بھی کالے
کالی کالی وردی سب کی ۔۔۔ اچھی خاصی اُنکے ڈھب کی
کالی سینا کے ہیں سپاہی ۔۔۔ ایک سی صورت ایک سیاہی
لیکن ہے آواز بُری سی ۔۔۔ کان میں جا لگتی ہے چھُری سی
یوں تو کوّا ہے حرص کا بندہ ۔۔۔ کچھ نہ چھوڑے پاک نہ گندہ
اچھی ہے پر اسکی یہ عادت ۔۔۔ بھائیوں کی کرتا ہے یہ دعوت
کوئی ذرا سی چیز جو پائے ۔۔۔ کھائے نہ جبتک سب کو بلائے
کھانے دانے پر ہے گرتا ۔۔۔ پیٹ کے کارن گھر گھر پھرتا
دیکھ تو وہ دیوار پہ بیٹھا ۔۔۔ غلّہ کی ہے مار پہ بیٹھا
کیوں کر باندھوں آپ نشانہ ۔۔۔ بے صبرا چوکنّا سیانا
کائیں کائیں کرتا پنکھ پسارے ۔۔۔ کرتا ہے یہ بھوک کے مارے
تاک رہا ہے کونہ کھُدرا ۔۔۔ کچھ دیکھا تو نیچے اُترا
اسکو بس آتا ہے اُچھلنا ۔۔۔ جانے کیا وہ پاؤں سے چلنا
اُچھلا . کُودا ، لپکا ، سُکڑا ۔۔۔ ہاتھ میں تھا بچے کے ٹکڑا
آنکھ بچا کر جھٹ سے بھاگا ۔۔۔ واہ رے تیری پھرتی کاگا
ہا ہا کرتے رہ گئے گھر کے ۔۔۔ یہ جا وہ جا چونچ میں بھر کے
پیڑ پہ تھا چڑیا کا بسیرا ۔۔۔ اُس کو ظالم نے جا گھیرا
ہاتھ لگا چھوٹا سا بچہ ۔۔۔ نوچا پھاڑا کھا گیا کچا
چڑیا رو رو جان ہے کھوتی ۔۔۔ ہے ظالم کی جان کو روتی
چیں چیں چیں چیں دیکے دُہائی ۔۔۔ اپنی بپتا سب کو سنائی

کون ہے جو فریاد کو پہنچے | بے چاری کی داد کو پہنچے
بچنے پر جب کی آئی | کوّوں نے جالوٹ مچائی
دودھیا بھٹّا چونچ سے چیرا | سچ مچ کا ہے اُٹھائی گیرا
رکھوالے نے پائی آہٹ | گوپھن لیکر اُٹھا جھٹ پٹ
ہریا ہریا شور مچا کر | ڈھیلا مارا تڑسے گھما کر
سُن کے تڑاقا کوّا بھاگا | تھوڑی دیر میں پھر جا لاگا
لالچ خورا ڈھیٹ نڈر ہے | ڈاکو سے کچھ اس میں کسر ہے
ڈاکو ہے یا چور اُچکّا | پر ہے اپنی دُھن کا پکّا

بھونرا

طائر خوش خرام نام مرا | الفتِ حسن ہے پیام مرا
میری ہستی ہے پھول کی خوشبو | غنچہ و گل کی دید کام مرا
وادی و کوہ سیر گاہ مری | باغ مسکن ہے صبح و شام مرا
نہیں کس گل سے سیم و راہ مری | سب پہ پھیلا ہوا ہے دام مرا
پھول پھولے نہیں سماتے ہیں | مسکراتے ہیں سُن کے نام مرا
جتنے یہ کجکلاہ غنچے ہیں | جھک کے لیتے ہیں سب سلام مرا
مانتے ہیں صنوبر و شمشاد | سرو آزاد ہے غلام مرا
بادۂ حسن کا نشہ ہے مجھے | مے الفت سے پر ہے جام مرا
حسن کو ڈھونڈتا ہوں ہر گل میں | ذوقِ دیدن ہے قدر عام مرا

جستجوے گل است ہستی من
ہوشیاری نثار مستی من

شاہد گل کا حسن جاں پرور | کوئی دیکھے گا مجھ سے کیا بڑھکر
ابھی اس کے جمالِ رعنا تک | نہیں پہنچی نگاہِ ذوقِ نظر
ابھی اس بھینی بھینی خوشبو سے | نہیں مہکا مشامِ بادِ سحر

ابھی اس پیارے پیارے چہرے کو — نہیں دھویا ہے اوس نے آکر
اس کی شہرت کا چارسو پیغام — نہیں لیکر گئی نسیم سحر
حال پر عندلیب نالاں کے — نہیں کی اس نے مسکرا کے نظر
اس دل آویز حسن زیبا کی — نہیں گلچیں کو خواب میں بھی خبر
میں ہوں اس حال میں بھی گل سے قریں — ہیں عنایات اس قدر مجھ پر
ہمنفس ہوں، انیس و محرم ہوں — میری الفت میں اسقدر ہے اثر

مجلہ آرائے خلوتستم من
بزم پیرائے جلوتستم من

داد گلگشت دے رہا ہوں میں — محو ہر رنگ و ہر ادا ہوں میں
پیار کرتا ہوں جا کے گیندے کو — منہ بنفشے کا چومتا ہوں میں
آنکھ نرگس سے جا لڑاتا ہوں — مائل چشم فتنہ زا ہوں میں
لگ چلا ہنس کے سیوتی سے کبھی — کبھی چنپا سے جا ملا ہوں میں
کبھی جوہی سے چھیڑ کر بیٹھا — دل لگی میں کوئی بلا ہوں میں
یاسمن سے ہی میری سرگوشی — موتیا سے سخن سرا ہوں میں
ہے نسیم سحر سے یارانہ — رازدار دل صبا ہوں میں
دل دکھاتا نہیں کسیکا کبھی — رہرو جادۂ صفا ہوں میں
سر خذ ما صفا سے واقف ہوں — علم دع ما کدر پڑھا ہوں میں

دلم از نور مہر معمور است
رسم بیگانگی ز من دور است

فن نظارہ میں ہوں میں یکتا — سب کو لازم ہے اقتدا میرا
مجھ سے اہل نظر یہ گر سیکھیں — میں ہوں ذوق سلیم کا پتلا
حسن سے مجکو ہے لگاؤ مگر — دل کسی پھول کو نہیں دیتا
روگ دل کو نہیں لگاتا میں — گرمی شوق کا ہوں متوالا

میرا مطلوب ہر جگہ موجود — میرا محبوب ہر طرف پیدا
نہیں میرا مثال بلبل زار — شیوۂ کار جھینکنا، رونا
گل کو نفرت نہیں دلاتا میں — شوق اپنا جتا کے حد سے سوا
نہیں میں زید و عمرو کا پابند — ہیں مقید رہوں دام الفت کا
ہے ہر اک گل نگاہ میں میری — شوخ سے شوخ سادہ سے سادہ

در تصور چہ انجمن دارم
جلوۂ گل چمن چمن دارم

رزم بزم

تلوار

اللہ رے آمد آمد شمشیر دوزباں — ششدر تھے چار لاکھ کہ کیا شے ہے الاماں
جنبش نہ ہاتھ میں تھی نہ تیغوں کے درمیاں — مسلول کے پنجے میں ہوں جیسے چھ انگلیاں

ضرب اک طرف کہ سائے میں اسکے مفر نہ تھا
قبروں میں ایک مردے کی گردن پہ سر نہ تھا

اُس سے اُلجھ گئی کبھی اِس سے اُلجھ گئی — برش نئی، صفائی نئی کجرخی نئی
جس سر سے لگ چلی تو الگ سر سے ہٹ گئی — گہ زرد، گہ سفید ہوا چرخ سُرمئی

بھاگے ہوؤں کو ضرب پہ لاتی تھی گھیر کر
دو کرتی تھی اُڑتی ہوئی رنگت کو پھیر کر

گہ ہمدمی صور سرافیل کرتی تھی — گاہے عیادتِ پرِ جبریل کرتی تھی
گہ برج مہر، ماہ میں تحویل کرتی تھی — برش زیادہ چلنے میں تعجیل کرتی تھی

محوِ نظارہ مردمِ نظارہ ہوگئے

دل رخنہ رخنہ کرکے زرہ کو اُڑا دیا
طائر کو جال، جال کو طائر بنا دیا
خوں موجزن کا تیغ کی گرمی سے تھا یہ حال   شبنم کا جیسے صبح کو خورشید سے زوال
جب یہ کڑی ہوئی تو زرہ ہو گئی نڈھال   فولاد بہ گیا عرقِ شرم کی مثال
جی پر بنی زرہ کی جو صورت بگڑ گئی
کیا دن دہاڑے دشمنوں پر اوس پڑ گئی
طاؤسِ فلک سیرِ ارم جلوہ گری تھا   بُو گل میں تو گلشن میں نسیمِ سحری تھا
صیحہ سے عیاں قہقہۂ کبکِ دری تھا   آہو تھا چرندوں میں پرندوں میں پری تھا
کاوے کی ثنا کیجیے دل اسپ پہ تُلا ہے
دریا سے کوئی عقدۂ گرداب کھلا ہے
غل تھا چکور آگ کو کھا کر نکل گیا   مرکب کا جگر چیر کے رکب نکل گیا
بے روح ہوا دل جو وہ پیکِ اجل گیا   سینے کا لہو بہ کے جو گردن میں ڈھل گیا
بے جان و جگر قلب بہم رہ گئے باقی
طاؤس اُڑا نقشِ قدم رہ گئے باقی
چمکی، گری، اُٹھی، اِدھر آئی اُدھر گئی   خالی کیے پرے تو صفیں خوں سے بھر گئی
کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گری   ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی
غل رن میں تھا یہ کیا ہے جو قہرِ صمد نہیں
ایسا تو رودِ نیل میں بھی جزر و مد نہیں
بجلی گری کہ فوج پہ یہ تیغ دوسر گری   کٹ کر کسی کی تیغ کسی کی سپر گری
چمکی کبھی فلک پہ کبھی فرق پر گری   سر کاٹ کر اِدھر سے اُٹھی جو اُدھر گری
زرہیں تنوں میں مثلِ کفن چاک ہو گئیں
اک آن میں صفیں کی صفیں خاک ہو گئیں
اِک شور تھا کہ تیغ ہے یا ہے خدا کا قہر   بہتی ہے جس کی آگ سے کوسوں لہو کی نہر

ناگن وہ ہے کہ کاٹے کی جس کے نہیں ہے لہر   اُتری گلے سے چڑھ گیا سارے بدن میں زہر
زخموں سے جگر دڑسے کلیجے فگار ہیں
جوہر نہیں ہیں تیغ میں دندانِ مار ہیں

یکتا بُرش میں جوہرِ ذاتی میں قدر میں   چمکی اُحد میں خیبر و خندق میں بدر میں
تیزی رہی تھی سان کی آشوبِ غدر میں   بڑھ کر سپر سے سر میں گئی سر سے صدر میں
کھنچتے ہوئے سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زین تھا نہ تنگ تھا

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی یہ گری   برچھی سے اُڑ گئے وہ سناں یہ گرہ گری
ترکش کٹا، کمانِ کیانی زرہ گری   یہ سر اُڑا، وہ خود اُڑا یہ زرہ گری
آتی ہے لشکروں پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برقِ قہر الٰہی اسی طرح

سر لوٹتے تھے برچھیوں والوں کے ہر طرف   ٹکڑے پڑے تھے دشت میں بھالوں کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالوں کے ہر طرف   پرکالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالوں کے ہر طرف
خاطر نشاں نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھیں کٹی ہوئیں شاخیں کمان کی

کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے   تنتی تھی بس تنوں سے زمیں پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے   دم اور بڑھ گیا تھا۔ لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانیے ملا تھا مزا کیا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر ہاتھ میں اڑا کے کلائی۔ نکل گئی   کوندی گری زمیں میں سمائی۔ نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی۔ نکل گئی   مچھلی تھی اک کہ دام میں آئی۔ نکل گئی
چار آئینہ کے پاس تھی۔ اس آب و تاب سے
جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر　　پنجوں سے ہاتھ شانوں سے بازو تنوں سے سر
قبضے سے تیغ بند سے ندہ ہاتھ سے سپر　　برچھی سے پھل کماں سے زرہ زین سے تبر
ترکش کہیں پڑے تھے نشانِ ندی کہیں
پیکاں کہیں تھے پشت کہیں تھی سری کہیں

جب صف پہ وار کرتے تھے سلطانِ بحر و بر　　اڑتی تھی کٹ کے صورتِ کاغذ ہر ایک پر
چھٹتی تھیں بھاگی جاتی تھیں گرتے تھے خاک پر　　قبضوں سے تیغیں جسم سے روحیں تنوں سے سر
شل تھے قدم گریز کے کوچے بھی بند تھے
شعلہ وہ تیغ تھی سرِ اعدا سپند تھے

چھپتے تھے یوں وہ دیکھ کے اُس تیغ کی چمک　　بھاگے شعاعِ مہر سے جس طرح شپرک
اوجِ سما سے زلزلہ برپا تھا تا سمک　　چمکی وہ جب تو کانپ گئے چرخ پر ملک
ہر شے تھی خوفِ جاں سے خضوع و خشوع میں
سجدے میں تھی زمیں تو فلک تھا رکوع میں

پُرخم وہ تیغ کا تھا وہ کاٹ وہ آب و تاب　　آتش کسی جگہ کہیں بجلی کہیں سحاب
سیلی تھی اِک پری کے شکم پر کہ تھی تاب　　تیزی زباں میں وہ کہ فرشتوں کو دے جواب
جوہر سے اس کا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے میں حور کے ہیرے کا ہار تھا

پیاسی بھی خونِ فوج کی اور آبدار بھی　　عمل تھا کہ ایک گھاٹ میں پانی بھی نار بھی
بجلی بھی ابرِ تر بھی خزاں بھی بہار بھی　　تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی
پانی نے اس کے آگ لگا دی زمانے میں
اک آفتِ جہاں تھی لگانے بجھانے میں

نیزوں کے بند بند قلم برچھیاں دو نیم　　مثلِ قلم زبانِ درازِ سناں دو نیم
چار آئینہ کٹے ہوئے گرزِ گراں دو نیم　　مغفر سے تا کمر جسمِ پہلواں دو نیم
سالم تھا پیش آئینہ تیغ جو دو نہ تھا

لشکر میں کون تھا وہی یکتا جو دو نہ تھا

وہ تیغ جب بڑھی صفِ کفار ہٹ گئی
چمکی جو برق ڈھالوں کی بدلی سمٹ گئی
دم بھر میں یوں صفوں کو الٹ کر پلٹ گئی
رن کی زمیں لہو کے ترشح سے اٹ گئی
دریا کا آب تیغ سے بے آبرو ہوا
غل تھا کہ لو فرات کا پانی لہو ہوا

تلوار

جلوہ کیا بدلی سے نکل کر مہِ نو نے
دکھلائے ہوا میں وہ مزا شمع کی لو نے
تڑپا دیا بجلی کو فرس کی تگ و دو نے
تاکا سپرِ مہر کو شمشیر کی ضو نے
اعدا تو چھپانے لگے ڈھالوں میں سروں کو
جبریل نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو

بجلی سی جو گر کر صفِ کفار سے نکلی
آوازِ بزن تیغ کی جھنکار سے نکلی
گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی
در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی
تھے بند خطا کاروں پہ در امن و اماں کے
چلے بھی چھپے جاتے تھے گوشوں میں کماں کے

افلاک پہ چمکی کبھی سر پہ کبھی آئی
کوندی کبھی جوشن پہ سپر پر کبھی آئی
گہ پھر گئی سینہ پہ جگر پر کبھی آئی
تڑپی کبھی پہلو پہ کمر پر کبھی آئی
طے کر کے پھری کونسا قصہ تھا فرس کا
باقی تھا جو کچھ کاٹ وہ حصہ تھا فرس کا

سب پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی
ندی ادھر اک خوں کی ابلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی
پی پی کے لہو زہر اگلتی ہوئی آئی
سبزا تھا بدن رنگ زمرد سے نکھر تھا
جوہر نہ کہو پیٹ جواہر سے بھرا تھا

ایضاً

جس مورچے میں لیلئ تیغ دو سر گئی — چنگے بھلوں کو سایہ سے دیوانہ کر گئی
ہر صف کی خاک اڑائی ادھر سے ادھر گئی — پھر یہ نہا نہا کے لہو میں نکھر گئی
عالم نہ پوچھو قطرہ فشانی کے حسن کا
جوبن ٹپک رہا تھا جوانی کے حسن کا

آگے کبھی بڑھی کبھی پیچھے کو پھر مڑی — سر پہ جو لڑکھڑائی تو شانوں پہ گر پڑی
تجویز جو لعینوں نے کی وہ مضر پڑی — افتاد ان سے پوچھیے یہ جن کے سر پڑی
اٹھی، گری، بلند ہوئی، پست ہو گئی
پی پی کے میکشوں کا لہو، مست ہو گئی

چھائی جو سر پہ شامیوں کے رات ہو گئی — ان کی زمین پردۂ ظلمات ہو گئی
برسا وہ مینہ سروں کا کہ برسات ہو گئی — معجز نمائی اسکے لیئے بات ہو گئی
تاثیر چشم، زخم بدن کو دکھا گئی
مثل نظر بدن کو لگی اور کھا گئی

نیزے تنے تو اسنے کہا دیکھے بھالے ہیں — بچتی نہ خنجروں سے کہ گودی کے پالے ہیں
برسے جو تیر سمجھے کمانوں کے نالے ہیں — اٹھے جو گرز بولی کہ منہ کے نوالے ہیں
تنگ اپنا جان کر نہ کسی سے بگڑتی تھی
ہر پھر کے آپ اپنی طبیعت سے لڑتی تھی

ایضاً

طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے — آگے تھا ہرن شیر سے اور شیر ہرن سے
غل تھا یہ جری مثل یداللہ لڑے گا — تر ہو گی زمیں خون سے وہ رن آج پڑیگا
کیا ہاتھ تھا، کیا تیغ تھی، کیا ہمت عالی — دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی
جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی — بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی
ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا — تھا شور کہ مینہ آج برستا ہے سروں کا
نکلی جو کمر سے تو چلی خانۂ زیں پر — زیں سے گئی مرکب پہ تھمی مرکب سے زمین پر

حسن تیغ

نے خُود نہ چہرہ نہ جھلم چھوڑتی تھی وہ — نے ہاتھ میں بیرق نہ علم چھوڑتی تھی وہ

آجاتی تھی آواز سے ضرب کی زد سے — غُل تھا کہ یہ کڑیاں نہیں اُٹھنے کی جد سے

نرغے جو پڑا بول، کوئی بول کے آیا — یہ شیر بھی شمشیرِ دو دم تول کے آیا

شہبازِ اجل صید پہ پر کھول کے آیا — اُڑتا ہوا سے رینچ میں اغول کے آیا

حق جس کی طرف ہو وہ زبردست رہا ہے — سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

سو سو کو ہر اک ضرب میں کٹتے نہیں دیکھا — یوں غیظ میں شیروں کو جھپٹتے نہیں دیکھا

بڑھ کر کبھی جرّار کو ہٹتے نہیں دیکھا — گھوڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہیں دیکھا

جب ہاتھ اٹھا برچھیوں تھرّاتا ہے گھوڑا
پتلی کے اشارے کو سمجھ جاتا ہے گھوڑا

جذباتِ فطرت

حُسن

اے حسن تیرا جلوہ دونوں جہان میں ہے — تو پردۂ زمیں پر تو آسمان میں ہے

تو ہر مکین میں ہے تو ہر مکان میں ہے — تو ہر زبان میں تو ہر بیان میں ہے

تیرا ہے شش جہت میں چاروں طرف اُجالا
کوئی نہیں جہاں میں تیری سی شان والا

شام و سحر میں تو ہے شمس و قمر میں تو ہے — شاخ و شجر میں تو ہے برگ و ثمر میں تو ہے

ہر بال و پر میں تو ہے ہر بحر و بر میں تو ہے — دل اور جگر میں تو ہے آنکھ اور نظر میں تو ہے

تو بحر کی روانی اور آب ہے گُہر کی
تو آگ کی حرارت اور آنکھ کی ہے پتلی

باغ و بہار میں تو برگ اور بار میں تو — نور اور نار میں تو سنگ شرار میں تو

نقش و نگار میں تو سقف و جدار میں تو لیل و نہار میں تو زلف و عذار میں تو

انساں میں تیرا جلوہ حیواں میں تیرا جلوہ

حوروں میں تیرا جلوہ غلماں میں تیرا جلوہ

موج و حباب میں تو بحر و سراب میں تو ابر اور آب میں تو جام و شراب میں تو

شیب و شباب میں تو شیخ اور شاب میں تو لطف و عتاب میں تو شرم و حجاب میں تو

تو مثل نشہ مُل میں اور بو کی طرح گل میں

تو جاں کی طرح تن میں اور مثل جزو کل میں

سب فیض یار ہے یہ تیری ہی روشنی ہے دنیا کی ساری چیزیں معمور ہیں تجھی سے

ظاہر ہے تیرا جلوہ ہر پھول اور کلی سے تیری جھلک عیاں ہے نیکی سے اور بدی سے

تو حُسن اور خوبی - تو جان قدسیوں کی

تو طور کی تجلّی تو جلوۂ الٰہی

اُس وقت بھی تھا تو ہی جب کچھ نہ تھا یہاں پہ جب کچھ نہ ہوگا ہوگا تو کون اور مکاں میں

تو سوزش دروں میں تو کاوش نہاں میں تو محفل طرب میں تو مجلس فغاں میں

سوز و گداز میں تو - راز و نیاز میں تو

نغمے میں ساز میں تو غمزے میں ناز میں تو

معشوق تو بنا دے عاشق بھی تو بنا دے کاذب بھی تو بنا دے صادق بھی بنا دے

شحنہ بھی تو بنا دے سارق بھی تو بنا دے زاہد بھی تو بنا دے فاسق بھی تو بنا دے

جو چاہے تو بنا دے قدرت ہے تجھ میں سب کچھ

جو چاہے وہ کرے تو طاقت ہے تجھ میں سب کچھ

تو کر دے مفلسوں کو زردار اور تونگر کر دے تونگروں کو محتاج اور بے زر

گم نام کو تو کر دے دنیا میں نام آور تو جس کو چاہے کر دے دلدار اور دلبر

دونوں جہان میں ہے تیرے ہی نام کی رونق

تیرے وجود سے ہے ملکِ عدم کی رونق

تیرے ہی سب ہیں عاشق تیرے ہی سب ہیں شیدا　　تیرا ہی ہے جہاں میں ہر شخص نام لیوا
تو رونقِ مساجد تو زینتِ کلیسا　　مخلوق اور خالق دونوں میں تیرا جلوہ

مومن بھی تیرا بندہ کافر بھی تیرا بندہ
شاغل بھی تیرا بندہ ذاکر بھی تیرا بندہ

تو ہے بنائے عالم تو ہے بنائے ہستی　　کونین میں نہیں ہے کوئی بھی تجھ سے خالی
تو کیا ہے نورِ مطلق تو کیا ہے وہ تجلّی　　جو برقِ طور بن کر موسیٰ کے آگے چمکی

تو حُسن بھی حسیں بھی نازک بھی نازنیں بھی
مارا ہُوا ہے تیرا عبد المتیں متیں بھی

شیرؔ بھوپالی

حُسن

تیری تصویر جسمِ جنوں کی　　تیری تعریف بزمِ جنوں کی
مذہب تیرا طرزِ خود پرستی　　مشرب تیرا ہے شرابِ ہستی
مرکب تیرا عالمِ جوانی　　مطلب تیرا شرحِ لن ترانی
بچپن جس میں کشش کی تاثیر　　ہے وہ تیرے بھولے پن کی تصویر
خود بینی ہے تیری ذات کا وصف　　شیرینی ہے تیری بات کا وصف
سیرت تیری نیکی اور پاکی　　صورت تیری ضد ہے بدنما کی
خوبی تیری پھبن کی تفسیر　　تیزی تیری چلن کی تصویر
ٹیڑھا ابرو کماں ہے تیری　　تیکھی چتون بھی شاں ہے تیری
عشوہ تیری آن بان کا کام　　غمزہ تیرے ناز و ادا کا نام
بکھرا ہوا سر پہ بال بن کر　　اُبھرا ہوا رخ پہ گال بن کر
پھیلا ہوا عالمِ صفا میں　　چھپا ہوا گوشۂ حیا میں
جینا تیری چاہ میں مرنے کا　　مرنا تیری راہ میں مرنے کا
اُلجھے ہیں جو بال کس لیے ہیں　　نیچے ہیں جو گال کس لیے ہیں
مشکل کیا نیند بھر کے سونا　　کانٹوں کو بچھا دیا بچھونا

دل کو کیا سرد گرم پا کر — رُخ کو کیا زرد رنگ اُڑا کر
دل چھین لیئے دکھا کے جلوے — بھر بھر دیئے آبلوں سے تلوے
کالا کیا خون کو رگوں میں — پھیلایا جنون کو رگوں میں
جھٹکا دیا جنبش کمر نے — لٹکا دیا کاکلوں میں سر نے
نازک بدنوں میں تو لچک ہے — خالِ رُخِ خوب میں نمک ہے
بجلی کی کڑک جلال تیرا — اور اُس کی چمک جمال تیرا
تو نہر میں نہر ہی کا پانی — تو لہر میں لہر کی روانی
تو نخل میں شاخ، شاخ میں پھول — تو جسم میں زلف، زلف میں طول
تو ابر میں برق، برق میں ضو — تو بزم میں شمع، شمع میں لو
رنجش بن کر شکن جبیں سے — ظاہر ہوا معشوق کی نہیں سے
ڈورے ڈالے نگاہ بن کر — دل لے لیے چشم سیاہ بن کر
تو فلس سے زیب جسم ماہی — تو تاج سے زیب فرق شاہی
آرائش پیکرِ فلک تو — تاروں کے لباس میں چمک تو
جس وقت سنور کے تو عیاں ہو — چوٹی بن کر بلائے جاں ہو
زلفیں جو بنا کے کھولکر بال — حلقوں سے دکھائے جا بجا گال
ماتھے پہ شکن بنے ادا سے — چہرے پہ عرق بنے حیا سے
پھیلے تو ہو نم سرگی میں — سمٹے تو سمائے آرسی میں
معشوق کا ناز تیرے دم سے — عاشق کا نیاز تیرے دم سے
لیلےٰ کے جمال میں تھا تو ہی — مجنوں کے خیال میں تھا تو ہی
عاشق کے لہو سے تو حنا بند — الفت تیرے گیسوؤں کی پابند
نہروں میں تیری اشکباری عشق — سر میں تیری بے قراری عشق

عورت کی ساخت

چاند کی گولائی سانپ کا پیچ اور خم — گھاس کی پتی کی ہلکی تھرتھراہٹ جنبش و کم

بید مجنوں کی نزاکت بیل کے بل کی کجی — بانکپن طاؤس کا نرمی گلِ تر کی
پیارے پیارے بھولے بھولے دیدۂ آہو چھینا — جن پہ ہو رقص شعاعِ نور خورشید مبیں
ابر سے آنسو صبا سے بے وفائی لے اڑا — سہم خرگوش اور چیتے سے لیا جور و جفا
سرد مہری یخ نے دی سختی ملی الماس سے — تا بتائیں آہنی دل کا دلِ سنگیں ہے
طوطیٔ گلزار نے رنگینیٔ منقار دی — قمریٔ شیراز نے شیرینیٔ گفتار دی
روز اول سے ودیعت نور کا جوبن ہوا — پر سے بلبل کا اضطراب پہ ہلکا پن ہو
گوندھ گوندھ کر یہ مصالحہ جب اکٹھا ہو گیا — دست قدرت نے بنایا ایک ڈھانچہ نور کا

آگ کا بن گیا اور نور کی صورت بنی
شکل عورت کی بنی کیا موہنی مورت بنی

بال سنبل سے لیے نرگس سے چشم نیم خواب — روئے روشن نے لیا کسب ضیائے آفتاب
رخ ہوا والفجر اور واللیل زلف اسکی بنی — سورۂ والشمس سے فرخندہ پیشانی بنی
چشمۂ حیواں کی کھولی مانگ نے سیدھی ڈگر — خندہ پیشانی نے صبح عید کی پائی چمک
چاند سے مکھڑے پہ قطرات عرق کی تھی نمی — چاند کے ٹکڑے پہ افشاں یا ستاروں نے چنی
ابروئے قوسی کے رکھے ہیں برابر دو ہلال — یا لکھا ہے مطلع موزوں دیوانِ کمال
آنکھ دشت کاشغر کا آہوئے رم دیدہ ہے — ہر نگاہ مست جس کی فتنۂ خوابیدہ ہے
ایک جانب ابروئے پیوستہ نے کھولی کماں — دوسری جانب سے ترک چشم نے تانی سناں
اک نگاہ کے وار سے ہر شیر آہو ہو گیا — تیر مژگاں جو اترا دل تک ترازو ہو گیا
آتشیں رخسار سے روشن ہوئی نارِ خلیل — خندہ رو جنبش بلب اٹھی ہوائے جبرئیل
معجزہ شق القمر کا وہ لب اظہار ہے — اسکی خاموشی میں پنہاں حسن گفتار ہے
ہر ادا میں بات ہے ہر بات میں انداز ہے — سحر ہے فتنہ ہے جادو ہے یا اعجاز ہے
جنت الفردوس سے آیا ہے وہ سیب ذقن — پانی پانی آب دنداں سے ہو دُرِ عدن
لعل سے لب اور گوہر سے دُرِ دنداں بنے — پنجۂ دست حنائی پنجۂ مرجاں بنے
دست و بازو کی جو دیکھی تازہ روئی کی بہار — آتش سوز دروں سے جل اٹھی جانِ چنار

اُڑ کے دوپٹے میں سے فتنہ موزوں اچھل گیا	ایسا فساد تھا کہ جو خلقِ خدا پر چل گیا

بن گیا قامت قیامت چال محشر ہو گئی

عالمِ ایجاد میں ہر حال محشر ہو گئی

سراپائے شوخ طناز

شاطرہ عروسِ چمن ہوشیار ہو	آئینہ لیکے صحنِ چمن ہوشیار ہو

او بوئے یاسمین و سمن ہوشیار ہو	او حسنِ تازگی ہمہ تن ہوشیار ہو

او گل باغِ چمن سے بزمِ سخن میں مہک کے آ

او عندلیب شاخِ قلم پر چہک کے آ

او کلکِ گلعذار رگِ ابرِ بہار بن	او طبع آبروئے معنی کی آئینہ دار بن

او آب و رنگِ نقش رخِ گلعذار بن	او صورتِ خیال سراپا نگار بن

نظارہ سوز شاہدِ مضمون شتاب آ

پردے سے او عروسِ سخن بے نقاب آ

او فتنۂ قیامتِ برپا سنور کے اٹھ	او شورِ حشر سر پہ مرے ہاتھ دھر کے اٹھ

او شاہدِ خیال سراپا نکھر کے اٹھ	او چشمِ شوق بادۂ نظارہ بھر کے اٹھ

گل چینیو اٹھو بیٹھے کے چن لو چمن کے پھول

بلبل کے منہ سے جھڑتے ہیں شاخِ سخن کے پھول

منظور ہے کسی کا سراپا رقم کروں	مد کے کمالِ حسن میں کچھ بیش و کم کروں

خجلت سے حورِ خلد کی گردن کو خم کروں	افسوں پری کا تختِ سلیماں پہ دم کروں

جوہر دکھاؤں عکسِ بتِ بے مثال کے

اک قدِ آدم آئینہ رکھ دوں نکال کے

قامت ہی وہ کہ جس سے قیامت نہیں فرار	لیتا ہے حشر جس کے قدم جھک کے بار بار

طوبیٰ ہے خلد بھی دمِ گلگشت سے نثار	پیادہ جلوس سرو ہے شمشاد چوبدار

اس قد کی اس اٹھان پہ صدقہ اتار کے

قمری کو ذبح کیجیے سر پہ سے وار کے

بالوں کے بیچ میں یہ ظلمات مانگ ہے　　یا شب میں کہکشاں کی کرامات مانگ ہے
کیوں مانگ کو دلوں کی یہ دن رات مانگ ہے　　بن بن کے روز بگڑے ہے کیا بات مانگ ہے
افشاں بھرا جو مانگ میں پرنور ہو گئی
دو ٹکڑے بیچ سے شب دیجور ہو گئی

کہتا ہے خامہ صف جو چھوڑو گے کیا تم　　مجھ سے نکل سکیں گے نہ کالے کے پیچ و خم
جوڑا گوندھا ہوا ہے کہ گھٹتا ہی پیر دم　　لپٹا ہوا ہے سانپ کا جوڑا مگر بہم
صورت بلا کی ہے تو نشانی ہے قہر کی
ظالم کی گانٹھ گانٹھ میں پڑیا ہے زہر کی

زلف خمیدہ سنبل تر ہے خیال میں　　سو سو طرح کے پیچ ہیں ایک ایک بال میں
کیا کیا پھڑک رہی طائر مضموں کے جال میں　　کہتی ہے طبع ڈال دیا کس وبال میں
سیدھا سا راستہ اور کوئی دیکھ بھال لو
اس پیچ سے نکال سکو تو نکال لو

سیدھی تو بات یہ ہے کہ گیسو ہیں تابدار　　بو باس کی لپیٹ سے کھلی نافۂ تتار
سنبل کو ہمسری کا جو دعویٰ خدا کی مار　　پھر کالے ہیں بلا کے سیہ مست روزگار
وہ آپ اپنی زلف کا دیوانہ ہو گیا
آئینہ خانہ گھر پہ پریخانہ ہو گیا

رخسارے ہیں کہ چاند کے ٹکڑے نقاب میں　　یا آفتاب حشر ہیں دو اک سحاب میں
دیکھے کسی چمن نے نہ یہ پھول خواب میں　　جلوے ہیں نور حق کے زبس آب و تاب میں
بلبل کرے نظارہ تو گل سے بگاڑ ہو
موسیٰ جو دیکھے طور کا جانا پہاڑ ہو

گیسو کھلے جو رخ پہ تو حیراں نظر ہوئی　　اس وہم میں نہ دن کی نہ شب کی خبر ہوئی
مشاطۂ خیال کی صورت دگر ہوئی　　شانہ نے زلف کو جو ہٹایا سحر ہوئی

آئینہ مارے شرم کے بیتاب ہوگیا
پانی میں ڈوب ڈوب کے سیماب ہوگیا

آنکھیں وہ فتنہ زا ہیں غضب سحرِ سامری   مستی میں چور چور نشے میں بھری بھری
ابرو ہیں دونوں آنکھ پہ شمشیرِ حیدری   اک چال کی ہے تیز تو اک منہ کی کرکری
یا معرکہ میں بادۂ گلگوں پیے ہوئے
دو مست لڑتے آئے ہیں خنجر لیے ہوئے

مژگاں نے کر دیا تہ و بالا جہان کو   رخنے کیے ہیں دل میں تو بیندھا ہے جان کو
کیا خاک میں ملا دیا ہے نشتر کی شان کو   سرمے نے اور تیز کیا آن بان کو
دنبالہ ہے کہ آنکھ میں اُس خوش جمال کے
پتا ہے سبز گھاس کا منہ میں غزال کے

وہ ناک جس نے غنچوں کا دم ناک میں کیا   وہ کان سب نے کانِ ملاحت جسے کیا
کون و مکاں میں کس کو ہے امکان صفا کا   ہے نازکی وہ ناک کی چھوٹا سا خوشنما
گر برگِ گل سے بوجھ ہو اُس گل کے توڑے کا
گلشن میں ہاں صبا نے گلوں کے مروڑے کا

آتا نہیں جو وصفِ دہن کچھ خیال میں   شہبازِ فکر پھنس گیا عنقا کے جال میں
اے طبع تر ہے کیوں عرقِ انفعال میں   آئے نہ حرف دیکھنا طرزِ کمال میں
مضمونِ دہانِ تنگ کا دقت پسند ہے
ساری کتاب ایک اسی نقطہ میں بند ہے

اس کے دہن پہ پھینکدوں غنچوں کو وار وار   گلشن میں آپ سر بگریباں ہیں شرمسار
رہ رہ گئے ہیں اپنا سا منہ لیکے لاکھ بار   دعوے دہانِ تنگ سے اُسکے خدا کی مار
غنچوں کو کہہ دو اپنے دہن کو زیر کریں
اس جھوٹ بولنے سے کہیں منہ نہ بو کریں

دانتوں کی آب و تاب سے لعلِ یمن ہیں دنگ   یہ دُرِ بے بہا ہیں تو وہ ریزہائے سنگ

ہیرے میں یہ چمک نہ یہ موتی میں آب و رنگ   چُنّی جڑی ہوئی ہیں میان دہانِ تنگ

حیرت پہ میری خندۂ بیجا کا جوش ہے

آئینہ اک دُکان جواہر فروش ہے

سیبِ ذقن بہشت کا میوہ ہے ہر بہار   خوش ذائقہ لذیذ ، تر و تازہ ، خوشگوار

جو دل گرے ہیں چاہِ زنخداں میں بیشمار   اُچھلا تو ایک بھی نہیں ڈوبے مگر ہزار

کیا ڈھونڈتے ہو یوسفِ مصری کو راہ میں

گم کارواں کے کارواں ہیں ایک چاہ میں

سانچے میں وہ ڈھلی ہوئی گردن ہے نور کی   اندھیر تو نہیں جو کہوں شمع طور کی

مے سے بھری ہوئی ہے صراحی بلور کی   یہ ہی جگہ ہے خونِ دلِ ناصبور کی

خنجر پہ رہ گیا ، کوئی دامن پہ رہ گیا

میرا لہو ہے یہ کہ جو گردن پہ رہ گیا

شانوں کی شان وہ کہ دکھائیں خدا کی شان   بانہیں وہ گورے گورے نکلجائے جن پہ جان

نازک ہے وہ کلائی کہ ممکن نہیں بیان   دُکھنے لگے جو عاشقِ شیدا کو آئے دھیان

پنجہ ہے آفتاب تو ناخن ہلال ہے

دونوں ہیں ایک ہاتھ میں کیسا کمال ہے

اُبھرے ہیں بحرِ حسن میں دو نور کے حباب   یا مست نے اُلٹ کے دھرے ساغرِ شراب

اُٹھا سمٹ کے سارے بدن کا یہاں شباب   ایک ایک کا جواب ہے دونوں ہیں لاجواب

نازک بدن کو جالی کی محرم پسند ہیں

سونے کی چڑیاں چاندی کے پنجرے میں بند ہیں

اُس صاف صاف پیٹ کے اوصاف کیجئے کیا   کہیئے جو اُسکو تختۂ الماس ہے بجا

مخمل سے نرم نرم تو قاقم سے گُدگُدا   چکنا ہے برگِ گل سے تو آئینہ سے صفا

کب تاب ٹھہرنے وہاں لاتی ہے نظر

میں کیا ہوں یہاں نبی کی پھسل جاتی ہے نظر

موئے میاں پہ کیجیے کیا موشگافیاں　　چلتی نہیں ہیں فکر کی باریکیاں یہاں
اثبات ہی نفی کا نہ ہے وہم کا گماں　　مفہوم کا ہے نام نہ معدوم کا نشاں
یا تو کسی نے میری نظر کو چرا لیا
یا قدِ نازنیں نے کمر کو چرا لیا

پھر کچھ نزاکتیں مجھے دکھلاتی ہے کمر　　تارِ نظر کے بوجھ سے بل کھاتی ہے کمر
مضمونِ ناف آپ سے بتلاتی ہے کمر　　پڑ جاتی ہے گرہ جو لچک جاتی ہے کمر
باریک بات آتی ہے اپنے خیال میں
موتی پرو دیا صانعِ قدرت نے بال میں

اے فکر اب تو آ ہی گیا عین مدعا　　ہے شرم کی جگہ جو ہو مضموں کھلا کھلا
کیوں ہو گیا سخن کا یہاں تنگ قافیہ　　گر کچھ نہیں ہے وہ تو چھپایا ہوا ہے کیا
بے وجہ کیوں بدن کو چرائے ہوئے ہیں وہ
دامن کے نیچے کچھ تو چھپائے ہوئے ہیں وہ

وہ گوری گوری رانیں ہیں کیا نرم نرم سی　　وہ پیارے پیارے زانو کھچا ہے جن پہ جی
وہ چکنی چکنی ساق کہ دیکھی نہ اور سنی　　وہ چھوٹے چھوٹے پاؤں نشانی ہیں حشر کی
اس پر پچی ہوئی وہ کفِ پا حنا میں ہے
شوخی ہزار رنگ کی اک نقشِ پا میں ہے

انداز ناز غمزے کرشمے بلا کے ہیں　　طرزِ جفا کے دوست ہیں دشمن وفا کے ہیں
دم باز حیلہ ساز بنے انتہا کے ہیں　　جتنے چلن ہیں بگڑے ہوئے ابتدا کے ہیں
پامال اک زمانہ ہے طرزِ خرام میں
ناکام آئے سیکڑوں ظالم کے کام میں

اے شعلہ جب بہارِ مضامیں لٹا چکے　　آئینۂ خیال میں نقشہ جما چکے
پوری شبیہ سر سے قدم تک بنا چکے　　اور بھر کے رنگ کلکِ تصوّر اٹھا چکے
کہنے کو تھی نگاہ کہ اب بھی جھکی ہوں میں　　تصویر بول اٹھی کہ بس اب کھنچ چکی ہوں میں

بنیاد تخلص شعلہ

سراپا

اسکے قامت پہ قیامت کا کروں میں نہ خیال — کب قیامت نے بھلا پائی ہے یہ حشر کی چال
سرو ہرگز نہ کہوں میں جو کوئی کرے نہال — شاخ کیا ایسی ہے طوبیٰ میں جو ہووے قد مثال
اُس کی رفتار سے یہ بات مگر پائی ہے
شجرِ طور میں اعجاز مسیحائی ہے

چال وہ قہر و غضب ہے کہ زمانے کو ہلائے — ہر قدم زلزلہ تا ملکِ دلِ عشاق میں آئے
حشر تک شکل نہ عالم کو قیامت وہ دکھلائے — تھرتھراتا ہوا بھونچال زمیں میں چھپ جائے
دمِ رفتار کمر جب کہ لچک جاتی ہے
پرتوِ حُسن سے اِک برق چمک جاتی ہے

اسکی زلفوں پہ وہ عالم ہے کہ عالم ہو نثار — سامنے جنکے خزاں دیدہ ہے بلبل کی بہار
کیسا سنبل نہیں سنبل سے ہمیں کچھ سروکار — یہ مسلسل وہ پریشاں وہ توانا وہ نزار
اُسکو شائستۂ طرار سراسر دیکھا
اسکو مجموعۂ گلزار میں ابتر دیکھا

ہر بُنِ مو مرے تن پر ہو اگر شکلِ زباں — ہووے اُس زلف کی خوبی کا سرِ مو نہ بیاں
کبھی زنجیر کا ہوتا ہے طبیعت کو گماں — کبھی کہتا ہوں پریشانی کو شامِ ہجراں
بال بھر بھی نہیں وصف اُس کا ادا ہوتا ہے
موشگافی میں کروں لاکھ تو کیا ہوتا ہے

جلسازی پہ ہے شہبازِ طبیعت تیّار — پیچ میں طائرِ مضموں کوئی کرتا ہے شکار
نہیں اندھیر جو گیسو کو کہوں میں شبِ تار — اس شبِ تار میں روشن ہے چراغِ رخسار
جلوہ کاکل کا نہیں رُخ پہ نظر آتا ہے
کان کی لو کا دھواں ناز سے بل کھاتا ہے

عقدہ اُس زلف کی بندش کا کسی پر نہ کھُلا — اسی سودا میں پریشاں ہی پھرتی ہے صبا
گرہِ زلف رسا باغ میں ہو جائے جو وا — نکہتِ گل کی چمن ہی میں بندھ جائے ہوا

صحن گلشن میں پریشاں جو وہ سنبل ہو جائے
نافۂ مشکِ ختن غنچۂ ہر گل ہو جائے

زلف پیچیدہ وہ افعی ہے کہ خالق کی پناہ — جسکے کاٹے کا جہاں میں نہیں منتر واللہ
بگڑے اُس زلف سے سنبل تو بنے خاطر خواہ — بوئے زنجیر تو ہو خانۂ زنجیر تباہ

اُلجھے ناگن تو وہ کوڑا دمِ رفتار پڑے
بل کرے سانپ تو رسّی کی لسے مار پڑے

اسکی پیشانی وہ روشن ہے کہ ٹھیرے نہ نگاہ — ٹپکے سر شک سے ہر زہرہ جبیں شام و پگاہ
چاند سے ماتھے پہ افشاں جو کرے غیرتِ ماہ — چشمِ افلاک سے گر جائیں ستارے واللہ

ماہ [illegible] ہفت شہر برسوں کبھی تابندہ ہو
چودھویں رات کا چاند اس سے تو شرمندہ ہو

تیغ ابرو کو اگر چرخ پہ وہ ماہ چڑھائے — جسم مریخ سے شمشیرِ ہلالی گر جائے
روبرو اُسکے کبھی قوس فلک سر نہ اُٹھائے — دلمیں کشکرِ مہِ نو چرخِ کہن کو یہ سنائے

خالی آتا ہے نظر حُسن سے پہلو میرا
بھوں کی تشبیہ کے قابل نہیں ابرو میرا

وہ بھووں کو جو کرے لیس تو سمجھے یہ جہاں — بھاگے گوشے میں ہماں ہو نیکو چلائے کماں
ان کمانوں سے چلیں تیر تو تڑپیں انساں — مُرغِ ناوک زدہ ہر تن میں بنے طائرِ جاں

رشک اُن پلکوں کا معشوقوں کو وہ تڑپائے
دل کماں ابروؤں کا تیرِ مژہ سے چھد جائے

آنکھ اسکی وہ قیامت ہے جو گلشن میں اُٹھائے — حشر تک نرگسِ بیمار نہ صحت پائے
بنکے بے مغز جو بادام کبھی آنکھ ملائے — پوست اندام کا بس چشم زدن میں کھچ جائے

صیدگاہ اسکی اگر دشتِ ختن ہو جائے
نشہ آنکھوں کا غزالوں کی ہرن ہو جائے

چتونوں میں وہ قیامت کی شرارت ہے بھری — جن کے ذرّوں میں ہے خوش چشموں کا چہرۂ نظری

ہی مگر چشموں میں پُتلی کی غضب جلوہ گری ‏ مچھلی پانی میں ہے یا بند ہے شیشے میں پری

اُسمیں سُرمہ جو لگے اور بھی لاثانی ہو

کیا پری ہے وہ نگینہ کہ سلیمانی ہو

چشم میں ہے وہ رُکھائی کہ ہوا سب کچھ بتائے ‏ کرے سرمہ جو لگاوٹ تو وہ آنکھیں دُکھلائے

عین نادانی ہے ہر دم کوئی گر جان کھپائے ‏ پستے پس جائے مگر ہاتھ وہ بادام نہ آئے

ایک ہفتہ میں بنیں نرگسِ بیمار آنکھیں

کوئی دو تین دن اُس سے جو کرے چار آنکھیں

بیچ میں آنکھوں کے اس طرح ہے بینی کا گزر ‏ جیسے اک مست کے ہوں پہلوؤں میں [illegible]

اس بیاں سے نہ ہوئی سیری طبیعت کی مگر ‏ دور بینی کے سبب مجھ کو یہ آتا ہے نظر

ناک کے پاس بھویں سر نہیں ہو جاتے ہیں

شاخِ بلور میں تلوار کے پھل آتے ہیں

رنگِ رُخ ہے وہ طلائی کہ نہیں جسکا نظیر ‏ ہے بجا خاکِ عناصر کو جو کہیے اکسیر

جلوہ اُس شوخ کی رنگت کا قیامت ہے شریر ‏ پہنچے ضو مہر کی جسکو نہ قمر کی تنویر

رنگِ رخسار کا شعلہ جو بھڑک جاتا ہے

آتشِ حُسن میں کُندن سا دمک جاتا ہے

چہرہ ایسا ہے درخشاں کہ پڑے جسکی نظر ‏ آگے آنکھوں کے چکاچوند رہے آٹھ پہر

اُسکے رخساروں کو میں نے جو کہا شمس و قمر ‏ چاند سورج کو حسینوں نے چڑھایا سر پر

رُخ کی تشبیہ سے کس کس کو یہ پیارے نہ ہوئے

مہر و ماہ چرخ کی کب آنکھ کے تارے نہ ہوئے

اُسکے عارض میں وہ رنگینی کہ خجل ہو گلزار ‏ دل ہے جن کے تصور سے سدا باغ و بہار

عارضی حُسن پہ نازاں ہے عبث یہ بلبلِ زار ‏ دیکھے یہ پھول تو آنکھوں میں ہوں سب گل خار

روئے گل ہے یہ نہیں تیرے وہ رخسار ہیں

ایک رُخ کیا خجل اُس سے تو رُخ سارے ہیں

لب ہیں اُس گل کے وہ نازک کہ نہیں جنکا بیاں　　رنگ اپنا بھی نزاکت سے ہی جن پر گراں
بوسہ لینے کا عاشق جو کرے ہم گماں　　نازکی سے وہیں رنگِ گلِ سوسن ہو عیاں

نگہ گرم کبود اور سوا کرتی ہے
کالا منہ مستی سے اُس گل کی بلا کرتی ہے

دہنِ تنگ کی کس منہ سے کرے کوئی ثنا　　یہ وہ عقدہ ہے کہ مضموں کی نہ بندش سے کھلا
یاں زباں لال ہے غنچہ کی روش منہ میں سدا　　فرطِ حیرت سے نہیں بات دہن میں گویا

اُڑ کے مضموں یہ مگر دام میں پر آیا ہے
جال میں حسن نے عنقا کو یہ بھڑکایا ہے

لب ہیں وہ لعل کہ یاقوت کی ٹھیرے نہ نظر　　کھائے غیرت سے عقیق یمنی خونِ جگر
جاں بلب جوہری ہو لب کی جھلک دیکھے اگر　　زرد پکھراج کے مانند ہو چہرہ یکسر

اُنکی باتوں میں جو اعجازِ مسیحائی ہے
لال کی طرح لبِ سرخ میں جاں آئی ہے

لب وہ شیریں ہیں کہ ہیں کرکری جنسے لوزات　　باتیں مصری کی وہ ڈلیاں ہیں کہ سنئے دن رات
غم ہو فرہاد کے معشوق کو ہو تلخ حیات　　آگے اُن ہونٹوں کے نکلے لبِ شیریں سے نبات

بوسے دے وہ شکر ریز تو مطلب ہو جائے
منہ مرا قندِ مکرر سے لبالب ہو جائے

اُسکے سلکِ دُرِ دنداں پہ جو آنکھ اپنی پڑی　　جب لڑی آنکھ تو اک فکر طبیعت کو پڑی
جب ہوئی فکر تو ثابت ہوئی موتی کی لڑی　　کیسی موتی کی لڑی اُنمیں شرارت ہے بھری

ہے شرارت جو بڑی اُن میں تو سیارے ہیں
ہیں جو سیارے تو آنکھوں کے مری تارے ہیں

کام کرتی نہیں دانتوں کی صفائی پہ نگاہ　　بجلی گر پڑتی ہے جب ہنستا ہے وہ غیرتِ ماہ
دستِ صانع نے یہ موتی ہیں پروئے واہ واہ　　ایسے الماس تراشے نہیں دیکھے واللہ

ہوئی ہیرے کی کنی جس سے خجل تیزی میں

موتی اُن دانتوں سے جھوٹا ہو گر پیری یں

اُسکے دانتوں کی صفائی پہ ہو غلطاں گوہر　　دیکھلے آب تو پھر تاب نہ آئے دم بھر
ٹوٹے گردوں سے ستارہ جو پڑے اُن پہ نظر　　مشتری دیکھے تو مر جائے وہ ہیرا کھاکر

ٹکڑے ان دانتوں سے الماس کا بھی دل ہووے
سیدھا ہوجے کوئی موتی تو مقابل ہووے

کیا ہو اس چاہ زنخداں کی لطافت کا بیاں　　باؤلی ہو رہی ہے اپنی طبیعت تو یہاں
چمن حسن صنم میں یہ مگر ہے وہ کنواں　　پانی بھرتی ہی جہاں یوسف گلزار جہاں

کیا تراوٹ ذقن رشک مہ ماہ میں ہے
ڈالواں ڈول اپنا دل زار سدا چاہ میں ہے

اسکی گردن ہی کہ اک نور ہی سانچے میں ڈھلا　　جس نے دیکھا ہے گلا آپ سے باہر وہ چلا
آبداری سے جو مملو نظر آیا وہ گلا　　رشک کی برف سے کیا جسم صراحی کا گلا

سوئے میخانہ گلو اُس کا اگر منہ موڑے
ہو کے ہر مست مجل شیشے کی گردن توڑے

رتبہ شانوں کا بڑا جانتے ہیں حسن پرست　　داغ گوں جام کہوں اُنکو تو مضموں ہی پست
اس سے بہتر کوئی پہلو نہیں ملتا سر دست　　تن کی کرسی پہ غضب پائی ہی مونڈھوں نے نشست

سچ اگر پوچھو تو وہ ساعدوں کی جانیں ہیں
کشور حسن میں شانوں کی عجب شانیں ہیں

اُس کے بازو ہیں مگر موجہ دریائے صفا　　مچھلیاں جنکی صباحت پہ تڑپتی ہیں سدا
شمع ساعد کو کہوں میں، نہیں اندھیر ایسا　　پنجۂ مہر سے روشن ہے کلائی وہ صوا

ایڑی دیکھوں میں عجائب ہیں درخشاں پہونچے
اُسکے پہونچے کو نہ روئے مہ تاباں پہنچے

پنجۂ دست وہ گلدستہ ہی دل جس سے ہوا　　دست بستہ ہی سدا جسکے تصور میں حنا
پنجۂ مرجاں کا جو ہو دست نگاریں سے کرا　　انگلیاں توڑ کے رکھدے نہیں موج دریا

بیکلی گل کو ہو اُس ہاتھ سے جسدم لڑجائے
تڑے رخسار پہ صرصر کا طمانچہ پڑجائے

اُسکے ہاتھوں کو نہ پہنچے مہِ کامل حاشا — ید بیضا سے مقابل ہو ہتھیلی کی ضیا
انگلیاں ایسی کہ معشوقوں میں انگشت نما — ناخن اس طرح کے ہر دل کی گرہ جس سے ہوا

سامنے اُن کے جو شرماکے نہ سر نہوڑالے
سب کہیں عقل کے ناخن مہِ نو لے ڈالے

سینہ وہ سینہ کہ دیکھے تو تڑپ جائے بشر — ایسے سینے نہیں دیکھے ہیں کسی نے سن بھر
اُبھرے اُبھرے ہیں وہ پستان غضب جوبن پر — سر اُٹھایا ہے مگر حسن و صفا نے یکسر

قد و پستاں نے تماشے مجھے دکھلائے ہیں
شجر طور نے دو نور کے پھل پائے ہیں

نخل قامت میں وہ پستاں کے ثمر ہیں یکتا — دیکھ لے سیب تو آئے تپ آسیب بلا
فربہی ہو نہ کبھی بہی کو نہ غم سے حاشا — دانت نارنگی کے کھٹے رہیں غیرت سے سدا

پھول کے سینے پہ کب ہیں سر پستاں پیدا
ہوئے گلشن میں اناروں سے پستاں پیدا

بحر تن میں نہیں پستاں کی لطافت کا جواب — کیوں نہ مچھلی کی طرح طبع رواں ہو بیتاب
فکر میں ڈھونڈ کے مضموں ملا ہی نایاب — ایک جا حسن کے دریا میں مگر دو ہیں حباب

اور بات اس سے نہیں بڑھکے کہی جاتی ہی
اُسکے پستاں پہ یہ پھبتی مری کیا چھاتی ہی

شکم صاف کے اوصاف بیاں کیجیے کیا — پرچہ الماس کا یا چاند کا کہیے ٹکڑا
مو بمو پشت عیاں ہی بسبب جوش صفا — خانۂ تن میں ہے یہ آئینہ اعجاز نما

نہیں ہیلی کا نشاں سانپ سا لہراتا ہے
عکس چوٹی کا شکم میں بھی نظر آتا ہے

کمر یار کو سب بال سے دیتے ہیں مثال — طبع نازک کو ہماری تو یہ مضموں ہی وبال
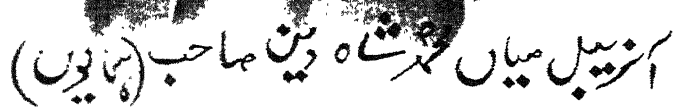
دیدۂ فکر میں ہے اُسکی کمر آدھا بال   مُوشگافی کے سبب کھچ گئی یاں بال کی کھال

ناف اِس باب میں حکمت سے نہیں خالی ہے
دستِ صانع نے گرہ بہرِ نشاں ڈالی ہے

کمر اور کولھوں کا وہ عالم ہے کہ عالم ہو فدا   ناز کی چال سے ہوتی ہے قیامت برپا
آگے ہے شرم کی فکر ہے پابندِ حیا   صدفِ بحرِ لطافت کا کہوں حال میں کیا

سخنِ رمز نہیں مُنہ سے نکالا جاتا
دُرِ ناسفتہ میں ڈورا نہیں ڈالا جاتا

پہنچے زانو کی صفا کو نہ پری کا رُخسار   پھسلے دل ہاتھ سے گر حور بھی دیکھے اسکو
سُرخ کے پاجامہ جو اُن رانوں سے وقتِ رفتار   زانو پیٹا کرے حسرت سے سدا عاشقِ زار

مثلِ مہتاب لگے مُنہ پہ ہوائی چھُٹنے
وہ چھپا لیوے جو رانیں تو لگے دم گھُٹنے

ساقِ پا نے تو عجب نور کا پایا ہے ظہور   دیکھے مہتاب تو مُنہ فق ہو بر رنگِ کافور
نور کا جوش ہے یکدست صباحت کا وفور   چمنِ حُسن میں کیا پھولی ہے شاخِ بلّور

شب کو وہ پنڈلیاں گر جلے سے باہر جائیں
شمع فانوسوں میں خاموش سراسر ہو جائیں

پاؤں اُس شوخ کے کرتے ہیں قیامت برپا   کوئی پامال ہے، پستا ہے کوئی مثلِ حنا
آئینہ وہ کفِ پا ہے پئے ہر مہر لقا   اسکے تلوے کو نہ پہنچے ترے چہرے کی صفا

انگلیاں دیکھ لے تُو اسکی تو غم ساتھ لگے
ناخنِ پا سے خراشِ جگری ہاتھ لگے

غرق ہے حُسن کے دریا میں سراپا وہ نگار   کسطرح دل نہ ہو لیے دُرِ یکتا پہ نثار
اچھی صورت پہ غرور اسکو نہیں ہے زنہار   ہے وفا پیشہ جفا سے نہیں ہرگز سروکار

نور کی شکل بھی ہے۔ مہر محبت بھی ہے
بے تکلف ہی کہ صورت بھی ہے سیرت بھی ہے

دلِ سوختہ

موتی

رہے ہیں اب تو پاس اُس شوخ کے شام و سحر موتی
جبیں پر موتی اور سر میں ہیں موتی مانگ پر موتی
اِدھر جگنو اُدھر کچھ بالیوں میں جلوہ گر موتی
بھرے ہیں اُس پری میں اب تو یارو سر بسر موتی
گلے میں کان میں نتھ میں جدھر دیکھو اُدھر موتی

کوئی اس چاند کے ماتھے کے ٹیکے میں اُچھلتا ہے
کوئی بُندوں سے مِلکر کان کے نرموں میں ملتا ہے

(نوٹ) دوسرا شعر نہیں ملا تلاش میں بہت کوشش کی ۱۲ نور

یہ کچھ لذت ہی جب اپنا چھدلتے ہیں جگر موتی

کبھی وہ نازنیں ہنسکر جو کچھ باتیں بناتی ہے
تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے
اداؤ ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے
وہ سمرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اُسکے ہوتے ہیں بڑے ہر پور پر موتی

غلط ہے اُس لبِ رنگیں کو برگِ گل سے کیا نسبت
کہ جسنے ہی عقیق و پنے اور یاقوت کو حسرت
ادا ہٹ کچھ مسی کی اور اُسپر پان کی رنگت
وہ ہنستے ہیں تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
اِدھر لعل اور اِدھر نیلم اِدھر مرجاں اُدھر موتی

کبھی جو بال بالانے میں وہ موتی پروتی ہے
نزاکت سے عرق کی بوند بھی مکھڑے کو دھوتی ہے
بدن میں موتی اور سر پاؤں میں پہنے بھی موتی ہے
سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ موتی ہے
کہ کچھ وہ خشک موتی کچھ پسینے کے وہ تر موتی

گلے میں اُسکے جس دن موتیا کے ہار ہوتے ہیں
چمن کے گل سب اُسکے وصف میں موتی پروتے ہیں
نہ تنہا رشک سے قطراتِ شبنم دل میں روتے ہیں
فلک پر دیکھکر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشکِ قمر موتی

مفرّح موتیوں کا واہ اور کچھ تن وہ موتی سا
پھر اُسپر موتیا کے ہار بازوبند اور گجرا
سراپا زیب و زینت میں وہ عالم دیکھ کر اُس کا
جو کہتا ہوں ارے ظالم ٹک اپنا نام تو بتلا
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر موتی

گرے پازیب توڑے جس گھڑی آپس میں لڑتے ہیں
تو ہر جھنکار میں کس کس طرح باہم جھگڑتے ہیں

کسی دل سے بگڑتے ہیں کسی کے جی پہ اڑتے ہیں
کرٹ سونے کے کیا موتی بھی اُسکے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہ ہو دیکھو ہیں اُسکی کفش پر موتی

خفا ہو ان دنوں کچھ روٹھ بیٹھی ہے جو ہم سے وہ
سو اُسکے غم میں جو ہم پر گزرتی ہو سو مت پوچھو
چلے آتے ہیں آنسو دل پڑا ہے ہجر میں غش ہو
وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیونکہ نہ برسا دے ہماری چشم تر موتی

شفق میں اتفاقاً جیسے سورج ڈوب کر نکلے
و یا ابر گلابی میں کہیں بجلی چمک جاوے
بیاں ہو کس طرح سے آہ اس عالم کو کیا کہتے
تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اُسکے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی

ہمیں کیونکر پری زادوں سے بوسوں کے نہ ہو لینے
جڑاؤ موتیوں کے اس غزل پر دائیے گہنے
سخن کی کچھ جو اُسکے دل میں ہے اُلفت لگی رہنے
نظیر اس ریختہ کو سُن وہ ہنسکر یوں لگی کہنے
اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی

نظیر اکبرآبادی

تصویر یار

چہرہ ہے تیرا نور کی تنویر کا نقشہ
اور مصرع قدِ حشر کی تصویر کا نقشہ
یا منک ہے تیرے حسن جہانگیر کا نقشہ
مانی نے جو دیکھا تیری تصویر کا نقشہ
سب بھول گیا اپنی وہ تحریر کا نقشہ

ترچھی ہے نظر تیر نگاہ نوک سناں ہے
جس تیر کا مارا ہوا ہر پیر و جواں ہے
آفت کی ہے تلوار قیامت کی کماں ہے
اس ابروئے خمدار کی صورت سے عیاں ہے
خنجر کی شباہت دمِ شمشیر کا نقشہ

پلکوں میں تری ہے جو درازی و سیاہی
ہر نوک پڑی دیتی ہے نشتر کی گواہی
عشاق کے لشکر میں پڑے کیوں نہ تباہی
مژگاں کو تری دیکھ یہ کہتے ہیں سپاہی
تصویر یہ بھالے کی ہے اور تیر کا نقشہ

شانہ ہو جگر چاک یہ کہتا ہے سیانو
میں محرم اسرار ہوں کہنا میرا مانو
اس قید سے ڈرتے رہو سنتے ہو دوانو
یہ زلف سیہ عارض قاتل پہ نہ جانو

تقدیر نے کھینچا ہے یہ زنجیر کا نقشہ

اس ظلم کی فریاد کروں کس سے میں اللہ — اُس قاتل بیداد کی جس دن سے ہوئی چاہ

کچھ جرم و خطا مجھ سے نہ ہرگز ہوئی واللہ — کیا پردے ہی پردے میں مجھے قتل کیا آہ

ہرگز نہ کھلا کچھ مری تقصیر کا نقشہ

آگے تو مرے پاس وہ آتا تھا دل افروز — اب دل میں لگاتا ہے مرے تیر جگر دوز

اس درد سے رونا مجھے آتا ہے شب و روز — کیا گردش ایام ہے اے آہ جگر سوز

اُلٹا نظر آیا تیری تاثیر کا نقشہ

نکلا تھا رقیبوں کو لیے ساتھ وہ گمراہ — اتنا ہی کہا میں نے کہ صد آفریں اے آہ

بس اتنی ہی تقصیر پہ کہتا ہے وہ بدخواہ — یا گھر سے نکالوں تجھے یا قتل کروں آہ

ٹھیرایا ہے یہ کچھ اب مری تقدیر کا نقشہ

کھیتی ہے محبت کی سو بوئے ہے ہمیشہ — اور اشک کے قطروں سے پروئے ہے ہمیشہ

کھائے وہی پیوے وہی سوئے ہے ہمیشہ — دن رات ترے کوچے میں روئے ہی ہمیشہ

عاشق کی یہ ہے منصبِ جاگیر کا نقشہ

ہے نقش مرے دل میں ترے حسن کا ہر آن — مر کر بھی مرے دل سے نہ جائیگا ترا دھیان

زنہار نہ بھولوں گا تجھے میں ارے ناداں — میں تو عرصۂ محشر میں بھی لونگا تجھے پہچان

رانجھے کو نہ بھولیگا کبھی ہیر کا نقشہ

کیا قول کیا پورا کہ اُس کوہ پہ جاکر — دن رات تراشا کیا دلبر کی وفا پر

ناچار جب آ سر پہ ہوا وقت برابر — فرہاد نے تیشے سے لہو اپنا بہا کر

شیریں کو دکھایا وہ جوئے شیر کا نقشہ

لیلےٰ کے کھلے بال جو دیکھے تھے نمودار — بھر عمر رہا پھر اسی پھندے میں گرفتار

کیا چاہ کا اُسکے میں کہوں آہ میں اسرار — یہ تربتِ مجنوں پہ نہیں گھانس اُگی یار

لیلیٰ کی یہ ہے زلف گرہ گیر کا نقشہ

دن رات مرے قتل کو پھرتا ہے وہ گمراہ — اب جی مرا کس طور بچے ای مرے اللہ

کیا فکر کروں کس سے کہوں یہ غمِ جاں کاہ   تدبیر تو کچھ بن نہیں آتی ہے نظیر آہ
اب دیکھئے کیا ہوتا ہے تقدیر کا نقشہ

نظیر اکبر آبادی

سراپائے محبوب

ایک خورشید لقا طرفہ جوانِ ارشق   تابِ رخسار فلک سرخیِ رخسار شفق
وہ جبیں ماہ جبیں اس پہ خطِ چین جبیں   تھی وہ انگشت نبی جس نے کیا ماہ کو شق
کرے دو ٹکڑے مگر کھینچ کے ابرو تلوار   باندھ کر کھینچ کے دل زلف مسلسل کی دہق
تیر انداز تو مژگاں تو ادا دشنہ گذار   چشم ابلق تو نگاہ ترک سوار ابلق
غمزہ و ناز کرشمہ وہ بلا غارت گر   کہ نہ چھوڑیں تن عشاق میں جاں ایک رمق
سرو قامت سمن اندام گلستاں رخسار   ہونٹ گلبرگ دہن غنچہ و بینی زنبق
سرو قامت کے اگر اسکے ہو طوبیٰ سرکش   راست ہاں رہت ہی یہ کُل طویل احمق
شکر آمیختہ بادام مقشّر دنداں   سیب فردوس زنخداں لب خنداں فستق
کھلنا اُسکے دہن تنگ کا ایسا مشکل   جیسے دشوار ہو مفہوم کلامِ مغلق
مصحف روئے کتابی کو جو دیکھو اُسکے   تو کہیں سورتِ اخلاص نہ پاؤ مطلق
لوحِ رنگیں سے نہ زیبا ہو بیاضِ گردن   تا نہ ہو سرخیِ سنجرف کا خونِ ناحق
دست و بازو بر و دوش عجب صبحِ بہار   پنجہ و پنجۂ خورشید و حنا رنگ شفق
سینہ تا ناف صفا آبِ گہر کا دریا   ناف اک عکس دُ فن اسمیں بجائے لزرق
نازک ایسی کمر اسکی کہ سمجھنا مشکل   جس طرح شعر خیالی میں ہوں معنیٔ ادق
ہے گراں اسپہ نزاکت سے نہ باندھی ہرگز   گر ہو تارِ نظر دیدۂ عنقا منطق
اُس کا زانو وہ مصفا کہ اگر دیکھے اُسے   آئینہ آبِ خجالت میں رہے مستغرق
کیا کہوں ساق بلوریں کی صفائی اسکی   شمع گر دیکھے اُسے شرم سے آجائے عرق
قد جو گلبن تھا وہ پاؤں کے حنائی ناخن   نیچے گل ٹپکے پڑے بکھرے ہوئے گل کے ورق

آکے بالیں پہ وہ طناز سراپا انداز
مجھ سے یہ کہنے لگا کیوں ہے تو غمگین ناحق

ابرِ نسیم نقد

جوانی

پوچھوں نہ تجھکو کیونکر اے دلربا جوانی
تو لطفِ زندگی ہے اور وجہِ شادمانی

ہستی میں تیری الفت لائی ہمیں عدم سے
نو ماہ تک رہائی پائی نہ قیدِ غم سے

لیکن جب آنکھ کھولی تیرا پتہ نہ پایا
رو رو کے ہم نے سر پر سارا مکاں اُٹھایا

دن اشکباریوں میں شب بیقراریوں میں
بچپن کی عمر کاٹی یوں آہ و زاریوں میں

برگشتگی نے آخر ہم کو وہ دن دکھایا
تجھ سیمتن کو ہم نے پہلو میں اپنے پایا

آنکھوں نے نور پایا دل نے سرور پایا
پہلو میں جبکہ تجھکو اے رشکِ حور پایا

اے مہ جبیں ہے تیرا نامِ خدا وہ جوبن
پیری نثار جس پر قربان جس پہ بچپن

حسنِ ازل کی پیدا ہے آن بان تجھ میں
حوروں کا ناز تجھ میں غلماں کی شان تجھ میں

حجلہ کی آرزو کی سچ یہ ہے تو دُلہن ہے
آباد تیرے دم سے اس دل کی انجمن ہے

شبہائے تار کی تو اس طولِ زندگی ہے ق
میری نظر میں گویا شفاف چاندنی ہے

تو شانِ زندگی ہے ارمانِ زندگی ہے
کیونکر نہ تجھکو چاہوں تو جانِ زندگی ہے

دیوانہ اپنا تو نے مجھ کو بنا لیا ہے
پروانہ اپنا تو نے مجکو بنا لیا ہے

ہر لحظہ اور ہر دم تیری ہی آرزو ہے
گر مجکو جستجو ہے تیری ہی جستجو ہے

ہر جا پہ تیرا سکہ ہر جا پہ تیرا جلوا
اڑتا ہے اللہ اللہ ہر سو تیرا پھریرا

نرگس کی دیدبازی سوسن کا وہ تکلّم
بلبل کی اشکباری غنچوں کا وہ تبسّم

بادِ صبا کا پیہم اٹھکیلیوں سے چلنا
کلیوں کا شاخِ گل کی آغوش سے نکلنا

شبنم کے موتیوں کا گل پر نثار کرنا
پتّوں کا جھک کے ہر دم کلیوں کو پیار کرنا

ہر ایک شے کی خوبی ہے تیرے دم قدم سے
تیری کرشمہ سازی پوچھے تو کوئی ہم سے

گلشن میں کیا دھرا ہے اور مرغزار کیا ہے
نشو و نما نہ ہو گر فصلِ بہار کیا ہے

جو شے اُبھار پر ہے تو اُسمیں جلوہ گر ہے
گو نام مختلف ہیں پر ایک ہی اثر ہے

تو شمعِ بزمِ حسرت آرامِ قلب جاں ہے
میری طرح سے تجھ پر پروانہ یک جہاں ہے

یہ آرزو ہے میری یوں زندگی بسر ہو
باہیں رہیں گلے میں زانو پہ تیرے سر ہو

محسن

جبتک نہ ساتھ تمہو جنت میں میں نہ جاؤں
حورِ جناں کے بدلے پہلو میں تجکو پاؤں

محشر میں مجکو یوں دے لطف انتخاب تیرا
تو بھی پکار اُٹھے آیا شباب میرا

شاد

گلگشت چمن

صبح کو تو پئے گلگشت جو ہو گرم خرام — ایستادہ ہوں جوانانِ چمن بہر سلام
چتر کا اپنے کیئے ابر ہو سر پر سایہ — سرو شمشاد ہوں تھامے ہوئے توسن کی لگام
پیشوائی کے لیئے آئے نسیم سحری — ساتھ گلہائے چمن بھی ہوں پئے استقدام
وا درِ باغ ہو آغوش تمنا کی طرح — آسماں دیکھتے ہی تجکو کرے جھک کے سلام
ہر روش پر گل نرگس کی بچھی ہوں آنکھیں — سبزے کو حسرت پابوس میں بھولے آرام
دامن گل میں جو شبنم کے بھرے ہوں موتی — خود بخود شوق سے ہوں تجھپہ تصدق وہ تمام
تاک سے بادِ صبا توڑ کے لائے انگور — پھول لا کے کریں پیش مئے عیش کے جام
ڈالیاں شاخ لگائے کہ سرفرازی ہو — آئینہ حوض دکھائے کہ ملے کچھ انعام
لب پہ بلبل کے ترانہ ہو یہ آغر کیطرح — سیر گلزار مبارک تجھے اے ماہ تمام

آغر

بتائیں؟

بتائیں ہم تمہارے کاکل و عارض کو کیا سمجھے — اسے ہم سانپ سمجھے اور اُسے مَن سانپ کا سمجھے
یہ کیا تشبیہہ بیہودہ ہے کیوں موذی سے نسبت دیں — ہُما عارض کو اور کاکل کو ہم ظلِ ہما سمجھے
غلط یہ ہو گئی تشبیہہ بھی، کیا ایک طائر سے! — اسے برق اور اُسے ساون کی ہم کالی گھٹا سمجھے
گھٹا اور برق کیسی کیوں گھٹا کر اسکو نسبت دیں — اُسے برگِ سمن اور اسکو سنبل کی جٹا سمجھے
نباتاتِ زمیں سے انکو کیا نسبت معاذ اللہ — اسے ظلمات اسکو چشمۂ آب بقا سمجھے
اگر کہیئے یہی مقصود تھے خضر و سکندر کے — ید بیضا اسے اور اسکو موسیٰ کا عصا سمجھے
گر اس تشبیہہ سے بھی حرف ان دونوں پہ آتا ہو — اسے قندیل کعبہ اسکو کعبے کی ردا سمجھے
اگر یہ بھی پسند خاطر والا نہ ہو تو پھر — اسے وقتِ نمازِ صبح اور اس کو عشا سمجھے
صفیر اب ساری تشبیہوں کو یوں رد کر کے کہتے ہیں — سویدا اسکو سمجھے اور اُسے نورِ خدا سمجھے

صفیر

جذباتِ شوق

وہ خوش کہ ہے جگر کو نظر میں لئے ہوئے　　میں خوش کہ ہوں نظر کو جگر میں لئے ہوئے
آتا ہوا عدم سے تو بزمِ وجود میں　　آئے ہیں وہ عدم کو کمر میں لئے ہوئے
زلفوں سے دل کو پھینک بھی دو ورنہ عمر بھر　　بیٹھے رہوگے درد کو سر میں لئے ہوئے
کہتے ہیں وہ حیا سے پسینے میں ڈوب کر　　ہے کوئی مجھکو دیدۂ تر میں لئے ہوئے
وسعت ہمارے عشق جنوں زا کی دیکھنا　　دنیا کے حُسن کو ہے یہ سر میں لئے ہوئے
بو تم نے دی نسیم کو اور وہ ہے کوچہ گرد　　ہم کو ملی تھی رہگذر میں لئے ہوئے
کیا شوق اسی پہ چرخ تنک ظرف کو ہے کبر　　ایک اشرفی ہے جیب سحر میں لئے ہوئے

تبسّم

اے تبسّم ہے تجھی سے زینتِ لب ہائے یار　　چومتا رہتا ہے تو لب ہائے جاناں بار بار
دل سے تجکو سب حسین و مہ جبیں کرتے ہیں پیار　　لاکھوں جانیں عاشقوں کی ہوگئیں تجھپر نثار

ہمت افزا ہے کبھی تصویر تیری بزم میں
جان لیوا ہے کبھی شمشیر تیری بزم میں

خندہ زیرِ لب رہا جب تک نہاں ہوکر رہا　　برق افشاں بن کے چمکا جب عیاں ہوکر رہا
جب وہ م انکار نکلا جاں ستاں ہوکر رہا　　لب پہ آیا جب دمِ اقرار ہاں ہوکر رہا

اے تبسّم جلوہ گر تو ہے حیا میں ناز میں
تیرا جلوہ دیکھے کوئی یار کے انداز میں

بزمِ خلقت میں بنا ہے شرم کی تصویر یار　　روئے جاناں میں کوئی دیکھے تبسّم کی بہار
سرنگیں آنکھیں جھکائے ہی حیائے گلعذار　　ہر ادا سے فرحتِ دل ہو رہی ہے آشکار

کوششیں ہوتی ہیں راز دل چھپانیکے لیئے
لب کھُلے جاتے ہیں لیکن مسکرانیکے لیئے

کلام نظیر

نہیں ہوا میں یہ بو نافۂ ختن کی سی　　لپٹ ہے یہ تو کسی زلف پُرشکن کی سی

میں غنچے کے اس لیئے منہ چومتا ہوں غنچے کا   کہ کچھ نشانی ہے اسمیں ترے دہن کی سی

خدا کے واسطے گل کو نہ میرے ہاتھ سے لو   مجھے بو آتی ہے اس میں کسی بدن کی سی

ہزار تنکے چلیں بانکے خوب رو لیکن   کسی میں آن نہیں تیرے بانکپن کی سی

مجھے تو اُسپہ نہایت ہی رشک آتا ہے   کہ جس کے ہاتھ نے پوشاک تیرے تن کی سی

کہا جو تم نے کہ منکا ڈھلا تو آؤں گا   ق   ہے بات کچھ نہ کچھ اسمیں بھی مکروفن کی سی

وگرنہ سچ ہے تو اے جان اتنی مدت میں   یہی بس ایک کہی تم نے میرے من کی سی

وہ دیکھ شیخ کو، لاحول پڑھ کے کہتا ہے   یہ آئے دیکھیئے ڈاڑھی لگا کے سن کی سی

کہاں تو اور کہاں اُس پری کا وصل نظیر   میاں تو چھوڑ یہ باتیں دِوانہ پن کی سی

سورۃ

شرما کے چھپ گیا رخِ روشن نقاب میں   گھر کر گیا یہ مہر دلِ ماہِ تاب میں

خط آ کے دوگنی تاب ہوئی رخ کی تاب میں   سورۃ بڑھی یہ اور خدا کی کتاب میں

رکھو تم اپنا چہرۂ روشن نقاب میں   جھگڑا پڑا ہوا ہے مہ و آفتاب میں

ہم دل کو مانگتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں کیوں   شرمندہ ہوں سوال سے بڑھکر جواب میں

واں نازکی غضب کی یہاں ضعف قہر کا   وہ آئینگے نہ جائینگے ہم اُنکے خواب میں

اللہ رے سوزِ ہجر کے آنسو بھی سوکھ کر   کنکرے بن گئے مری چشمِ پرآب میں

بارش میں عکسِ ماہِ صیام اور بیخودی   ارشد ڈبو کے کھا گئے روزہ شراب میں

حقیقتِ خال

ازل کے روز تری شکل جب بنائی تھی   ق   بنانے والے کو اتنی پسند آئی تھی

کہ دیر تک دیکھا کیا تھا حسرت سے   نظر جمائی تھی رخسار پر محبت سے

نظر نے اپنا کیا کام ایک مرکز پر   سیہ نشان بنایا نگاہ نے جم کر

خبر بھی ہے تجھے یہ سوزشِ نہاں ہے وہی

سمجھ رہا ہے جسے خال یہ نشاں ہے وہی

حسنِ مجازی

ذریعہ ہے باتوں کے لیے نازک خیالی کا — مجازی حسن اک باریک سا پردہ ہے جالی کا

نظر کو طالب دیدار کی جو صاف کرتا ہے — ق — اور اتنا چھانتا ہے اسقدر شفاف کرتا ہے

کہ آجاتا ہے اتنا نور انساں کی بصارت میں — نگہ لرزش نہیں کرتی ہے پھر بزم حقیقت میں

نہ دل میں خوف رہتا ہے نہ آنکھیں ہی جھپکتی ہیں — بآسانی نگاہیں روئے جاناں دیکھ سکتی ہیں

جہاں تک ہو سکے حسن مجازی پر نظر ڈالو
اور اس کے نور سے اپنی نگاہیں صاف کر ڈالو

حسرت

وہ کون حسرت تھی دل کے اندر کہ رخت صبر پیچ و تاب ہو کر — جب آنکھ تک جوش کھا کے آئی ٹپک پڑی خون ناب ہو کر

مزہ زندگی جان سے چکا ہے یہ چہرہ زیر نقاب ہو کر — گھر قیامت کریگا برپا جو نکلے گا بے حجاب ہو کر

نعیم کیسی جحیم کیسی کرشمے سارے یہ حسن کے ہیں — کسی کو لوٹا ثواب ہو کر کسی کو مارا عذاب ہو کر

وہ ہیں سوار سمند خوبی ہلال شوال کی یہ شوخی — گلے لگا جھکے ہوئے کنٹھا قدم لیے ہیں رکاب ہو کر

بلندی اسکی اسکی پستی ہر ایک شے میں اسی کی ہستی — عروج اسکا رسول ہو کر نزول اسکا کتاب ہو کر

وہ حسن جسپر نظر نہ ٹھیرے بہار اسکی دکھا رہی ہے — کہیں صباحت نقاب ہو کر کہیں ملاحت حجاب ہو کر

خبر جو محشر میں بھیڑ کی ہے وہ حسرتوں کا ہجوم ہوگا — وہ داغ ہوگا کسی کے دل کا جو چمکے گا آفتاب ہو کر

مینا سبو اب شیخ کا ہے قائل کہ میکدہ میں پڑے ہوئے جو — لگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے محو دور شراب ہو کر

شناخت اسکی ہے سہل کیونکر کہ حسن کا نت نیا ہو — وہ دن کو خورشید ہو کے نکلے تو رات کو ماہتاب ہو کر

فراق میں اسقدر تردد ابھی نہیں کچھ خبر نہیں ہے — بڑھیگی کچھ اور بیقراری وصال میں کامیاب ہو کر

نہ کر تو اتنی مذمت اسکی بہشت کی چیز ہے یہ واعظ — یہ بلکہ ہے جوش بحر رحمت اگرچہ آیا شراب ہو کر

وہ تھا بنا یا کوئی گل تر پھر اسکی خوشبو وہ روح پرور — جدھر سے گزرے بسا وہ رستہ بہا پسینہ گلاب ہو کر

نگاہیں بھی نہیں ہیں انکی کہ غمزہ انکا نہیں ہے خنجر — کرینگے اقرار خون عاشق کبھی تو وہ لاجواب ہو کر

جناب ناسخ کی یہ ہدایت ہے یاد رکھنا تم اسکو آسی — غزل میں ایسے ہوں شعر جن میں کمی نہ ہو انتخاب ہو کر

صبح کا نظارہ

منظر لب دریا کا تھا یونہی بہت پیارا — سونے پہ سہاگہ ہے یہ صبح کا نظارہ

او حسن سے بے پروا او دھرم کی متوالی
مت جا کہ ابھی نکھری ہے رخسار کی لالی

بخشا ہے تجھے خالق نے ہر عضو بدن پیارا
غنچہ سا دہن پیارا انداز دہن پیارا

آنکھیں بھی جاتی ہیں کیا حسن کی گرمی ہے
غیرت دہ برگ گل رخسار کی نرمی ہے

یہ فتنۂ محشر ہیں یا بانکی ادائیں ہیں
یہ گیسوئے پرخم ہیں یا کالی بلائیں ہیں

گو شانِ تقدس بھی چہرے سے نمایاں ہے
شوخی ادا لیکن غارت گر ایماں ہے

مشتاق تماشا ہے ہر ایک رخ تاباں کا
سورج نے بھی چپکے سے کچھ جھوم کے جھانکا

ارمان بغلگیری اب حد سے زیادہ ہے
دریا کی بصد حسرت آغوش کشادہ ہے

مستغنی از آرائش کیا وضع نکالی ہے
ٹیکا ہے نہ جھومر ہے چٹیا ہے نہ بالی ہے

یہ سادگی بہتر ہے ہر ایک بناوٹ سے
اچھا ہے یہ بھولا پن ہر ایک لگاوٹ سے

ستا تن نازک گو ہلکی سی ساری ہے
ہے قول نزاکت کا پھر بھی کہ یہ بھاری ہے

بھیگے ہوئے کپڑے سے ہے رنگ بدن پیدا
یا جھلکے ہے بادل سے سورج کی کرن پیدا

اسکو بھی پسند آئی یہ شکل ہی پیاری ہے
تصویر جو یوں دل میں دریا نے اتاری ہے

جب پانی چڑھ جائے گی یہ صورت نورانی
ڈر ہے کہ نہ سورج پر پڑ جائے گھڑوں پانی

اوپر کو اٹھاؤ تو تم بہر خدا آنکھیں
یہ سحر بھری آنکھیں تصویر حیا آنکھیں

تم یوں ہی نہانے کو اُدھر بھی کھڑی ہوتیں
افسوس مری آنکھیں پتھر میں جڑی ہوتیں

شہیدِ حسن

ہر وقت آئینے میں ہے محو دید حسن
مشاطۂ جمال نے پائی کلید حسن

ہو کر رہے گا خون تمنا بہار میں
نسرین و نسترن کی آمد ہے عید حسن

دیکھے کوئی جمال کی ناز آفرینیاں
شوخی غلام ناز حیا ہے مرید حسن

وہ جلوہ بے نقاب تو دیکھا نہ جائیگا
صورتکدے میں حسن ہے حسن مزید حسن

کیوں مست ہو نہ کوئی یہ آئینہ دیکھکر
رخسار لالہ رنگ ہے جام نبید حسن

کیا کہیے دل کا حال کہ کیا کیا بہار ہے
گلزار و رنگ و بو میں ہے جل نظارۂ شہید حسن

کلامِ عاقل

کون کہتا ہے کہ عارض تیرا قرآن نہیں — جو نہیں مانتا۔ کافر ہے مسلمان نہیں
جو تیرے حُسن خداداد پہ قربان نہیں — میری دانست میں پتھر ہے وہ انسان نہیں
گالیاں غیر کو دیتے ہو سنا کر مجھ کو — سب سمجھتا ہوں مری جان میں نادان نہیں
محفلِ غیر میں بُلوا کے کیا اور ذلیل — یوں ملے جیسے کبھی جان نہ پہچان نہیں
جامِ مے پینے سے کیوں کرتے ہو عاقل انکار — ایسی باتوں پہ کیا کرتے ہیں نادان نہیں

عزتِ حسین

وہ شرما کر جھجک کر جب زمیں پر پاؤں رکھتے ہیں — قیامت ہر قدم پر کھچتی جاتی ہے زمیں ہو کر
شرارت کیا سنبھالی جا سکے گی نیچی نظروں سے — حیا کا بوجھ کیونکر اٹھ سکے گا نازنیں ہو کر
دلِ مشتاق میں آئینہ میں۔ اپنی نگاہوں میں — حسیں ہر رنگ میں عزت سے رہتے ہیں حسیں ہو کر

حُسنِ تکلم

تصویر میں جو جو تیری رعنائی ہے — خواہانِ دل و صبر و شکیبائی ہے
ہر حُسن غرض حُسن طلب ہے گویا — خاموشی بھی ہم صورتِ گویائی ہے

مالکِ تقدیر

پہنا دیا ہے طوقِ غلامی تو ایک نے — میری طرف بھی مالکِ تقدیر دیکھنا
ہوش اڑ نہ جائیں صنعتِ بہزاد دیکھ کر — آئینہ رکھ کے سامنے تصویر دیکھنا

خوابِ ناز

ہاں نگاہِ شوق آ دکھلائیں اک پیارا سماں — پاک نظارہ ہے آ تا پاک دل سے تو بھی یاں
تو بنے گل چیں تو یہ ہے ایک طرفہ بوستاں — شائقِ گلگشت جس کا ہو دلِ رومانیاں

حُسن کا اس دم عجب عالم فریب انداز ہے
وہ بہارِ باغِ خوبی محوِ خوابِ ناز ہے

اس گھڑی آرام میں ہیں وہ نظر کی بجلیاں — چلبلی وہ مسکراہٹ وہ پیاری شوخیاں
جاگتا ہے ایک بھولا پن مثالِ پاسباں — پیارے چہرے پر ہی چھایا ہائے کیا پیارا سماں

گر فرشتے بھی یہ بھولی بھالی صورت دیکھ پائیں

اپنی معصومی کے دعوے سے یقیں ہی اٹھ گیا

روح پرور کرتا ہے یہ منظر عجب دلکش اثر — جس طرف کو آنکھ اٹھاؤ چاندنی ہی جلوہ گر
منعکس ہوتا ہے اس چہرے سے کیا نورِ قمر — چاندنی کی ہر کرن ہے ایک لعنت کی نظر

چاند بھی گویا کہ اس جلوہ سے محوِ دید ہے
ہاں مبارک ہو نگاہِ شوق تیری عید ہے

ہے غرورِ حسن کی اس سادگی میں بھی جھلک — ہر شعاعِ حسن میں ہے برقِ خاطف کی چمک
نشترِ جاں ہے سکوں میں بھی ہر اک بانکی پلک — اضطراب انگیز ہے گھونگر والے بالوں کی مہک

ابروئے پیوستہ میں عشوہ ہی گو دزدیدہ ہے
مسکراہٹ ہی لبوں پر اب بھی گو خوابیدہ ہے

ہیں ہم آہنگِ خموشی غمزہ و ناز و ادا — دیدۂ مشتاق ہے آئینہ ساں حیرت زدہ
اس چمن کی دلفریبی کی نہیں کچھ انتہا — اے نگاہِ شوق بس گلگشت اس کی تا کجا

یہ نہ ہو ارمان کی بے تابیاں ہونے لگیں
جاگ اٹھیں گر وہ تو تجھ سے بدگماں بننے لگیں

حسن و عشق

عشق نے تنگ آ کے آخر حسن سے اک دن کہا — دیکھئے پیارے، نہیں اچھے تیرے جور و جفا
گرم ہفت اقلیم میں بازار تیرا مجھ سے ہے — تیری عزت مجھ سے ہے تیرا بول بالا مجھ سے ہے
میں نہ ہوں تو میری جاں تیری حقیقت کچھ نہیں — جب کوئی گاہک نہ ہو موتی کی قیمت کچھ نہیں
اس پہ میرے ساتھ تیری کج ادائی ہے غضب — یہ تغافل ہے ستم بے اعتنائی ہے غضب
چھوڑ دے اس ٹیڑھی ڈگر کو لے وفا کا راستہ — ورنہ پیارے اپنی ان باتوں سے تو پچھتائے گا

بیوفائی میں اگر تجھ سے کروں تیری صفت
خاک میں مل جائے ساری تیری قدر و منزلت

حسن نے جس وقت یہ تقریرِ برجستہ سنی — عشق پر تیوری چڑھی غصہ کی ناز و نخوت سے بھری
بولا اپنی اصل کی شاید نہیں تجھ کو خبر — صفحۂ ہستی پہ تو ہے میرے ہی جلوہ کا اثر

میں اگر ہوتا نہ اے نادان۔ تو تو ہوتا کہاں — میں اگر معدوم ہو جاؤں تو تو ہے بے نشاں

آہ واقف غم ہوا اب آب و دانہ ہے تیرا — یہ میرے انعام ہیں ان پر گزارا ہے تیرا

دل پہ کیوں احساں فراموشی کا ڈالا پردہ ہے

تو جہاں میں میرا آوردہ ۔ نمک پروردہ ہے

عقل نے نیرنگ! یہ تری یہ تری جب سنی — یہ کہا اور ہم سے سچ پوچھو تو دل لگتی کہی

عشق کا ممکن ہے کیونکر حسن سے ہونا جدا — عکس ہے آئینۂ ہستی میں یہ تو حسن کا

حسن اک سورج ہے اور ہے عشق اس سورج کا نور — کس طرح ممکن ہے ہونا نور کا سورج سے دور

عالم ہستی میں دونوں لازم و ملزوم ہیں

ہیں تو دو دونوں ہیں نہیں تو دونوں ہی معدوم ہیں

نیرنگ

کلام نواب یوسف خاں لکھنوی

وہ کون سا حسین ہے تم پہ نہیں جو مرتا — بھرتا ہے حسن یوسف پانی چہ ذقن میں

مرنے کے بعد ایسے کچھ ہم ہوئے تبرک — بوسیدگی نے چوما مرا استخواں کفن میں

ہر رنگ کے گلوں نے ڈالا جو عکس یوسف — طاؤس بن گئی ہے باد صبا چمن میں

یوسف

انتخاب گنگا جمنا

جب صانع ازل نے صورت تیری دکھائی — ہونٹوں کو جان دیدی آنکھوں کو جانفزائی

خاکہ بنا کے کھینچا یوں نقش ناز تیرا — بول اٹھی چھین لو گی دل شان دلربائی

نقشہ بنا کے تیرا صناع دو جہاں نے — تصویر تیری چومی اور آنکھوں سے لگائی

خلوت سے بنکے دلہن نکلی حیا جو تیری — آب رواں کی چادر ہلکی سی اک اڑھائی

جلوے نے تیرے مجکو بیخود کیا کچھ ایسا — جرأت تجھے دکھانے آئینہ لے کے آئی

حسن ازل نے جسکو پایا نہ تیرے قابل — حصے میں مہوشوں کے آئی وہ خود نمائی

گنگا بڑھی ادھر سے جمنا بڑھی ادھر سے — اجزائے حسن نے یوں ترکیب ملکے پائی

وابستہ ہو گئے وہ دامان دل فریبی

ورنہ نہ آہ کیونکر ہو شان دل فریبی

نشا سہارے
جمنا داس جہانگیری

اثباتِ جرم

جرم ثابت ہو گیا واکرنا لبِ فریاد کا — صید کیا شکوہ کرے بیمہریِ صیاد کا
نرگسِ مستانہ میں کیفیتِ جامِ شراب — قامتِ رعنا پہ عالم مصرعۂ استاد کا

کھلونا

وہ کہتا ہے میں توڑوں گا میں کہتا ہوں اسے مت توڑ — وہ کہتا ہے کھلونا ہی میں کہتا ہوں مرا دل ہے
ہمارے وصل کا وعدہ پڑا ہے سخت جھگڑے میں — جوانی کہتی ہے آساں حیا کہتی ہے مشکل ہے

آئینہ

کیوں نہ آئینے سے ہو مجھکو تنفّر احساں — عیب یکتائی انساں میں لگا دیتا ہے
اس سے بڑھکر نہیں آفاق میں مشرک کوئی — ایک کے دو یہی کمبخت بنا دیتا ہے

تمنائے موت

شکل پیاری ہے نگہ پیاری ادائے پیارے — تیرے جوبن تیرے انداز ہیں سارے پیارے
قتل غیروں کو کیا ہائے ہمارے ہوتے — مر گئے ہم فقط اس شرم کے مارے پیارے

میرا قاتل

دشمنِ جاں ہے ابھرتا ہوا جوبن ان کا — رنگ لائیگا جوانی میں لڑکپن ان کا
داورِ حشر سے کہدوں گا کہ قاتل ہے یہی — حشر میں تھام کے بیساختہ دامن ان کا

شرمیلی آنکھ

بول اے تصویرِ فطرت اپنے منہ سے بول تو — محوِ حیرت کیوں ہے خاموشی ہے کیوں چھائی ہوئی
بات کر ہم سے لبِ رعنا و رنگیں کھول تو — سامنے ہے کون کیوں ہے آنکھ شرمائی ہوئی

نزاکت

آہ یہ لب یہ تبسم اور آنچل ہاتھ میں — منہ سے کچھ کہہ تو سہی مدِنظر ہے کیا تجھے
اور نگیلے نازنیں آجائیگا بل ہاتھ میں — ہائے کیوں اپنی نزاکت کی نہیں پروا تجھے

کم سنی

کان میں بندے ہیں ہاتھوں میں سہاگن چوڑیاں — ہے گلے میں موتیوں کا ہار آرائش فزا

یہ تناسب اور رنگ کم سنی غازہ فشاں اور ان سب پر نمود حسن زیبائش فزا

نئی ہولی

عجب عالم ہے اسکا وضع سادی شکل بھولی ہے کبھی جاتی ہے دل میں کیا رسیلی نرم بولی ہے
ادائیں کھیلتی ہیں رنگ تلوار اسکے تولی ہے لہو کی چلتی ہیں پچکاریاں مقتل میں ہولی ہے
صباان مُنہ بندھی کلیوں نے شب کو کسکی چوری کی کہ تونے صبح کو ایک ایک کی بنچی ٹٹولی ہے

بیوفائی

ترے بندوں نے کرتے ہیں یہ بت دعوے خدائی کا تماشا دیکھتا ہوں تیری شانِ کبریائی کا
خدا نے ان بتوں کو کچھ نئی طینت عنایت کی خمیر ان کا بنا ہے کھچکے جوہر بے وفائی کا

دو بلائیں

مری جاں خوب دل زلفوں میں پھانسا بلا کو باندھ رکھا ہے بلا سے
جوانی میں غضب ڈھائیں گے کیونکر وہ جب ہی فتنہ تھے جب تھے ذرا سے

نمود حسن

اے نمودِ حسن اے تصویرِ جذبات آفریں کسقدر بیباک یہ تیری ادائے ناز ہے
سر سری بھی اک جھلک تیری خیال آفریں کیا ہی دل آویز تیرا غمزہ ہائے ناز ہے

بیتاب

چلبلا دل

اُنہیں درکار ہے اک چلبلا دل یہ سننا تھا کہ بجلی بن گیا دل
دُہائی بادشاہ حُسن کی ہے ادائیں چھینے لیتی ہیں میرا دل
اسیر اس ناز سے ظالم نے دیکھا نگاہیں بول اٹھیں وہ لے لیا دل

اسیر

خیال باطل

جب وہ بے پردہ بام پر آئے چاند کترا گیا مقابل سے
بنے ہونگے کبھی یہ بت ایدل در گزر اس خیال باطل سے

تصویر خیالی

میری حسرت اور خالی جائیگی ہوش کی لو پیر نہ ٹالی جائے گی.

ایسی کیا شے جا تجلی آن لگی تھی — تیری تصویر خیالی بنے گی
آئینہ دیکھا تو میرا جی کیا — تیری شان بے مثال بنائے گی

آنکھیں

تڑپا ہیں جو آنکھوں کو پسند آگئی آنکھیں — دل لوٹ گیا چوٹ غضب کھا گئی آنکھیں
آفت کی سفیدی ہے قیامت کی سیاہی — نیرنگ دو عالم مجھے دکھلا گئی آنکھیں
اس ناز سے دیکھا کہ ہم کٹ گئے عشاق — یک یک کو ایک ایک سے لڑوا گئی آنکھیں

ادائے دلفریب

ظالم کی جو ادا ہے غرض دلفریب ہے — شوخی میں کیا ہے ناز میں کیا سادگی میں کیا
یہ کہہ کے وہ تو داورِ محشر سے چل دیئے — کیا جانئے کہ بات ہے یہ دیوانہ پن میں کیا

پیار میں لڑائی

شوخ کچھ ایسی نگاہِ یار ہے — پیار میں بھی لڑنے کو تیار ہے
التجا، منت، سماجت، عاجزی — سامنے اس بت کے سب بیکار ہے

انتخاب نظر

بچے نہ آنکھ میں جو شے وہ دلپسند نہیں — ہر ایک طرح مقدم ہے انتخاب نظر
ہے محو صنعت صانع حبیب حسن پرست — ترے نصیب میں زاہد نہیں ثواب نظر

چوٹی

تمہاری زلف خود دل مانگ لیگی — یہ چوٹی کس لیئے پیچھے پڑی ہے
تہ و بالا کیا ہے تو نے ظالم — قیامت کی چوٹی چھٹ پڑی ہے

درخشندہ چہرہ

صحبت فراق اسکی میسر ہو کس طرح — دن کو تو وہ کہے ہو کہ ملنے کا ڈھب نہیں
اور رات کو جو کہیئے تو پھر وہ بہانہ جو — زلفیں ہٹا کے منہ سے یہ کہتا ہے شب نہیں

سجدۂ سہو

مانا نہ حشر خیز نے تیرے خرام کو — دھبہ لگا یا تو نے قیامت کے نام کو

ے جنازے پڑھ بن سنور کے آئے ہیں — کرنا پڑے گا سہو کا سجدہ امام کو

حباب درتۂ آب

و دوپٹہ آب رواں کا پڑا ہے سینے پر — بھلا کسی نے بھی دیکھے حباب درتۂ آب

غم رقیب میں اتنا نہ رو تو اے کافر — ڈبو نہ مصحف رخ کی کتاب درتۂ آب

آنکھیں

اندھیرا کرنے والے انکو ساون کے سیاہ بادل — سمندر کی طرح لبریز ہیں جسطرح پانی سے

یونہی دوشیزگی کے جوش سے اے فتنۂ محشر — تری آنکھیں چھلکتی ہیں شراب ارغوانی سے

دفتر انکار و سرخیٔ اقرار

اُسنے اتنا نور بخشا گرمیٔ رخسار سے — لو نکل آئی نگاہ طالب دیدار سے

نرمی و آہستگی سے پاؤں رکھنے کی ادا — سیکھیں ہیں شبنم کے قطرے آپکی رفتار سے

کی عجب صنعت دم وعدہ تبسم نے ترے — دفتر انکار لکھا سرخیٔ اقرار سے

بیٹھ کر رہتا ہے حجرے میں اتو نکو مجھے — کوئی پہروں جھانکتا ہے عالم انوار سے

مقابلہ

حوروں سے ملاؤں میں کسی شوخ کی صورت — دم بھر کو اگر چرخ سے جنت اُتر آئے

حسن آئینۂ عشق ہو عشق آئینہ حسن — میں تجکو نظر آؤں مجھے تو نظر آئے

رہ رہ کے وہ پچھتائیں کہ کیوں اسکو ستایا — تھم تھم کے مری آہ میں یارب اثر آئے

دعائے معشوق

پیکاں ہی ترے تیر کا پہلو میں در آئے — ٹھنڈا ہو کلیجہ بھی اور امید بر آئے

کوٹھے سے نزاکت تو اُترنے نہیں دیتی — تم آنکھوں سے دلمیں مرے کیونکر اتر آئے

دیکھی جو مری یاس ترس کھا کے یہ بولے — اللہ کرے اب تیری امید بر آئے

کمر کو مت لچکا

سمند ناز پہ وہ شاہسوار جب نکلا — تو غل سا مچ گیا بازار بیچ بیچ کا

لچک سی آگئی ہے شاخ گل کے شانے میں — خدا کے واسطے اپنی کمر کو مت لچکا

نیا حباب

پہلو میں رشکِ ماہ تھا دورِ شراب تھا　　اک برج میں قِران مہ و آفتاب تھا

سینے پہ بحرِ حسن کے ابھرا ہوا تھا کچھ　　یہ قلزمِ شباب کا شاید حباب تھا

تصویرگلی

حور و غلماں میں جو ہے حسن بشر میں بھی وہ ہے　　کم یہ تصویر گلی رنگ میں روغن میں نہیں

اٹھی اور چلی

پھری قسمت ہوا کی آپ کی زلفوں کے صدقے میں　　پریشاں ہو کے اٹھی تھی چلی عنبر فشاں ہو کر

فروغِ رخ

تصویر میں اترا نہ فروغِ رخِ روشن　　سانچے میں کبھی دھوپ کو ڈھلتے نہیں دیکھا

حسینوں کا اثر

بزمِ دنیا میں عجب دیکھا حسینوں کا اثر　　یاں فرشتوں کے تئیں پاؤں پھسلتے دیکھا

قرآن و ہندو

مصحفِ رخ پہ لٹکتا ہو وہ گیسوئے سیاہ　　بوسے قرآن کے لیتا ہے یہ ہندو ہو کر

کاکل پریشان

کاکل کے چند موئے پریشاں کا نام ہے　　دل کے لیے خدا نے اسے دام کر دیا

ہیرے کی کنی

کھاتا ہے وہ بت پان کو دانتوں میں چبا کر　　یوں لعل کٹا کرتے ہیں ہیرے کی کنی سے

چلبلا معشوق

میں اپنے شیشۂ دل میں اتار لوں تصویر　　تمہیں ذرا بھی تصور میں گر قرار رہے

انگڑائی

ہالے کی شکل گردِ رخِ ماہوش ہوئی　　انگڑائی لی جو یار نے دونوں ملا کے ہاتھ

تصور کا مصور

تجکو شاباش تصور کے مصور دلبر　　لکھ دے اُس عالمِ تصویر کی تصویر مجھے

نورِ خدا

شجرِ طور جو قامت ہے تو رخ شعلۂ طور	اے بتو! نورِ خدا کا ہے تمہارا عارض

خوبانِ نوخط

لگا خوبانِ نوخط سے یہ ملنے	گھسیٹا پھر مجھے کانٹوں پہ دل نے

مرقع کی جان

تصویر اُن کی سارے مرقع کی جان ہے	گویا چمن میں پھول کِھلا ہے گلاب کا

اللہ رے لطافت

لطافت سے مِرا محبوب تصویر خیالی ہے	وہ پہلو میں ہے اور پہلو مرا خالی کا خالی ہے

تم اور قیامت

عبث یہ فکر تمہیں ہے کہ کون ساتھ چلے	اُٹھو گے تم تو قیامت نہ اُٹھ کھڑی ہوگی

معمّہ

ہاتھ کب آتا تھا مضمونِ دہن	یہ معمّہ حل ہوا ادراک سے

ماہِ مبین

رخسار دونوں منہ پہ تو بدرِ ہلال ہیں	گر مانگ کہکشاں ہے تو ماہِ مبین جبیں

ڈر آتا ہے

جی میں جس وقت کہ مضمون کمر آتا ہے	بسکہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈر آتا ہے

یکتائی

جیسی تیری تصویر لکھی کلک قضا نے	وہ حسن نہ دیکھا کسی تصویر کے منہ پہ

پھبتا ہے

جانے دے تسلیؔ تو نہ کر فکر سخن کا	پھبتا ہے سخن مصحفیؔ و میرؔ کے منہ پہ

معجزۂ عظیم

بھلا یہ کس نبی کا معجزہ تھا منصفو! دیکھو
کہ دروازے پہ جسکے ہوں کھڑے پیغامبر لاکھوں

دو پُتلیاں

دیکھا جو اُسنے تختۂ نرگس پہ آئینہ — لاکھ آنکھوں میں دکھائی دیں دو پتلیاں مجھے

منبر

چمن میں بھی پڑھا جاتا ہے خطبہ اُنکی عظمت کا — خطیب خوش بیاں بلبل ہے شاخ نخل گل منبر

لعلوں کی لعل

لعلوں کی لعل ہوں میں نوں جگہ جڑی ہے — سُسرال ہے بدخشاں میکا مرا یمن ہے

چاندی کی تھالی

سامنے اُس بدر روشن کے نہ پایا جب فروغ — ایسی سہمی چاندنی چاندی کی تھالی ہوگئی

چمک

ہے عجب تاثیر عشق ابروئے خمدار کی — ورنہ بھی اُٹھ اُٹھ کے دیتی ہے چمک تلوار کی

وضو

قرآن رُخ کے چھونے کی جو آرزو کریں — پہلے وہ آب دیدۂ تر سے وضو کریں

پھر گئی

دو طرح کی اس نگاہ شوخ میں تاثیر ہے — پھر گئی تو تیغ ہے سیدھی ہوئی تو تیر ہے

آپ کا اُٹھنا

روکوں حضور کو میں یا تھام لوں کلیجہ — پہلو سے آپ اُٹھے اک درد اُٹھا جگر میں

دعوائے خدائی

جواب حشر میں ہو شان کبریائی کا — خدا کے سامنے دعوے کرو خدائی کا

بے خودی

اے بے خودی اسلوک کر اتنا کہ حشر تک — میری خبر ہو دل کو نہ دل کی خبر مجھے

زہر کھاتے ہیں

یہ جتنے سرو ہیں سب اُسکے قد پر زہر کھاتے ہیں
چمن میں سبز کیونکر ہو نہ جائیں سر سے پاؤں تک

دو پھل

اب مزے لوٹیں گے اٹھتی ہے جوانی اُن کی
نخل امید سے دو پھل ہیں اُترنے والے

بیہوش

بوسہ جو دیتے دیتے وہ روپوش ہوگئے
ہم آتے آتے ہوش میں بے ہوش ہوگئے

نقشہ حور کا

حسن میں تھا اُس پری پیکر کے عالم نور کا
آنکھ آہو کی، کمر چیتے کی، نقشہ حور کا

مرغ سلیمان

جو مُنہ اُس کا تکے ششدر و حیران بنکر
ہوش پریوں کے اُڑیں مرغ سلیمان بنکر

بڑا جعل ساز

گھیرا ہے روئے یار کو زلفِ دراز نے
قرآں اٹھالیا ہے بڑے جعلساز نے

بھرے اور ہوا میں

بچپن ہیں سب چین سے آغوش دعا میں
جوبن نے اُبھارا تو بھرے اور ہوا میں

عالم کو پسند آنا

میری طرح سے جائیگی تجھپر کسی کی جان
میری طرح سے آئے گا عالم کو تو پسند

جادو اور پیمبر

دکھا کر آنکھ قاصد کو صنم نے کر لیا بندہ
خدا کی شان دیکھو چل گیا جادو پیمبر پر

تنگ قبا سے نکلنا

کہتا ہے جوانی میں یہ اُس شوخ کا جوبن
ہم سے نہ رہا جائے گا اِس تنگ قبا میں

اُچکّے

اُڑائے جاتے ہیں عاشق کے دل کو سینہ زوری سے
غضب کے دو اُچکّے بھیس میں جوبن کے بیٹھے ہیں

کلیجہ نکلنا

یوں مُسکرا رہے ہو کہ دل کو نہ کل پڑے
کیا چاہتے ہو مُنہ سے کلیجہ نکل پڑے

نرالے ڈھنگ

پریشاں ہوں تو سنبل ہے جو بل کھائیں تو کالے ہیں　　تمہارے گیسوؤں کے ڈھنگ دنیا سے نرالے ہیں

رخسارِ جاناں

گر کتاں اس سے پھٹے اس سے جگر ہو چاک چاک　　ماہ تاباں اور ہے رخسارِ جاناں اور ہے

مصحفِ رُخکی نگہبانی

تمہارے مصحفِ رخ کا نگہباں خال کیونکر ہو　　کرے گا کیسے قرآں حفظ یہ لڑکا ہے ہندو کا

پروانے کا آنا

رخِ روشن کے آگے شمع رکھکر وہ یہ کہتے ہیں　　اُدھر جاتا ہے یا دیکھیں اِدھر پروانہ آتا ہے

بے گنت

بے گنت بوسے لینگے رخِ دلپسند کے　　عاشق ترے پڑھے نہیں علمِ حساب کے

دانہ اور دام

خالِ مشکیں بھی ہو اور زلفِ سیہ فام بھی ہو　　مرغِ دل کیونکر پھنسے دانہ بھی ہو دام بھی ہو

مسل ڈالا

جو سینے سے ڈھلکا دوپٹہ کسی کا　　مسل ڈالا ظالم کلیجہ کسی کا

ترشح کا عالم

عرق آلودہ زلفیں ہیں رخِ رنگینِ جاناں پر　　ترشح کا ہے عالم بر چھایا ہے گلستاں پر

اشارے کا اثر

تیغِ ابروسے اگر ہوگا اشارہ آپ کا　　ہے یقیں پانی بھی مانگیگا نہ مارا آپ کا

چٹخ جانا

کیا ہم سخنی کرتا ہے اس گل کے دہن سے　　غنچے سے یہ کہدو کہ چٹخ جائے چمن سے

حُسن کی سرکار

خط بڑھا کاکل بڑھے زلفیں بڑھیں گیسو بڑھے
حُسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

تین تین بل

بل ہے کمر کہ زلف مسلسل کے پیچ میں
کھاتی ہے تین تین بل اک گدگدی کے ساتھ

بدن تصویر کا ابھرنا

حسن کھلتا ہے حسینوں کا جسے جتنی نگاہ
جسقدر دیکھو ابھرتا ہے بدن تصویر کا

شراب میں سانپ

پڑا جو سایۂ گیسو جھجک کے ساقی نے
یہ کہہ کے رکھدیا ساغر کہ ہے شراب میں سانپ

انگڑائی کا عالم

اپنے مرکز کیطرف مائل پرواز تھا حسن
بھولتا ہی نہیں عالم تیری انگڑائی کا

دونوں کی رسوائی

کھل گیا سینہ تو عصمت سے حیا نے یوں کہا
ایک انگڑائی میں ہم دونوں کی رسوائی ہوئی

حواس کا اڑنا

کسی کے آتے ہی ساقی کے دو حواس اڑے
شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

جوشِ بہار

یہ شدت جوشش فصل بہاری کہ نہیں ممکن
مقرر منھ کبھی پوچھا ہو تم نے گل سکو جہاں سے

افسانۂ یار

پڑتے ہوئے گوش تک سننے کو آجاتی تو جاں
کسقدر دل چسپ حسن یار کا افسانہ ہے

صورت کا زور

ایسی تو ہم نے حسن پرستی کی دھوم کی
یوسف سے بحث کی تری صورت کے زور پر

پانی بھرنا

پھولے شفق تو زرد ہو آنکھوں کے سامنے
پانی بھرے گھٹا ترے بالوں کے سامنے

خدا کا خفا ہونا

میں تو کہہ دوں صاف اسکے حسن کی کیا شان ہے
پر خدا وند دو عالم تو خفا ہو جائے گا

گیسو کی تعریف

بل کھا رہے ہیں چہرے پہ گیسوئے پُر شکن | مارِ سیاہ کھیل رہے ہیں چراغ سے

مردمی

رخ سے نقاب آج وہ اُلٹے گا زاہدو | گر مرد ہو تو صبر و تحمل نہ چھوڑنا

مانگے کی چیز

ادا پریوں کی جوبن حور کا شوخی غزالوں کی | غرض مانگے کی ہر اک چیز ہے ان حسن والوں کی

کمر یار

سنتے ہیں گئے مانی و بہزاد عدم کو | اب کھینچیں تو کھینچیں کمرِ یار کی صورت

دو سر کش

تمہارے اُٹھتے جوبن کو دوپٹہ کیا جائے گا | یہ دو سرکش بلا کے ایک سے کیا دبنے والے ہیں

لاکھا جمانا

بس قتل عاشقاں پہ نہ بیڑا اٹھائیے | لاکھوں کا خون ہوگا نہ لاکھا جمائیے

مہمان

جماں دیکھا نئے انداز سے وہ شوخ مہماں تھا | نگہ میں نور تھا پہلو میں دل تھا دل میں ارماں تھا

نرگس کا ہار

شب سہانے تارے آنکھیں لڑتے تڑپنے | نرگس کا جب گلے میں اُس گل نے ہار ڈالا

زیر زنخداں

بندھ سکا ہم سے نہ مضمون اُس دہانِ تنگ کا | ہاتھ اپنا فکر میں زیرِ زنخداں ہی رہا

نالہ نشیں

حلقۂ گیسو میں دیکھی کس کے رخسارے کی تاب | شب مہِ ہالہ نشیں سر در گریباں ہی رہا

موسیٰ و فرعون

زرکے بدن پہ پٹکے کستے ہو تم جو غرہ

موسیٰ کمر نے تجھ کو فرعون سا بنایا

چراغ کعبہ

نہیں ہیندھو کا ٹیکہ لگا محراب ابرو میں — چراغ اُس شمع رو نے عین کعبہ میں جلایا ہے

خطا کا اقرار

کیا آپ عوض بوسے کے لیں گے کسی کی جان — بندہ نواز کہہ تو چکا میں خطا ہوئی

کالی گھٹا

کس نے کھولا زلف کو بکھرا کے رخسار پر — چھا گئی کالی گھٹا سی آن کر گلزار پر

کیلے ہوئے سانپ

اے دل تو نہ ڈر حلقۂ گیسو سے کسی کے — یہ سانپ ہیں کیلے ہوئے جادو سے کسی کے

جادو بھری تصویر

دل کھنچا آتا ہے میرا خود بخود آنکھوں کی راہ — ہائے کس کافر کی یہ جادو بھری تصویر ہے

دلربائی کا سامان

ناز ہے انداز ہے غمزہ ہے اک آن ہے — دلربائی کا غرض تیار سب سامان ہے

سرکشوں سے زور نہ چلنا

کسی کا کہیں دو سرکشوں سے زور چلتا ہے — دوپٹہ لاکھ سینے پر سنبھالو کب سنبھلتا ہے

دوبارہ نظر آنا

جس جلوہ نے تھا طور شرر سے جلایا — دیکھا جو تجھے مجھکو دوبارہ نظر آیا

ناک میں جان

جو حلقہ بگوش نتھ کے ہیں — ناک میں اُنکی جان آئی ہے

سورۂ اخلاص

تپ چڑھے نہ کمند ابرو کی یہ چوٹ — دیکھنے کا سورۂ اخلاص پڑھ کر آئینہ

جنبش ابرو

جنبش ابرو ہے کافی نیم بسمل کے لیے
دیکھئے میری طرف تلوار رہنے دیجے

ماہتاب آفتاب میں

عکس ساقی شراب میں دیکھا — ماہتاب آفتاب میں دیکھا

ہمکلامی نہ کرنا

نزاکت لب یار کی کہہ رہی ہے — کسی سے نہ ہم ہمکلامی کرینگے

دعوئ پارسائی

پوچھتی ہے وہ نرگس مخمور — کس کو دعوے ہے پارسائی کا

دیکھنا

حسرت کیفیت ہائے ہیں انداز نثار — انگڑائی لیکے اسنے کہا دیکھنا مجھے

نگہبانی

ہٹ گیا آنچل تو غمزے نے کہا چل دور ہو — تو نے کی اور تجھ سے جوبن کی نگہبانی ہوئی

بھولی صورت

سب جھوٹ کیا کیا پیار بھی جو نہیں سمجھتا — وہ بھولی بھولی صورت دل میں رکھ لینے کے قابل ہے

نور کا دریا

موجزن اک نور کا دریا نظر آیا مجھے — آگیا جسوقت اس رخ کے برابر آئینہ

حیرت

ہوئی خود ہی نقاش قدرت کو حیرت — بنا کر مرے یار جانی کی صورت

چار آنکھیں

دیکھتے ہی دیکھتے تلوار آنکھیں ہو گئیں — دل کے دو ٹکڑے ہوئے جب چار آنکھیں ہو گئیں

بیقرار جگر

تیر تیکھے تیرے قاتل کے شوخیوں — چبھن جس سے دل ہے جگر بیقرار ہے

دیوانہ برہمن

چین میں غارت گر دیں عجب مستانہ ہے
شیخ از خود رفتہ اور برہمن دیوانہ ہے

سانپ کا لہرانا

گیسوئے مشکیں رخِ محبوب تک آنے لگے — چشمۂ خورشید میں بھی سانپ لہرانے لگے

ہچکی

دکھائی چشمِ مست اپنی جب اُس رندِ شرابی نے — نہ دم مارا کٹورے نے نہ ہچکی لی گلابی نے

ساز میں شرکت آواز

بجلیاں گرتی ہیں دل پہ ساز کی — اُس میں پھر شرکت تری آواز کی

خرام ناز

ہے نسیمِ صبح کا عالم خرامِ ناز میں — سبزۂ خوابیدہ کو چلتے ہو چونکائے ہوئے

نسیم کی آوارگی

اُس سروقد کی دیکھی جو رفتار باغ میں — آوارہ پھر رہی ہے نسیمِ سحر ہنوز

دلمیں پنہاں ہے

کیسے کھینچے تیری صورت کوئی بہزاد و شمال — ایسی صورت کا مرے دلمیں ہی پنہاں کوئی

گرم نگاہ

نگہ گرم سے پری رو کے — شیشۂ دل مرا گداختہ ہو

پنکھا

بندِ قبا چمن میں جو وہ یار وا کرے — لے برگِ گل کو ہاتھ میں پنکھا صبا کرے

شبِ دیجور

زلف سر کی عارضِ پرنور سے — دن نکل آیا شبِ دیجور سے

خلد میں تصویر لیجانا

خلد میں تصویر کس کی لے چلا — اپنے دل میں میں چھپا کر جو رہے

تصویر کا نہ کھچوانا

نازک ہو نہ کھچواؤں گا تصویر میں اُس کی
چہرہ نہ کہیں عکس کے بدلے اُتر آئے

جوبن لُوٹنے والے

وہ ارمانوں کا جھرمٹ دیکھ کر یہ دل سے کہتے ہیں　　یہاں بھی لُوٹنے والے مرے جوبن کے رہتے ہیں

انتہائی نزاکت

نازنیں دیکھئے کس ناز سے فرماتے ہیں　　فرشِ مخمل پہ مرے پاؤں چھلے جاتے ہیں

دربارِ قاتل

جبھی آتی ہیں نذریں دھوم سے دربارِ قاتل ہے　　کسی کا سر ہتھیلی پر کسی کے ہاتھ میں دل ہے

نمائشِ حسن

جلوۂ حسنِ بتاں کی ہے نمائش ایسی　　اے دل اِس باغ کا ہوگا چمن آرا کیسا

انتخاب از شکنتلا ناٹک

اُبٹنا ملا جسمِ نازنیں میں　　شانہ کیا زلفِ عنبریں میں
چہرے پہ کی جو غازہ کاری　　صورت بنی کیا پیاری پیاری
پوشاک شاہانہ پھر پہنائی　　مہندی کفِ دست میں لگائی
ڈالا چوٹی میں جبکہ موباف　　کالا کیچل میں آگیا صاف
کاجل آنکھوں میں کیا لگایا　　تلوار کو سان پر چڑھایا
اُسے پان جب کھلایا　　عاشق کا خون ہی بہایا

عشق

محبت و عشق

عروسِ شب کی زلفیں تھیں ابھی ناآشنا خم سے　　ستارے آسماں کے بیخبر تھے لذتِ رم سے
قمر اپنے لباسِ نو میں بیگانہ سا لگتا تھا　　ابھی واقف نہ تھا گردش کے آئینِ مسلم سے
ابھی امکاں کے ظلمت خانہ سے اُبھری ہی تھی دنیا　　مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہنائے عالم سے

جذباتِ حالی

جب سے پنہاں ہوئی اُس شمعِ قمر کی صورت | رہتی ہے پیشِ نظر یار سفر کی صورت
کاٹے کھاتی ہے ہر برگِ زرو بشہ کی صورت | اُسکے جاتے ہی یہ کیا ہوگئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

ہے مصور کو بہت ناز ہنر پہ اپنے | کیا عجب یار کی تصویر بھی وہ کھینچ سکے
لیکن اس پر بھی بہت شبہ ہے دلمیں میرے | دیکھئے شیخ مصور سے کھنچے یا نہ کھنچے
صورت اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت

چپ کیا کچھ نہ کیا اپنی زباں کو تم نے | پُر اثر خوب کیا طرزِ بیاں کو تم نے
کر رکھا اپنے لئے باغِ جناں کو تم نے | واعظو! آتشِ دوزخ سے جہاں کو تم نے
وہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

شیخ جی کر چکے جب اپنے مریدوں کا شکار | اور اذاں سن کے ہوئے جانے کو مسجد تیار
اہلِ مسجد نے سنی چار طرف سے یہ پکار | اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

کی نہ اظہارِ شجاعت میں کمی تا مقدور | لیکن اعدا کے مقابل میں ہے ہم مجبور
پھر بھی لازم ہے نہیں ہم اس غم سے چُور | حملہ انپہ یہ بھی اک بعدِ ہزیمت ہے ضرور
رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت

ترک کیونکر کروں اُس جانِ جہاں کی اُلفت | میرے دل کیلئے اک یہی شکل ہے راحت
سچ تو یہ ہے کہ نہیں عشق سے بڑھکر آفت | سوز میں اسکے مزا درد میں اسکے لذت
ناصحو! اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

اہلِ کشتی سے کوئی کہدے کہ ہوں ہشیار | آج اچھے نظر آتے نہیں ہرگز آثار
وہ اگر پار لگائے تو ہو جائیگا | یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار
یہ ڈراتی ہے بہت آج بھنور کی صورت

یہ خبر جب ہوئی شائع کہ وہ شانِ خوباں | رات خلوت میں چلا جاتا تھا رقیبوں کے ہاں

اللہ رے اٹھتی جوانی کی شوخیاں — بچپن میں تھے جو بھولے سے مجھ سے غریب سے
جلتے کے دل کو اور جلانا ضرور تھا — ہم نے نوازشیں تری کہدیں رقیب سے
لاکھوں گلوں میں اک ہی جلوے کی ہے تلاش — سیکھو اصول اہل نظر عندلیب سے

تحسین حسن یار میں میرا ہے ہمخیال
نیرنگ کیوں نہ ہو مجھے الفت رقیب سے

نیرنگ

پیام زبانی

ہے پستی دوپٹہ، شانے پہ گوٹ دھانی — ابھرا ہوا ہے جوبن ہے جوش پر جوانی
قربان اس پھبن پر ہو جائے دلستانی — تھوڑی سی ہے تمنا لمبی نہیں کہانی
داغ فراق جاناں دل پر ہوئی گرانی — بھاتی نہیں ہے مجکو یہ تیری لن ترانی

تحریر کوئی بھیجو پیغام یا زبانی

لالہ کو داغ تیرا نرگس بیمار تیری — گلشن کھلا ہے چہرہ چھاتی انار تیری
عاشق کو کس طرح سے بھولے بہار تیری — آنکھوں میں پھر رہی ہے تصویر یار تیری
ہے موت سے بھی بدتر یہ انتظار تیری — ہیں سرخ میری آنکھیں اور اشک ارغوانی

تحریر کوئی بھیجو پیغام یا زبانی

میرے نصیب سوتے ہیں میں بھی سو رہا ہوں — قسمت کا لکھا اپنے اشکوں سے دھو رہا ہوں
دنیا سے ہو بیگانہ بیدرد رو رہا ہوں — کشت رواں میں دانے اشکوں کے بو رہا ہوں
تیرے فراق میں اب جان اپنی کھو رہا ہوں — ہے ہجر کی یہ زحمت یا مرگ ناگہانی

تحریر کوئی بھیجو پیغام یا زبانی

مدت سے کہہ رہا ہوں سنتے ہو جان میری — دھونی رما کے من میں گر لگی میں تیری
مل کے بھبوت منہ پر کپڑے رنگ کے گیری — بنکے تیرا بھکاری کرنے لگوں گا پھیری
اور لب پہ عاشقانہ ہوگی صدا یہ میری — او مہرباں پیارے اتنی ہو مہربانی

تحریر کوئی بھیجو پیغام یا زبانی

تیری تلاش میں اب پھرتا ہوں مارا مارا — تیرا نشاں نہ پایا چھانا جہان سارا

میں ہوا شہیدِ غمزہ کیا شکر قبر کی ہو
اس دل کی خاک تو یوں اُڑ تو مٹی لگے ٹھکانے

مجھے اس قدر ستایا مرے پیارے بیوفا نے

مگر اس کو میری صورت پہچانتا نہیں ہے
ارے تو نے گویا تجھ کو وہ جانتا نہیں ہے

گو لاکھ کہہ دوں تم بن وہ مانتا نہیں ہے
مجھ کو سمجھ گدا وہ دے لگا اُٹھانے

مجھے اس قدر ستایا مرے پیارے بیوفا نے

نامۂ دلربا

نہ ہوا کہ حال میرا نہیں جا کہا صبا نے
یہ کیا ہے کام سارا مرے نالۂ رسا نے

ہوا لطف غائبانہ یہ کرم کیا خدا نے
ثمرِ قبول لا کر مجھے دے دیا دعا نے

نہ رہا ذرا تغافل نہ رہے ذرا بہانے
پسِ مدت آ دکھایا یہ اثر مری دعا نے

لکھا اپنے ہاتھ سے خط مجھے میرے دلربا نے

یہ طرزِ دلنوازی یہ ادائے جاں فزائی
مجھے لفظ لفظ اسکا ہے نوید دلکشائی

کیسے پیارے پیارے ہاتھوں نے ہے یہ تحریر لکھائی
لکھی صانعِ حقیقی نے ہی اس کی کیا صفائی

ہے اثر یہ اس نظر کا کہ حروف روشنائی
لگے تیرگئ قسمت کو چمک کے یوں مٹانے

لکھا اپنے ہاتھ سے خط مجھے میرے دلربا نے

نہیں کاغذ اک چمن ہے ورق برگ ہائے رنگیں
یہ نہیں ہیں اسکی سطریں ہیں بنفشہ زار رنگیں

یہ حروف جو بنے ہیں یہ کھلے نگار رنگیں
ہیں یہ نقطے داغِ لالہ کہ ہیں داغدار رنگیں

نہیں لفظ یہ نہیں ہیں گلِ نوبہار رنگیں
مجھے اپنے گلبدن کی جو لگے ہیں بو سنگھانے

لکھا اپنے ہاتھ سے خط مجھے میرے دلربا نے

ہے یہ ثبت نام کس کا یہی نام پر فدا ہوں
اسی نام کی قسم ہے یہی نام جپ رہا ہوں

جو فراق میں جیا ہوں اسی نام پر جیا ہوں
میں تو مر کے بھی اُٹھا ہوں اسی نام کو اُٹھا ہوں

اسی نام پر جہاں سے یہ نقطۂ آشنا ہوں
یہ ہزار دلستانی جو لکھا ہے آشنا نے

لکھا اپنے ہاتھ سے خط مجھے میرے دلربا نے

نے دل کی اعتکاری مجھے خوش بنا رہی تھی
مرا گریہ میری زاری مرا تن گھلا رہی تھی

تو اگر دو چار دن بھی غمزدہ آتا نہیں — حق تو یوں ہے پھر مجھے دنیا کا کچھ بھاتا نہیں

تیرا آنا کم نہیں ہے مجھ کو وصلِ یار سے — کیوں نہ ہو تو بھی تو آخر ہے اسی سرکار سے

ہو نہ ہو قائل کوئی اس مختصر تحریر کا — میں سمجھتا ہوں نوشتہ ہے مری تقدیر کا

جب کبھی مجبور ہونگا داد خواہی کیلئے — پیش ہو گا چار یاروں میں گواہی کیلئے

حالِ دل تجھ سے کہونگا پھر کبھی دل تھام کر — منزلوں آیا ہے چل کر اب ذرا آرام کر

عشقِ مجازی سے توبہ بھلی

عشق کے حال سے یارب کوئی آگاہ نہ ہو — پاؤں اس راہ میں رکھ کر کبھی گمراہ نہ ہو

غرقِ بحرِ غم و اندوہ میں دل آہ نہ ہو — حسنِ یوسف بھی نظر آئے تو کچھ چاہ نہ ہو

مثلِ ہاروت اسیرِ چاہِ بابل ہووے

دل مگر زہرہ جبینوں پہ نہ مائل ہووے

عشق کے نام سے یارب کوئی بدنام نہ ہو — خاص میں شورش وحشت کی خبر عام نہ ہو

انتہا سوچ کے وارفتہ و خود کام نہ ہو — ابتدا عمر میں الفت کا سر انجام نہ ہو

نہ گرفتارِ قدِ غیرتِ شمشاد رہے

سرو کی طرح سے اس باغ میں آزاد رہے

یا خدا حسن پری کا کوئی دیوانہ نہ ہو — قصۂ عشقِ صنم خلق کا افسانہ نہ ہو

کوئی دل شیفتۂ جلوۂ جانانہ نہ ہو — گل کا بلبل نہ بنے شمع کا پروانہ نہ ہو

طپشِ آتشِ حسرت سے نہ پرتی ہووے

پر کسی رشکِ مسیحا کا نہ عاشق ہووے

یا الٰہی کوئی اس عشق کا بیمار نہ ہو — دردِ سر مول نہ لے غم میں گرفتار نہ ہو

خواہشِ حسن سے رسوا سر بازار نہ ہو — جان و دل بیچ کے الفت کا خریدار نہ ہو

گندمی رنگ سے مانوس نہ اصلا ہووے

دل دانا کو نہ اس جنس کا سودا ہووے

عشق وہ گل ہے کہ دامن میں ہیں جس کے سو خار — عشق وہ نخل ہے جس میں نہ لگا پھل اک بار

پاؤں شادی میں رکھے یہ تو بپا غم ہو جائے
عیش و عشرت کا بچھونا صفِ ماتم ہو جائے

یہ وہ گیسوئے پریشاں ہے کہ جس سے دل زار
یہ وہ ابرو ہے جو تلوار دکھائے ہر بار

یہ وہ ہے چشم کہ گردش میں رکھے لیل و نہار
یہ وہ رخسار ہے دل پہ پڑے جس سے کہ غبار

یہ وہ لب ہے کہ لبِ گور تلک پہنچا لے
یہ وہ دنداں ہے کہ سر رشتۂ جاں کٹ جائے

یہ وہ ہے عطر کہ آمیز ہے بوئے حرماں
یہ وہ روغن ہے کہ گیسو کا اڑا دیوے دھواں

یہ وہ غازہ ہے کہ رخسار پہ زردی ہو عیاں
یہ وہ سرمہ ہے کہ تاریک ہو آنکھوں میں جہاں

یہ وہ شانہ ہے کہ سب دل ہیں پریشاں اس سے
یہ وہ آئینہ ہے ہر چشم ہے حیراں جس سے

رنگ ہر رنگ میں اپنا یہ دکھاتا ہے سدا
کبھی عاشق کبھی معشوق کبھی بے پروا

شعبدے یاد ہیں اس اہلِ دغا کو کیا کیا
کبھی گل ہے کبھی بلبل کبھی غنچے کی صدا

کبھی اس باغ میں قمری کبھی شمشاد ہے یہ
کبھی ہے طوق بگردن کبھی آزاد ہے یہ

کبھی ہے صیدِ گرفتار کبھی ہے صیاد
کبھی مقتول جفا ہے کبھی قہر جلاد

کبھی مجنوں ہے کبھی لیلیٰ پاکیزہ نہاد
کبھی ہے غیرتِ شیریں کبھی رشکِ فرہاد

کبھی اندازِ پری ہے کبھی دیوانہ ہے
شمع رخسار کبھی ہے کبھی پروانہ ہے

کبھی ہے زلفِ مسلسل کبھی زنجیر گراں
کبھی ہے ابروئے پرخم کبھی تیغ براں

کبھی خود چشم کبھی دیدۂ وحشت نگاں
کبھی رخسار مصفا کبھی روئے حیراں

لعل لب ہے کبھی جانسوز کبھی نالہ ہے
کبھی ہے گوہر دنداں کبھی تبخانہ ہے

کیا کیا انداز لگاوٹ کے ہیں اس عشق کو یاد
کردیا کتنوں کو الفت کی ہوا نے برباد

سب ہیں سیب آسیب محبت ہی غضب بھوت بنجاتا ہی عاشق نہیں ٹلتا کسی ڈھب
ہوتا ہی سایۂ گیسوئے پری زاد جب تب یہ چلاتا ہے انساں کبھی جان پہ اب

جن کو دعوی ہی دم انکا بھی فناہ ہوتا ہی
حسن پریوں کا حقیقت میں بلا ہوتا ہے

نہ کسی جبر لطافت پہ کرے چشم کو وا حلقۂ گیسوئے محبوب ہے گرداب بلا
ان کے چھینٹوں پہ نہ آئے طبیعت کو ذرا آشنائی سے حسینوں کی کنارا اچھا

جان دے گر کے کوئیں میں کہ جہاں واہ کرے
نہ کسی غیرت یوسف کی مگر چاہ کرے

کرے سورج کو سلام آب میں جھک کر سو بار بندگی سے صنم مہر لقا کی رہے عار
بدلے عشاق کے بانے کے پہن لے زنار بت کو پوجے نہ کرے حسن پرستی زنہار

ہاتھ سے کعبۂ ابرو پہ اگر دل کھو جائے
صاف اسلام سے منہ موڑ کے کافر ہو جائے

خوش نگاہوں پہ کرے شیر نہ دل کو اصلا ان غزالوں کی جھپک دیکھ کے ہو جائے ہوا
آہوے چشمان غضب ہوش ربا ہیں بخدا چوکڑی بھولتے ہیں اک پل میں انساں کی بھلا

مرگ چھالے کی طرح خشک بدن ہوتا ہے
نشۂ آنکھوں سے جوانی کا ہرن ہوتا ہے

جان پیاری ہو تو انساں نہ کرے حسن کو پیار یہ مرض وہ ہی برا کہتے ہیں جس کو آزار
وصل جاناں ہی نکلتا جو نہیں دل کا بخار جی تپ ہجر سے ہو جاتا ہے دق آخر کار

تن بدن غم کی حرارت سے جو پھنکتا ہی
عشق کے نام سے لرزہ اسے تپ آتا ہی

عشق بے موت سدا کھاتا ہی عشاق کو مار اس ستمگر کی ادا میں ہے قضا آخر کار
ہووے بیمار محبت کو جو شوق دیدار چہرۂ یار کے نظارے کے بدلے اک بار

ملک الموت کی شکل اس کو دکھاتا ہے عشق

ایضاً

کیوں نہ منت کش ہوں اپنے دیدۂ خونبار کا | رشک ہے دامن کا تختہ باغچۂ گلزار کا

دیکھ لیتے تھے جو اس کو ہو بُرا معمار کا | بند چن چن کر کیا ہر روزن اس دیوار کا

اب تو ہر اک بات پر کٹتا ہے سر دو چار کا | بانکپن یا زیں انداز کب تھا تیری گفتار کا

لعلِ لب تیرے اگر ہیں غیرتِ لعل یمن | رشک ہے ہر اشک اپنا گوہرِ شہوار کا

یاد آئے نغمہ سنجی بلبلِ دل کو اگر | بھول جائے کھولنا مرغِ سحر منقار کا

زاہدا خوفِ قیامت کس کو ہے خورشیدِ حشر | ہے نمونہ اپنے داغِ سینۂ افگار کا

مرحبا صد آفریں شاباش اے دستِ جنوں | تار بھی باقی نہ چھوڑا دامنِ کہسار کا

قتل سے میرے ہوئی توقیرِ تیغِ یار کی | بڑھ گیا منصور کے کھنچنے سے رتبہ دار کا

میرے نالے سے اڑائی طرزِ شیون رعد نے | برق نے سیکھا ہے شیوہ آہِ آتشبار کا

ہے لگا نافہ جو تارِ موئے زلفِ یار کا | زخمِ دل نافہ بنا ہے آہوئے تاتار کا

ہنس نہ ناداں نہ سمجھو میرے تیرِ آہ سے | ہو گیا سینہ مشبک چرخِ کج رفتار کا

غل ہوا آفاق میں افلاک پر بجلی گری | نور جو چمکا ہمارے عارضِ دلدار کا

دو بھی پڑھ سنا دے نورؔ بزمِ یار میں
شوق ہر اہلِ سخن کو ہے ترے اشعار کا

کہو تو سہی

یکایک آئے کہاں سے بھلا کہو تو سہی | یہ کیوں اتر گیا منہ چاند سا کہو تو سہی

ہوئی ہے کاہشوں کی وجہ کیا کہو تو سہی | یہ حال عشق میں کس کے ہوا کہو تو سہی

ہلال کیوں ہوئے اے مہ لقا کہو تو سہی

جبیں سے نور دو کیا ہو گیا کہو تو سہی | ضیائے رخ نے کدھر رخ کیا کہو تو سہی

میری طرح ہو کہیں مبتلا کہو تو سہی | یہ حال عشق میں کس کے ہوا کہو تو سہی

ہلال کیوں ہوئے اے مہ لقا کہو تو سہی

بیان ہم سے کرو کونسا تمہیں غم ہے | یہ بے سبب نہیں اصلا مزاج برہم ہے

اس امید پہ اپنے گھر میں اے بے پروا غفلت کیش — شاید تو آجائے کبھی ہم کھولے چشم ہوشیار رہے
ہم نے ہی خط لکھا پہلے مانا رنجش کیوں ہے بنا — دل کی گھبراہٹ میں جب مجبور ہوئے ناچار رہے
کوئی تمنا اور نہ تھی گو تم نے کیا نہ خیال کبھی — ہم اول سے آخر تیرے مشتاق دیدار رہے
ہم کو جو کچھ آپ نے لکھا اچھا لکھا خوب کیا — خوب بخار دل جب نکلے پھر کیوں دل میں خار رہے
دل نے ہم کو یہ سمجھایا ہم نے فکر جہاں تک کی — کھائیے زہر کہ جھگڑا جائے لیکن جی کو مار رہے
جوش جنوں میں پھر خط لکھا جس کا صرف یہ مطلب تھا — فیصلہ دل کا ہو جائے بس اب نہ کوئی تکرار رہے
مرنے پہ ہم مرتے ہیں اب جینے کو ہے سات سلام — کیا مزا اس جینے میں ہے جب نہ کوئی غمخوار رہے
دل تو پہلے دے ہی چکا تھا جان بھی بھیجی خط کے ساتھ — تا کہ نہ اس دار فنا میں کوئی کھٹکتا خار رہے
قاصد در پہ تمہارے پہنچا تم کو تنہا جب پایا — ہاتھ میں نامہ دے آیا تم غفلت میں سرشار رہے

مرتبہ دانی

ہٹ ہٹ کے اندھیرا کرو آنکھوں کے آگے — واں تک تو نظر آؤ جہاں تک کہ نظر جائے
ہے مہر و غضب شانوں میں اک لطف تمہارے — روکو نہ طبیعت کو جدھر جائے اُدھر جائے
رنجش میں بھی ہے مرتبہ دانی وہی اُن کی — [illegible] سے گزر جائے

بے بسی

دل کے عقدے زباں سے کھولیں — بولنے دو تو ہم بھی کچھ بولیں
آنسوؤں کو ہمارے اہل نظر — معرفت کی نگاہ سے تولیں
شکوۂ ہجر گر ہے کوئی گناہ — کاٹ لینا زباں جو اب بولیں
زندگی میں کہاں یہ آزادی — دل بھر آئے تو بیٹھ کر رو لیں

کلام میر

کیا پاس نہیں میرے جو تم غیر سے مانگو — پہلو میں مرے دل بھی ہے سینے میں جگر بھی
کیا جانئے کیا حال ہے یاران عدم کا — اک عمر ہوئی ہے نہیں آتی ہے خبر بھی
رفتار تیری دیکھ کے کہتے ہیں فرشتے — اللہ غنی ایک ہی فتنہ ہے بشر بھی
جب قتل کو آیا ہے مرے غمزۂ قاتل — کیا تیز چھری کھینچ کے نکلی ہے نظر بھی

فرقت میں امیرؔ ایسی بری شئی ہے اداسی — روتے ہیں بہت [illegible]

کلام باسط

عشق کا کام ہے قربان وفا ہو جانا — شیوۂ حسن ہے سرگرم جفا ہو جانا

آستانے پہ تیرے ناصیہ سا ہو جانا — فرض الفت میں سمجھتا ہوں ادا ہو جانا

موت سے کم نہیں بیمار محبت کیلئے — آخری وقت مسیحی کا خفا ہو جانا

نارسائی کا شب ہجر میں شکوہ کبتک — زلف سیکھے اے آہ رسا ہو جانا

دم آخر بت کافر نے یہ بالیں پہ کہا — اب تو بہتر ہے توکل بخدا ہو جانا

نہ کرم کی ہو تمنا نہ ستم کا شکوہ — شیوۂ عشق ہے راضی برضا ہو جانا

جمع ہیں سینکڑوں مشتاق شہادت سر پہ — آج تم ضد سے نہ مصروف جفا ہو جانا

شمع رویوں سے اگر دل ہے لگانا باسطؔ — سیکھ پروانہ ز محفل سے فنا ہو جانا

وصال اچھا ہے

بھولے پن سے دم رخصت یہ سوال اچھا ہے — ہاتھ سینے پہ رکھ کیوں دل کا تو حال اچھا ہے

اس کا انجام وصال اس کا ہے انجام فراق — کون کہتا ہے کہ فرقت سے وصال اچھا ہے

روز آتا ہے میرے دل کو تسلی دینے — تجھ سے اے دشمن جاں تیرا خیال اچھا ہے

نازکو جان کی ہے ناک ادا کو دل کی — دونوں [illegible] خیال اچھا ہے

نہ سہی ذوق وفا شوق جفا کیا کم ہے — کچھ نہ [illegible] اچھا ہے

جی لگے کیوں نہ حسینوں کی جفائیں سنکر — [illegible] وصال اچھا ہے

دیکھتے جب [illegible]

ہجر اچھا نہ حسینوں کا وصال اچھا ہے

[illegible] پھر دیکھینگے

بزم عشاق [illegible] دیکھینگے — [illegible] دیکھینگے

[illegible] — [illegible] دیکھینگے

ابھی کم سن [illegible] — [illegible] دیکھینگے

اخیہ

میں بھی تو ابھی ہیں مقتل میں ترے او قاتل ۔۔۔ کون رکھتا ہے تیری تیغ یہ سر دیکھینگے

میری کہانی

دیا دیدۂ تر کو رونے کا لپکا ۔۔۔ دل زار کو نوحہ خوانی میں رکھا

بہایا کیا اُن کے دشمن بھی آنسو ۔۔۔ عجب درد میری کہانی میں رکھا

جھڑی دیدۂ نم کی ہم نے لگا کر ۔۔۔ نہالِ محبت کو پانی میں رکھا

مزا شوق کو دردِ الفت کا دیکر ۔۔۔ اسے عشرتِ جاودانی میں رکھا

محمد حسین شوق

کلامِ مہر

ابنا ہی کیوں نہ ہو گر اس میں کمی نہ ہو ۔۔۔ یہ کیا کہ دل میں درد بھی ہو کبھی نہ ہو

وہ عرضِ حال پر کہیں ناراض ہو نہ جائیں ۔۔۔ ڈرتا ہوں مدعا بھی میرا ادعی نہ ہو

میں جی رہا ہوں صرف امیدِ وصال پر ۔۔۔ یہ بھی اگر نہ ہو تو میری زندگی نہ ہو

لکنت بھی ہے زباں میں آنکھیں بھی سُرخ ہیں ۔۔۔ میں شرط باندھتا ہوں جو زاہد نے پی نہ ہو

کیوں کہہ رہے ہو تم تیری الفت ہمیں نہیں ۔۔۔ اچھا اگر نہیں ہے تو یونہی سہی نہ ہو

آئینگے کیا فلک سے فرشتے زمین پر ۔۔۔ غمخوار آدمی کا اگر آدمی نہ ہو

عرضِ وصال پر کوئی یہ کہہ کے چل دیا ۔۔۔ تیری خوشی ہو اور ہماری خوشی نہ ہو

اے مہر تم نے کیوں انہیں بے مہر کر دیا
ڈر ہے کہ اس سے اور کہیں برہمی نہ ہو

مہر

رنگِ بادہ

دل کو خیالِ یار نے مخمور کر دیا ۔۔۔ ساغر کو رنگِ بادہ نے پرنور کر دیا

مانوس ہو چلا تھا تسلی سے حالِ دل ۔۔۔ پھر تو نے یاد کر کے بدستور کر دیا

گستاخیوں کا کیسے بھلا مجھ میں حوصلہ ۔۔۔ لیکن ہجومِ شوق نے مجبور کر دیا

بیتاب ہوں سو چھپ نہ سکا ماجرائے دل ۔۔۔ آخر حضورِ یار بھی مذکور کر دیا

حسرت بہت ہے مرتبۂ عاشقی بلند ۔۔۔ تجھکو تو مفت لوگوں نے مشہور کر دیا

حسرت

گذارہ نہ ہو

تم نے حسبِ دل مجھے دیکھا کے منہ پھیر لیا
[illegible] گذارہ نہ ہو

اس کا آنا کہ مرض بڑھنے لگا روز بروز
ہم مریضوں کا مسیحا سے بھی چارہ نہ ہو

شیخ جی خالہ کا جنت کو سمجھتے ہیں چمن
حق میں اک آپ کے تحریر بیچارہ نہ ہو

دل میں کیا ٹھان کے نایاب بگڑ بیٹھے تھے
جبکہ دو دن بھی بغیر اس کے گذارہ نہ ہو

دل کی خوشی

لوگ کہتے ہیں عدو سے دوستی اچھی نہیں
کیا یہ عادت آپ کے نزدیک بھی اچھی نہیں

موت اچھی ہے جو دم نکلے تمہارے سامنے
آنکھ سے اوجھل ہو تم تو زندگی اچھی نہیں

زلف ٹیڑھی ہو مگر عاشق سے تم ٹیڑھے نہ ہو
[illegible] اچھی طبیعت میں کجی اچھی نہیں

کیا مزے کی بات ہے دل چھین لو بوسہ نہ دو
دل تو چھپا ہے مگر دل کی خوشی اچھی نہیں

آہ اس عیار کا انجان ہو کر پوچھنا
اے حسن کب سے طبیعت آپ کی اچھی نہیں

دیدۂ دل

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

عذر آفرینِ جرمِ محبت ہے حسنِ دوست
محشر میں عذرِ تازہ نہ پیدا کرے کوئی

سو سو امیدیں بندھتی ہیں اک اک نگاہ پر
مجھ کو نہ ایسے پیار سے دیکھا کرے کوئی

محفل ہو شغل مے ہو شب ماہتاب ہو
ورنہ میں [illegible] مجھ کو سنبھالا کرے کوئی

بیٹھی [illegible] تو یہ کہا
[illegible] کوئی

اقبال عشق نے مرے سب بل نکال دیے
مدت سے آرزو تھی کہ سیدھا کرے کوئی

بےچینیِ دل

کچھ خبر مجھ کو نہیں ہے کہ کہاں جاتا ہوں — کہیں کھینچے لئے جاتا ہے میرا دل مجھ کو

حور کے قصر جو فردوسِ بریں میں دیکھے — یاد آئی کسی محبوب کی منزل مجھ کو

یادِ اُس شوخ کی تڑپاتی ہے اس کو جا بیتر — چین لینے نہیں دیتا ہے میرا دل مجھ کو

نورِ دل

تیرے دل کا نور وہ نور ہے کہ جو رشکِ جلوۂ طور ہے — یہی حسنِ یوسفِ مصر ہے یہی برقِ عشقِ بلال ہے

جو جبینِ عجز سے ہے عیاں یہ ہے نورِ حسنِ نیاز کا — یہی شمعِ رنگِ مزار ہے یہی آب تیغِ ہلال ہے

جسے تابِ حسنِ بتاں نہیں اُسے تابِ نورِ ازل کہاں — ذرا سوچ زاہدِ بےخبر کہ تو مستِ شوقِ وصال ہے

سودائے دل

کوچۂ یار میں میں آج پکارا جا کر — ایک دل بیچتا ہوں ہے کوئی لینے والا

دل فروشی کی صدا سُن کے یکایک گھر سے — مستِ ناز آ گیا دروازہ پہ متوالا

پھر بصد ناز و ادا پوچھا یہ اُس نے مجھ سے — ہاں میاں کون پکارا تھا ابھی دل والا

عرض کی میں نے کہ حاضر ہوں یہ موجود ہے دل — دل سے دل بیچتا ہوں ہے کوئی لینے والا

پھر جو کچھ آ گئی جی میں تو اٹھا کر دل کو — لے لیا ہاتھ میں اور خوب ہی دیکھا بھالا

دل نے تقدیر کہ کچھ سوچ کے بولا ظالم — جنس ناقص ہے اُٹھا میں نہیں لینے والا

جذباتِ حسرت

موسمِ گل میں وہ چلنا بادِ عشرت خیز کا — یاد ہیں وہ مستیاں وہ توڑنا پرہیز کا

میں نے دیکھا ہے جنونِ شوریدگانِ شوق کا — مت سنا واعظ فسانہ شورِ رستاخیز کا

سینکڑوں کو کر دیا دل باختہ جاں باختہ — ہے یہ عالم تیری رفتارِ قیامت خیز کا

پیرِ تسنیم ہوں شیدائے اندازِ نسیم — شوق ہے حسرت مجھے اشعارِ حسرت خیز کا

وہ بگڑنا بھی کبھی مجھ سے تبسم کیلئے — یاد ہے انداز تیرے جورِ لطف آمیز کا

کثرتِ گناہ باعثِ نجات

پہنچا ہے آسماں پہ دھواں دل کی آہ کا — رتبہ بڑھا ہے اخترِ بختِ سیاہ کا

کلامِ رسا

دستِ قاتل سے گرے خنجر پہ خنجر ٹوٹ کر — لاکھ پر بھاری کیا تو نے گرانجانی مجھے
حشر میں فریاد سے روکا بُتِ عیّار نے — ڈال کر باہیں گلے میں کر دیا پانی مجھے
دل جگر دونو کے دونو خاک جل کر ہو گئے — تو نے ٹھنڈا کر دیا اے سوزِ پنہانی مجھے
میں کہاں سرِ درِ گریباں ہوں گریباں ہی نہیں — سرخرو ہو کر بھی ہوتی ہے پشیمانی مجھے
وہ جوانی کی امنگیں اے رسا سب مٹ گئیں — اب تو پیری میں ہے شغلِ سبحہ گردانی مجھے

جذباتِ اصغر

ستم سے جور سے بیداد سے کاوش سے کینے سے — ستمگر آزماتا ہے مجھے کس کس قرینے سے
جو نکلا آہ کا شعلہ شبِ غم میرے سینے سے — فلک پر جا کے اختر بن گئے کس کس قرینے سے
نہیں ملتی ہمیں دم بھر کبھی راحت رنجِ دنیا سے — یہی ہے زندگی تو موت بہتر ایسے جینے سے
نہ ہوگا کچھ بھی حاصل زہد و تقویٰ سے تجھے صاحب — صفائی قلب ہوتی ہے مئے ساقی کے پینے سے
نہ کچھ حسرت رہے دل میں نہ کچھ ارماں رہیں باقی — جو تم آ کر لپٹ جاؤ کسی دن میرے سینے سے
پھرے جو زائرانِ روضۂ احمد مدینے سے — قدم لینے پڑے اصغر ہمیں کس کس قرینے سے

قدرِ ہنر غربت میں

دی لعل نے آواز یہ پتھر سے نکل کر — ہوتی ہے سدا قدرِ ہنر گھر سے نکل کر
کیا آہ اثر دے دلِ مضطر سے نکل کر — چنگاریاں بُجھ جاتی ہیں پتھر سے نکل کر
مے کش ہوں وہ گردوں میں کھٹکے مجھے ساقی — آ پڑتی ہے منہ میں میرے ساغر سے نکل کر
اُڑتی ہے شرابِ آپکی محفل میں تو خوش ہوں — خود آیگی منہ میں میرے ساغر سے نکل کر
عالم کو گناہوں کی طرح دیکھ سراسر — جا ایک قدم بھی نہ کہیں گھر سے نکل کر

گرمیِ حسن

گرمیِ حسن سے ہر آئینہ ٹکڑے ہو جائے — آئینہ آئے اگر آئینہ رخسار کے پاس
کیوں لئے پھرتے ہیں وہ حضرتِ عیسیٰ کی نبض — آج آئینگے کہیں اپنے وہ بیمار کے پاس
آج ارشد کو عجب حال میں دیکھا ہم نے — رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

غیر کے پاس روز جاتے ہو اپنے حسرت سے عار آتی ہے

کانٹا

یہ جو کھٹکے ہے دل میں کانٹا سا مژہ ہے نوکِ خار ہے کیا ہے

چشمِ بد دور تیری آنکھوں میں نشہ ہے یا خمار ہے کیا ہے

کیوں گریبان تیرا آج حسن اس طرح تار تار ہے کیا ہے

کیوں مہرباں ہو

میرے دل میں ہو گو مجھ سے نہاں ہو مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو

تقاضائے محبت ہے وگرنہ مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو

مجھے ڈالا ہے سو وہم و گماں میں بہت کیوں آج مجھ پر مہرباں ہو

فساد کی جڑ

زاہد شرابِ ناب سے جب تک وضو نہ ہو قابل نماز پڑھنے کے مسجد میں تو نہ ہو

ملنا تو کیا حنا کو لگائیں نہ ہاتھ وہ جب تک شریکِ خون ہزار آرزو نہ ہو

پہلو سے دل جدا ہو تو کچھ غم نہیں مجھے اک دردِ دل جدا میرے پہلو سے تو نہ ہو

مہندی لگاتے ڈرتے ہیں کہتے ہیں بار بار شامل کسی شہید کا اس میں لہو نہ ہو

غش آ گیا ہے مجھ کو گمان اور کچھ نہ کر اچھا ہوں میں اداس میری جان تو نہ ہو

شاخیں اسی کی ہیں یہی جڑ ہے فساد کی پہلو میں دل نہ ہو تو کوئی آرزو نہ ہو

صحنِ چمن ہو ابر ہو بادہ ہو جام ہو یہ سب تو ہوں غضب ہے کہ پہلو میں تو نہ ہو

کہتے رہیں سامنے تیرے آ بیٹھیں ہم مگر یہ شرط ہے کہ آگے کوئی آرزو نہ ہو

پردہ میں آئینے کے یہ دل ہے امیر کا پہچان لے جو وہ تو کبھی روبرو نہ ہو

تمنا کی بو

ہم بادہ نوش پاؤں نہ رکھیں بہشت میں جب تک ہمارے سامنے جام و سبو نہ ہو

مجھ کو جناب شیخ کی دعوت ضرور ہے ایسی کہیں شراب ملے جس میں بو نہ ہو

قاتل اگر نہ شوخ ہو خنجر اگر نہ تیز رگ رگ میں بے قرار ہمارا لہو نہ ہو

اے دل خدا کے واسطے اب میری جان چھوڑ | تجھ کو نہیں پسند نہ مجھ کو ہے تو پسند
تعریف دوستوں کی نہیں معتبر امیرؔ | اچھا ہے وہ کلام کرے جو عدو پسند

تلاش امام

وہ گالی دیتے ہیں شکوہ کرو تو کہتے ہیں | کسی کا ذکر نہیں ہے کسی کا نام نہیں
کریم جان کے تجھ کو خطائیں کیں یارب | میرے گناہ سزاوار انتقام نہیں
زمانے بھر میں پڑی ہے پکار حاتم کی | دیا ہے جس نے کہ حاتم کو اس کا نام نہیں
جو مے کشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو | امیرؔ مسجد جامع میں آج امام نہیں

پیار کرتے ہیں

میں اس شوخی پہ صدقے ہوں کہ مجھکو بزم میں پوچھا | یہ سب تو غش ہیں مجھ پہ آپ کہیے کس پہ مرتے ہیں
ہمیں بیتابیاں خط یار کو لکھنے نہیں دیتیں | جگر سے جب اٹھاتے ہیں تو دل پر ہاتھ رکھتے ہیں
بتوں کے چاہنے والوں میں یہ بھی ہے شان محبوبی | قضا مرتی ہے ان پر جو ادا پر ان کی مرتے ہیں
کبھی مد نظر گر عاشقوں کا قتل ہو تم کو | ہمیں بھی یاد رکھنا ہم بھی تم کو پیار کرتے ہیں
امیرؔ اس جان کے دشمن سے تم کو ڈر نہیں لگتا | دھڑلے سے تم اسکے منہ پہ کہتے ہو کہ مرتے ہیں

جفا ہو کہ وفا ہو

الفت میں برابر ہے جفا ہو کہ وفا ہو | ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو
ہم تم ہوں شب وصل اکیلے تو مزا ہو | ہم سے ہو ادب دور حیا تم سے جدا ہو
آئے جو میری لاش پہ وہ طنز سے بولے | اب میں ہوں خفا تم سے کہ تم مجھ سے خفا ہو
ہنس ہنس کے چھری پھیر گلے پر میرے قاتل | آخر کی تڑپ ہے یہ کچھ اس میں تو مزا ہو

اپنے امیدواروں میں

چلے ساقی پینے بادے گر آئی ہے یاروں میں | دلہن بن کر نہ بیٹھے دختر رز بادہ خواروں میں
نظر سے آئینے پر ہاتھ لگتے ہیں عکس سے بوسہ | وہ خود اپنے در دولت پہ ہیں امیدواروں میں
شگوفہ کوئی پھولیگا یہ صحبت رنگ لائیگی | امیر اچھا نہیں ہے بیٹھنا ان گلعذاروں میں

جب قیامت کی کڑی دھوپ سے عاجز ہونگے ہم
سائبان دامن رحمت کا تیرے تان لیا

خبر کیا چیز ہے اک تیغ دو دم ہے ناصح
میں نے جس بات کو اب ٹھان لیا ٹھان لیا

رکھ کے پشتارہ گناہوں کا چلے سوئے عدم
اس سفر میں نہ زیادہ کوئی سامان لیا

خون کی چھینٹیں جو گریں حلق بریدہ سے مرے
اُس نے دامن کو عجب ناز سے گردان لیا

میں فدا لغزش رفتار پہ پہنچا اے شاد
دُور سے دیکھ کے اُس نے مجھے پہچان لیا

طبیعت خراب ہو کے پھری

اثر کو ساتھ لیے کامیاب ہو کے پھری
فلک سے میری دعا مستجاب ہو کے پھری

صبا نے غنچوں کے بند نقاب کھول دیے
چمن میں نکہت گل بے حجاب ہو کے پھری

اُڑا کے نکہت گیسوئے عنبریں لائی
تیری گلی سے صبا مشک ناب ہو کے پھری

جلا لیا جو مجھے آ کے اُس مسیحا نے
اجل قریب سے ناکامیاب ہو کے پھری

بھر آئی آنکھ جو نرگس کی اشک شبنم سے
مری نگاہ میں چشم پُر آب ہو کے پھری

وہ مےگسار تھی ساقی نگاہ مست تیری
کہ ساری بزم میں جام شراب ہو کے پھری

خزاں میں چھوٹ کے کنج قفس سے سوئے چمن
خراب بلبل خانہ خراب ہو کے پھری

سنا جو شوق سے مصرع جناب وحید
پھری جوان ہی طبیعت خراب ہو کے پھری

چوٹی

تمہاری زلف خود دل ملنگ لیگی
یہ چوٹی کس لیے پیچھے پڑی ہے

بُرا ہے عشق یہ سب جانتا ہوں
مگر ناصح سے ضد سی آ پڑی ہے

بہت دیکھا شب غم کو گھٹا کر
تمہاری زلف سے پھر بھی بڑی ہے

لہو پانی کیا ہے ایک اپنا
غضب کی پھوٹ چھاتوں میں پڑی ہے

کلام شرر

نہ ہو گر کارگر دل پر تو وہ تیر نظر کیا ہو
نہ رہ رہ کے اُٹھے ہر دم تو وہ درد جگر کیا ہو

عنایت کی کرم کی مہر کی مجھ پر نظر کیا ہو
تمہیں غیروں سے کب فرصت نہیں میری خبر کیا ہو

نہیں معلوم قاصد کیا کہے اور منہ سے کیا نکلے
خدا جانے ہمارے حال کی انکو خبر کیا ہو

کلامِ نور

خمسہ اشعار مفتون دہلوی

ستم کو یہ نازو ادا باندھتے ہیں　　تکبر کو اُن کے حیا باندھتے ہیں
یہ شاعر بلا کی ہوا باندھتے ہیں　　بتاں جبکہ زلفِ دوتا باندھتے ہیں
گرہ میں دل مبتلا باندھتے ہیں

رہی بوئے الفت نہ غنچہ دہن میں　　لگے دل بھلا کیونکر ایسے چمن میں
بس اب مرغ دل نے بٹھایا ہے من میں　　نہیں بستے بلبل سی اپنے چمن میں
ہم اب آشیانہ جدا باندھتے ہیں

محبت کی بازی میں ہارینگے جی کو　　صد الفت سی خنجر پہ وارینگے جی کو
جو بیٹھے الم سے ابھارینگے جی کو　　جفا کھینچیں گے پر نہ ہارینگے جی کو
ستم تجھ سے شرط وفا باندھتے ہیں

بدولت جنہوں کی ہیں جیتا ہوں تنکے　　ہیں چپ رہتے وہ بات میری کو سنکے
جو دشمن ہیں میرے وہ ہمدم ہیں انکے　　ہیں یاں خون بہا ہوں ہاتھوں سے جنکے
وہ پاؤں سے انکے حنا باندھتے ہیں

کرو قتل ناحق ستم یہ نہیں کیا　　جفاؤں کے قابل رہے ہیں ہمیں کیا
بچے ہیں ستم اب ہمیں تو دلنشیں کیا　　میاں حال مفتون کا دیکھا نہیں کیا
کمر آپ کس پر بھلا باندھتے ہیں

خمسہ بر اشعار بلبل ہندوستان داغ دہلوی

رشک سی عاشق کا دل بیزار ہے　　جان دینے کے لئے تیار ہے
دیکھنے میں کیا بھلا انکار ہے　　نشے میں وہ نچو دو سرشار ہے
ہر نگاہ کو فرصت دیوار ہے

حال دل کس سے کروں اپنا بیاں　　کوئی بھی سنتا نہیں یہ داستان
اب نیا لاؤں کہاں سی راز داں　　مبتلا ہے اپنے غم میں اک جہاں

کس کو میں سمجھوں مرا غمخوار ہے

ضبط کرتا ہوں کبھی فریاد بھی   رحم دل بنتا کبھی جلاد بھی

شاد کر دینا کبھی ناشاد بھی   لطف بھی کرتا ہے یہ بیداد بھی

آسماں گویا مزاج یار ہے

ضعف دل سے ضبط کی طاقت نہیں   حال دل سننا تری عادت نہیں

کیا کہیں تجھ سے نہیں ہمت نہیں   ایکدم بھی قتل کو فرصت نہیں

کس مصیبت میں تری تلوار ہے

آتش الفت ہے اک نار جحیم   رحم کر حالت پہ میری یا رحیم

یہ مصیبت آ پڑی مجھ پر عظیم   کیوں مسیحا آسماں پہ ہیں مقیم

کیا فرشتوں کو بھی کچھ آزار ہے

رات دن غیروں کی آنکھوں میں پھرے   رشک یوسف مجھ سے نفرت ہی کرے

کس طرح وہ چاہ دل میں آ گرے   کوئی ویرانے میں رہ کر کیا کرے

میرے دل سے وہ بھی بیزار ہے

سُراغِ دل

آشنا جب تک نہ تجھ سے اوبت بیباک تھا   شاد رہتا تھا کبھی ہوتا نہ میں غمناک تھا

یاں تمنائے شہادت لوٹتی تھی خاک پر   واں عدو پر کھینچتا شمشیر وہ سفاک تھا

میری ہی وحشت نے چمکایا ہے اس کو عشق میں   کب تمنا تیرا اس قدر بیباک تھا

دیو سیرت جب تلک تھے اس کی نظروں میں رقیب   اس سے یہاں حیا کا دامن عصمت پاک تھا

اس لئے ناصح سے میں الجھا کہ زلف یار کا   نام لیتا بے وضو یہ بار وہ ناپاک تھا

خوف سے طوفان کے تھا عالم میں شور الاماں   زور پر جب تک ہمارا دیدۂ نمناک تھا

کیوں گئے مجھ کو تڑپتا نیم بسمل چھوڑ کر   چھوڑ دیتے اور بھی اک ہاتھ تشنہ تپاک تھا

دل کو کیا کیا رشک تھا قسمت پہ اس نخچیر کی   بندھ گیا جس کو وہ صید افگن بہ فتراک تھا

اس تمنا پر کہ شاید کچھ سراغ دل ملے   اس کے کوچے کی ہمیشہ چھانتا میں خاک تھا

ناک میں دم

ناک میں دم اس سے رہتا ہے جو چرخِ پیر کا — ہے دماغ اب تو فلک پر نالۂ شبگیر کا
آج نامہ لکھتا ہوں خونِ جگر سے نامہ بر — دیکھئے کیونکر نہیں ہوتا اثر تحریر کا
ناخنِ شمشیر گھستا رہ گیا بیسود وہ — کھل سکا عقدہ نہ ہرگز رشتۂ تقدیر کا
الاماں کہ کر اٹھا وقتِ ذبح ہمرہ خوں — جب گچھل کر بہ گیا واں پھل تیری شمشیر کا
ابنِ مریم کو ہوا غش آسماں چوتھے پہ نور — دور تک پہنچا اثر اب نالۂ شبگیر کا

کلامِ مؤلف

شب گرا غش کھا کے میں جب وہ پری پیکر اٹھا — پر نہ ہے قسمت لیا زانو پہ اس نے سر اٹھا
عشق عاشق کش یہ ہے اسکے در پر آنکر — جو کوئی بیٹھا نہ جیتے جی اٹھا مر کر اٹھا
گر گیا عقدِ ثریا شب نظر سے مہ جبین — زیبِ سر تو نے کیا جب ہاتھ سے جھومر اٹھا
بیٹھ زیرِ تیغِ قاتل زخم پر پھر زخم کھا — منتِ مرہم نہ ہرگز اے دلِ مضطر اٹھا
غور کر دل میں کیا قاروں سے اس نے کیا سلوک — دولتِ دنیا پہ اے منعم نہ اتنا سر اٹھا
نٹھتے ہی لبِ اس کے در پہ بیٹھ جاتا ہے یہ دل — تو ہی اے ناصح بتا دل اس سے لوں کیونکر اٹھا
خط نہ گر جائے کہیں شہپر سے مرغِ نامہ بر — تیز پروازی نہ کر آہستہ سے شہپر اٹھا
شکوہ اس کانِ ملاحت کے ستم کا تو نہ کر — جو مصیبت عشق میں آئے اسے یکسر اٹھا
اف نہ کر زخموں پہ تیرے نور گر چھڑکیں نمک — ہے محبت کا مزا یہ بھی کوئی دم بھر اٹھا

قدمِ بوتراب

پردہ اگر اٹھا دے وہ رخ سے نقاب کا — ہو ذرہ ذرہ ہو رشکِ آفتاب کا
دریا ہے قطرہ اس مری چشمِ پُر آب کا — اور زلزلہ نمونہ میرے اضطراب کا
کس نے نقابِ زلف کو رخ سے اٹھا دیا — خورشید کے جو منہ پہ ہے دامن سحاب کا
حیرت سے ابرو آئینہ دونو ہوں غرقِ آب — نظارہ گر کریں مری چشمِ پُر آب کا
پڑ جائے نور تن پہ اگر لعلِ لب کا عکس — نیلم پہ بھی گماں ہو پھر لعلِ ناب کا
محسودِ تشنگانِ شہادت کا ہوں سدا — ممنون ہوں میں خنجرِ قاتل کی آب کا

یہ جو ہے مشہور خلقت میں دودم باعث ہے کہ
دیکھتے ہی غش ہوا کیا پوچھتے منکر نکیر
دیکھ لو ہوگا کہیں دل اور جگر کو چیر کر
کیسی پھرتی سے کیا ہے سخت جانوں کو ہلاک
ایک بوسے پر خفا ہو کس لئے تم نور سے

نور

پردے کا

دل دامِ زلف میں جو گرفتار ہو گیا
خط پرزے ٹکڑے قاصدِ غمخوار ہو گیا
اُس بُت کو دیکھتے ہی ہے بُت پرست ہم
دیکھا جو آئینہ تو ہوا محو عکسِ زلف
جس خط میں نور لکھا تھا پردے کا ماجرا

ولہ

تصرف

چشم کا ابرو کا مژگاں کا نگاہِ یار کا
فیض ہے ادنیٰ یہ اپنے دیدۂ خونبار کا
عشق نے ناصح یہ بھی شاید کیا اپنا اثر
کیا مقابل ہو نیستان سخن میں مجھ سے غیر
یہ تصرف باطنی ہے طبع موزوں کو مری
نور تشنہ لب کو مدت سے نہیں ملتا پتہ

ولہ

پتھر کا

نہیں دیکھا برستا جس نے ابتک ابر نیساں کا
حقیقت کیا ہی میرے سامنے فرہاد و مجنوں کی
یونہی باتوں ہی باتوں میں الجھتا ہوں گٹھتا ہوں

ولہ

لپٹنا سیکھ

بھرا ساقی کس آبِ آتشیں سے — کہ چھلکا خون رنگِ ساتگیں سے
یہ کاوش خارِ صحرا اور ہمیں سے — چھٹا دامن تو الجھا آستیں سے
قمر شرما گیا اس کی جبیں سے — بنائے چاند زلفِ عنبریں سے
کبھی دیکھو ادھر بھی آنکھ اٹھا کر — اجازت لو نگاہِ شرمگیں سے
فلک دیتا رہا سرمایۂ دہر — نہ اپنا ہاتھ نکلا آستیں سے
کشیدہ رہ نہ یوں اے دامنِ یار — لپٹنا سیکھ زلفِ عنبریں سے
مبارک نیم بسمل ہو کے مرنا — چھری پھرتی ہے دستِ نازنیں سے
سفر کا میرے قصہ مختصر ہے — کہیں جانے کو آیا ہوں کہیں سے
بہت نازک ہے اے ناصح میرا دل — کہیں ٹوٹے نہ حرفِ دلنشیں سے
بنا کس خوں گرفتہ پر غضب تھا — لہو ٹپکا نگاہِ خشمگیں سے
سبب گردوں کے خم ہونیکا یہ ہے — کہ جھک کر توڑتے تارے زمیں سے
شرارِ عشق دامن جل کے بھڑکا — چراغِ عقل گُل کر آستیں سے
خوشی میں بھی نکلے غم کے پہلو — خدا سمجھے دلِ اندوہگیں سے
اٹھائی آنکھ اس نے اور نہ دیکھا — نہ سنبھلا جب وہ دستِ نازنیں سے
عطائے دہر سے یوں ہاتھ کھینچے — شکن نکلی نہ اپنی آستیں سے
عجب آزاد ہے دیوانۂ عشق — نہ دنیا سے غرض اسکو نہ دیں سے
یہاں کس کو خبر دورِ فلک کی — کہ فرصت کم ہے دورِ ساتگیں سے

جلائے نظم آئینہ پر ایسے
ہوئی گردِ نگاہِ عیب بیں سے

اپنی سادگی

دل پہ قابو نہ رہا رنج و الم بھول گئے — آنکھ پڑتے ہی ستمگر پہ ستم بھول گئے
عشق کا میرے فسانہ ہوا اتنا مشہور — لوگ مجنوں کو تیرے سر کی قسم بھول گئے

دل میں چھپاتے ہیں جو حسرت وہ ادا ہی سے عیاں　　میرا مرنا کہ سب انداز ستم بھول گئے

گردش چشم سے ظاہر ہے الم ساقی کا　　گھول دینا مرے جام میں جم بھول گئے

بے خطا ہوں مجھے کچھ تو زباں سے بولو　　کون تقصیر ہوئی جس پہ صنم بھول گئے

بتکدہ بھی اسے کہتے ہیں صنم خانہ بھی　　شور لبیک جہاں اہل حرم بھول گئے

سادگی ہی کہیں یا اثر حسن کہیں　　جب وہ پہلو میں ہوا ہجر کا غم بھول گئے

دل سہو اتنا تو فراموش نہ کرنا تھا نہال
کہ ستم کرنا بھی اب اہل ستم بھول گئے

نہال

پردہ پہ پردہ

یوں اس گلی میں آج تو پہروں کھڑے رہے　　اُن کے گلے میں دست تمنا پڑے رہے

ہم اُن کے شوق دید میں جبتک کھڑے رہے　　یہ ظلم تھا کہ پردوں پہ پردے پڑے رہے

دربان کے شور سے نہ ہوا منتشر خیال　　جس دُھن میں ہم کھڑے تھے اسی میں کھڑے رہے

اس جور اور جفا پہ بھی سرکا نہ اک قدم　　راہ وفا میں پاؤں ہمارے گڑے رہے

اس ڈھب سے شیخ جی نے گزاری تمام عمر　　چھوٹوں میں چھوٹے اور بڑوں میں بڑے رہے

اپنے خطوں کی قدر ذرا اُس سے پوچھئے　　تعویذ بنکے جس کے گلے میں پڑے رہے

دشمن کی باز پرس کا یہ دیجیے جواب　　آغوش آرزو میں کسی کے پڑے رہے

صدقے اس انتظام کے کیا انتظام تھا　　ہم بھی گئے تھے بزم میں الگ کھڑے رہے

اُن کی ضد کی پھر تو صفائی محال ہے　　کچھ دن طبیعتوں میں اگر بل پڑے رہے

جب تک کماں پہ پیش رہا ناوک ستم　　سینہ سپر کئے ہوئے ہم بھی کھڑے رہے

اچھا ہوا جو بزم میں نیچی نظر رہی　　بے پردگی پر آپ کی پردے پڑے رہے

دنیا میں رہ کے اور حسینوں نے کیا کیا
بسمل کی جان و مال کے پیچھے پڑے رہے

بیخود

انوکھی ڈالی

آہ جو دل سے نکالی جائیگی　　کیا سمجھتے ہو کہ خالی جائیگی

قتل تو کرتے ہو لیکن دیکھ لو
جان لیکر پھر نہ ڈالی جائیگی

پھولوں میں نرگس کے رکھکر اپنا دل
اُس پری پیکر کو ڈالی جائیگی

شوخ نظروں سے جو دیکھے گی اُسے
آنکھ نرگس کی نکالی جائیگی

پیاری باتیں

اک نظر مہر کی مجھ پر ساقی
ماہرو آئینہ پیکر ساقی

مہرباں تشنہ لبوں پر ہو جا
دل کی لہروں کا سمندر ہو جا

زردی چھائی ہوئی رخساروں پر
سرسوں پھولی ہوئی انگاروں پر

حسرتیں دل کی عیاں سینے سے
جی پریشان ہوا جینے سے

چھپ گیا چاند ستارہ ہو کر
گر گیا آئینہ پارہ ہو کر

ہر دم اک رنگ بدلتا ہے تو
شمع کی طرح سے جلتا ہے تو

کوہ پر جا کے اگر سر مارے
کوہکن بھی تجھے پتھر مارے

کسی بت نے تجھے حیران کیا
کسی کافر نے مسلمان کیا

بیٹھے بٹھلائے یہ سودا تجھ کو
کیا ہوا میرے کنہیا تجھ کو

خون میں ڈوبی نگاہیں کیسی
تن میں بے جان ہیں باہیں کیسی

عشق گیسو نے یہ عقدہ کھولا
سر پہ چڑھ کر ترے جادو بولا

دل لگا ہے تو پشیمانی کیوں
جان کی فکر ہے جانی کیوں

دل جہاں آئے اسے آنے دو
جان جائے تو اُسے جانے دو

ہوش میں آؤ سمجھ والے ہو
تم تو بے مے پئے متوالے ہو

سو کہیں ایک نشانی آخر
مٹ گئی تیری جوانی آخر

چاندنی پیچھے پھرے کب تک
روشنی شمع سحر کی کب تک

جھوٹ کہو تو ہزاروں قسمیں
پھینک دو دل جو نہ ہم کرتے ہیں

دوستانہ تجھے سمجھاتے ہیں
نہیں سنتے تو ہم جاتے ہیں

بس مجھے آتے ہیں چکر ساقی
لے مرے ہاتھ سے ساغر ساقی

تھام لینا مجھے غش آتا ہے ۔۔۔ دل کہیں اور لئے جاتا ہے

تیری محفل کا یہی طور رہے

دور جبتک ہے یہی دور رہے

خالی جائیگی

تو بہ جس دن توڑ ڈالی جائیگی ۔۔۔ عید یاروں میں منالی جائیگی

روح جب تن سے نکالی جائیگی ۔۔۔ کیا تیری صورت دکھالی جائیگی

کیا میری آشفتہ حالی جائیگی ۔۔۔ کوشش احباب خالی جائیگی

جان کی پروا نہیں ہے عشق میں ۔۔۔ چیز ہے یہ جانے والی جائیگی

آئیں گے گور غریباں پر وہ کل ۔۔۔ جان ہر قالب میں ڈالی جائیگی

ہائے بیرے بھولنے والے کی یاد ۔۔۔ کس طرح دل سے نکالی جائیگی

حشر میں اچھا عمل کام آئیگا ۔۔۔ اک یہی شے دیکھی بھالی جائیگی

بندہ پرور کیجئے خدمت ہم سے بھی ۔۔۔ کیا نہ لی جائیگی یا لی جائیگی

تیرے کشتوں کا حنا میں ہے لہو ۔۔۔ حشر تک اُس کی نہ لالی جائیگی

اب محبت ہو چلی دنیا سے کم ۔۔۔ رفتہ رفتہ سب اُٹھالی جائیگی

تو بھی ہوگا اے فلک آخر تباہ ۔۔۔ کب ہماری آہ خالی جائیگی

جان اب عالی میں کیا باقی رہی ۔۔۔ موت آئیگی تو خالی جائیگی

سرخروئی

شہادت کا مزا مل جائے حاصل سرخروئی ہو ۔۔۔ لپٹ جائے ہمارا خون بھی دامان قاتل سے

نہ سمجھا جیف کوئی کیا صدا نکلی سر مقتل ۔۔۔ دہانِ زخمِ بسمل سے زبانِ تیغِ قاتل سے

سہارا کوئی دے سکتا نہیں بحر محبت میں ۔۔۔ کھڑے دیکھا کئے مجھ کو جناب خضر ساحل سے

کلامِ نظم

جو کچھ ہوا ہوا چلو جو کچھ ہوئی ہوئی ۔۔۔ جانے بھی دو نہ آگ کریدو دبی ہوئی

باغ جہاں کو ابر نے سرسبز کر دیا ۔۔۔ شاخ نہال عمر نہ اپنی ہری ہوئی

تیری کوئی مثال نہ تیرا کہیں جواب　　سب بدنما ہیں جو تجھی سی نہ پیدا ہوئی

کثرت میں وحدت

یاد آئی اُس کی راحت ہو گئی　　دل کے بہلانے کی صورت ہو گئی
مرکزِ محبوبیت کون و مکاں　　اپنی سیرت اُنکی صورت ہو گئی
منزلِ مقصودِ الفت کے لئے　　اک نشانی میری تربت ہو گئی
مجمعِ عشاق میں اُن کا وجود　　سربسر کثرت میں وحدت ہو گئی
لوگ کہتے ہیں سعیدِ زار کو　　کچھ عجب تیری طبیعت ہو گئی

گدگدی

افسردگی ہے باعثِ تلخیٔ حیات　　لطف بہارِ زیست تو زندہ دلی کے ساتھ
دلبر نہیں ہے ہجر میں اب اختیارِ صبر　　دینی پڑے نہ جان کہیں بیکسی کے ساتھ
کرتے ہیں اس زمیں کی ملائک بھی آرزو　　جنت کو کچھ لگاؤ ہے اُن کی گلی کے ساتھ
رہ رہ کے دل میں چٹکیاں لیتی ہے اس کی یاد　　اٹھتی ہے ایک ہوک اک گدگدی کے ساتھ

عروسِ شرمگیں

تیری صورت جو دنیا کو حسیں معلوم ہوتی ہے　　[illegible] شانِ صورت آفریں معلوم ہوتی ہے
بظاہر یار کی چینِ جبیں معلوم ہوتی ہے　　[illegible] معلوم ہوتی ہے
یہ زورِ ناتوانی ہے جہاں میں یادگار اپنا ہوں　　وہ مجھ کو میرے مدفن کی زمیں معلوم ہوتی ہے
کچھ اس انداز سے چلتی ہے تیغِ ناز گردن پر　　گلے ملتی عروسِ شرمگیں معلوم ہوتی ہے
چمکتی ہے الٰہی چرخ پر کیا چیز بجلی سی　　مجھے تو میری آہِ آتشیں معلوم ہوتی ہے
نہ پوچھو مجھ سے اپنی موہنی مورت کی زیبائش　　مجسم شانِ صورت آفریں معلوم ہوتی ہے
میں وہ آفت رسیدہ ہوں کہیں بجلی چمکتی ہو　　مجھے اپنے نشیمن کے قریں معلوم ہوتی ہے
بہت بے چین ہے مدت سے کوئی چیز سینے میں　　تمنائے دلِ اندوہگیں معلوم ہوتی ہے
تماشی تونے [illegible] تیرِ نگاہِ یار [illegible]　　دل [illegible] معلوم ہوتی ہے
کھٹکتی ہے دلِ مجروح میں اک پھانس رہ رہ کر　　کسی کو تیر کی [illegible] معلوم ہوتی ہے

تیری آنکھوں سے مجنوں جس پری کو دیکھتا ہوں میں — مجھے وہ لیلیٰ محمل نشیں معلوم ہوتی ہے
نکلتی ہی نہیں دل سے کسی صورت کسی پہلو — مری حسرت بڑی ناز آفریں معلوم ہوتی ہے
چلے جاتے ہیں سب چھوٹے بڑے جسکے بسانیکو — نئی دنیا کوئی زیرِ زمیں معلوم ہوتی ہے
قرینہ اور سلیقہ بھی عجب چیزیں ہیں دنیا میں — چمن کی گھاس بھی کتنی حسیں معلوم ہوتی ہے
تمہارا مدعا معلوم ہوتا ہے کہیں ہمکو — ہماری آرزو تم کو کہیں معلوم ہوتی ہے

آفق جز بیکسی ہمدم نظر آتا نہیں کوئی
یہی اپنی پرانی ہمنشیں معلوم ہوتی ہے

خاموش فریاد

اس قدر دل کش رہا تیرا اگر اندازِ جور — زخمِ دل منہ چوم لیگا خنجرِ بیداد کا
تو نہ کر ترکِ ستم ظالم ستم ہو جائیگا — جان سے جائیگا خوگر لذتِ بیداد کا
عقدۂ مشکل میں پنہاں ناخنِ تدبیر ہے — دستگیر بے کسی تیشہ ہوا فرہاد کا
کھینچ کر لے جا مجھے شوقِ اسیری سوئے دام — کام ایسا کر کہ جس سے جی بڑھے صیاد کا
وحشت اس بت نے تغافل جب کیا اپنا شعار — کام خاموشی سے میں نے بھی لیا فریاد کا

دردِ عشق

بیمار کر دیا مجھے ناچار کر دیا — اے دردِ عشق تو نے تو بیکار کر دیا
دل محوِ آرزو تھا مگر تیرے ظلم نے — لے لے کے چٹکیاں اسے ہشیار کر دیا
اپنے ستم میں تم کو بھی آنے لگا مزا — ان شوخیوں نے تم کو دل آزار کر دیا
جس آنکھ میں تھا جوشِ مسرت بھرا ہوا — زخمِ جگر نے اب اسے خونبار کر دیا

نشیلی آنکھ

جو وہ آجائے پہلو میں تو بیشک زندگی ہوگی — وگرنہ خاک میری اور اس بت کی گلی ہوگی
ترے پاؤں کی آہٹ نے بپا محشر کیا ظالم — لحد میں عاشقِ شیدا کے بھی ہلچل پڑی ہوگی
نہیں جب دوسرا کوئی دوئی کا ذکر پھر کیا ہے — یہ دعویٰ ہی غلط ٹھہرا خدائی دوسری ہوگی
خدا والے نہیں پابند کچھ مسجد کے اے واعظ — وہ بتخانہ میں بھی جائیں تو اُن کی بندگی ہوگی

نہیں چلتا کسی کا بس کریں گو لاکھ تدبیریں
وہی بات آ گئی آگے جو قسمت میں لکھی تھی

نہ دے زاہد کو اے ساقی پلا دے بادہ خواروں کو
مزہ وہ مے کا کیا جانے کبھی جس نے نہ پی ہوگی

ستم کے آپ خوگر ہیں جفا کے آپ عادی ہیں
مگر یہ یاد رکھئے گا خدائی مدعی ہوگی

نشیلی آنکھ دکھلا دے ترے قربان اے ساقی
خودی میں سارا عالم اور اپنی بیخودی ہوگی

مقابل آئینہ بن کر جو آؤ گے مزا ہوگا
ہماری آنکھ کی پتلی تماشا دیکھتی ہوگی

دکن میں اب نہ بہلے گی طبیعت شاد کی ہرگز
جو وہ اجمیر کو جائے تو البتہ کچھ خوشی ہوگی

آنسو ہوتا

مختصر ہوتے نہیں اے یار جو قابو ہوتا
خال بن کر میں ترا نقطۂ ابرو ہوتا

کبھی آغوش میں رہتا کبھی رخساروں پر
کاش اے آفت جاں میں ترا آنسو ہوتا

ڈھنگ آتا جو اسے روز بدل جانے کا
میرا نالہ بھی مزاج بت بد خو ہوتا

یہ ستم کا ہے کو سہتے بت ظالم کے کبھی
ہم کو اپنے دل مضطر پہ جو قابو ہوتا

جابجا شوخی خاطر نظر آتی ہے نسیم
کون سے شعر میں تیرے نہیں پہلو ہوتا

بے نیاز

مہرباں تجھ سے وہ گر بے سود غمخواری رہی
دل رہا پہلو میں جب تک غم کی بیماری رہی

کس کو فرصت تھی خیال لذت دیدار کی
سامنے جب تک رہے وہ بیخودی طاری رہی

شامل تعمیر دنیا تھی ہی بے رونقی
خشت کے بدلے مگر کچھ گرم بازاری رہی

کثرت غم نے مٹادی کا دش احساس غم
ہمنشیں اب مجھ سے مشق گریہ و زاری رہی

خودنمائی سے رہا پرہیز ہم کو عمر بھر
خود فراموشی سے پہلے بیخودی طاری رہی

المدد اے درد دل آنکھوں کے چشمے خشک ہیں
وہ بھی دن تھے جب یہاں آنسو کی نہر جاری رہی

فیض قاتل نے دکھائی ہم کو بھی کیا کیا بہار
مدتوں زخموں سے دل کو گلکاری رہی

میری بزم غم میں آیا کون آتا کس کو تھا
شام سے تا صبح شمع بیچاری رہی

کر دیا یاس و حرماں نے ہر اک سے بے نیاز
اب کہاں محمود منت بار برداری رہی

کلامِ آتش

شیریں زباں ہوئی ہے فرہاد کے دہن میں ۔ لیلیٰ پکارتی ہے مجنوں کے پیرہن میں
دو روز ہے یہ لطفِ عیش و نشاطِ دنیا ۔ بوئے شبِ عروسی مہماں ہے پیرہن میں
بازارِ مصر میں چل یوسف کا سامنا کر ۔ کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائیگا چلن میں
اک تختہ ہفت کشور دہلی کا ہے ہمارے ۔ نو آسماں ہیں اپنے اکبر کے نو رتن میں
آیا تھا بلبلوں کی تدبیر میں گلوں نے ۔ ہنس ہنس کے مار ڈالا صیاد کو چمن میں
یادِ فقیر آگے اس بت کو بھولتی ہے ۔ اب کی گرہ میں دونگا زنار برہمن میں

صحرا کو بھی نہ آیا بغض و حسد سے خالی
کیا کیا جلا ہے ساکھو پھولا جو ڈھاک بن میں

شمعِ انجمن

تم رنگ ہو سخن میں تم پھول ہو چمن میں ۔ تم روح ہو بدن میں تم شمعِ انجمن میں
گھر کر سحاب آیا نہروں میں آب آیا ۔ دورِ شراب آیا مستو چلو چمن میں
آفت میں جان خستہ پائی امید بستہ ۔ دل کشتیٔ شکستہ دریائے موجزن میں

نگہِ سحر فن

ہوش و خرد گئے نگہِ سحر فن کے ساتھ ۔ اب ہے جو اپنی بات سو دیوانہ پن کیساتھ
روز آفتیں نئی ہیں دلِ پر محن کے ساتھ ۔ جب دیکھو زخم تازہ ہے زخمِ کہن کیساتھ
افسردہ دل کیواسطے کیا چاندنی کا لطف ۔ لپٹا پڑا ہے مردہ سا گویا کفن کے ساتھ
گندم ہے سینہ چاک فراقِ بہشت میں ۔ آدم کو کیا نہ ہوگی محبت وطن کیساتھ
وحشت گئی نہ بعد فنا بھی مرا غبار ۔ بازیں کرے ہے سقفِ سپہرِ کہن کیساتھ

لوٹنے کی جا

سر وقتِ ذبح اپنا اسکے زیر پائے ہے ۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
رخصت اے زنداں جنوں زنجیرِ در کھڑکائے ہے ۔ مژدہ خارِ دشت پھر تلوہ مرا کھجلائے ہے
تا بمقدور طاقت ایک ہی ضعف سی سینہ میں دم ۔ دیکھئے لب تک خدا کیونکر مجھے پہنچائے ہے

واہ واہ شورِ محبت خوب ہی چھڑکا نمک — استخواں میری ہما کس مزے سے کھائے ہے
گرمئ سوزِ دروں بھن جائینگے دل اور جگر — رحم جوشِ گریہ پھر چھاتی میری بھر آئے ہے
نزع میں بھی ذوق کو تیرا ہی بس ہے انتظار — جانب در دیکھ لے ہے جبکہ ہوش آجائے ہے

سنگِ موسیٰ

اس قدر آنکھیں میری محوِ تماشا ہو گئیں — پتلیاں پتھرا کے آخر سنگِ موسیٰ ہو گئیں
کنجِ عزلت میں قناعت کی جو نانِ خشک پر — نعمتیں دنیا کی جو کچھ تھیں مہیا ہو گئیں
تم جو جا نکلے نسیمِ نوبہاری کی طرح — پھول کھل کھل کر گل و لالہ کی کلیاں ہو گئیں
اے صبا دامن ہے تیرا اور مجھ مجنوں کا ہاتھ — اُس پری رُو کی اگر زلفیں پریشاں ہو گئیں

دعوتِ مژگاں

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے — جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے
کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو — عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے
پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق — سامانِ صد ہزار نمکداں کئے ہوئے
پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا — جاں نذرِ دلفریبیِ عنواں کئے ہوئے
پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں — سر زیرِ بارِ منتِ درباں کئے ہوئے
جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن — بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے
غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے — بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے

غالب

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے — دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے
رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم — بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے
کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر — پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
کرنے گئے تھے اُن سے تغافل کا ہم گلہ — کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اس رنگ سے اٹھائی کل اس نے اسد کی لاش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

ٹوٹا مکان

نازاں ہوں اپنے قلبِ شکستہ کی شان پہ — ہے عرش کو حسد اسی ٹوٹے مکان پر
تا خوابِ مرگ ذکر تھا اُن کا زبان پر — نیند آ گئی ہمیں تو اسی داستان پر
اپنا بھی ماجرائے دل اک مرثیہ سا ہے — بے اختیار روتے ہیں لوگ اس بیان پر
جی میں ہنوز پھرتے ہیں یارانِ رفتہ آہ — چشمِ دل اپنی باز ہے اس کاروان پر
راسخ یہ کیا ہے عشق کو بدنام مت کرو — عاشق ہو اور مرتے ہو نام و نشان پر

راسخ

اشارہ

ہوئے ہیں پیر اب ہم دیدنی رونا ہمارا ہے — پلک پر اپنے آنسو صبحِ پیری کا ستارہ ہے
فلک ایسا ہمارے درپئے ایذا نہ تھا آگے — یہ بے مہری تمہاری ہے تمہارا ہی اشارہ ہے
شروع ہے عشق راسخ کہتے ہو جاتا ہی جی ڈوبا — کنارے ہی پہ اس دریا کے حال ایسا تمہارا ہے

ولہ

وُسعتِ دل

ہمیں تحریکِ آہ سرد نے اکثر رلایا ہے — چلی ہو جب یہ ٹھنڈی باد تب مینہ خوب آیا ہے
دل تنگ اپنا وسعت کتنی رکھتا ہے یہ کیا جانوں — پر اتنا جانتا ہوں میں کہ تُو اس میں سمایا ہے

مبارک ہو تمہیں چاہت بڑا ارمان تھا اس کا
سُنا ہے ہم نے راسخ جی کہیں تم نے لگایا ہے

ولہ

سمندِ فکر

برنگِ بُو میری قسمت میں لکھی تھی جو عریانی — جنوں نے مجھکو بخشی مثلِ گل صد چاک دامانی
پھرا کرتا ہوں میں وحشت زدہ ذراتِ صحرا میں — فلک کی طرح گردش ہے نہیں ممکن تن آسانی
کبھی سر پر بگولے ہیں کبھی شاخیں ہیں ہونکی — یہ زریں سائباں ہے اور وہ چترِ سلیمانی
اگر میں جوشِ وحشت میں نکل جاتا ہوں راتوں کو — چراغِ راہ بن جاتا ہے ہر غولِ بیابانی
مرے ارمان سب یوں بند ہیں غمخانۂ دل میں — مقیدِ گوشۂ تاریک میں ہوں جیسے زندانی
میری دلبستگی کھولینگی اکدن باغ کی کلیاں — کہیگی زُلفِ سنبل مُو بمُو میری پریشانی
اگر یونہیں برابر زخمِ دل اسکے رہے پیاسے — بکیگی آگ کے مول اک اِکدن آبِ پیکانی

سمندِ فکر کو سرپٹ کہاں تک شوق ہانکے گے
قیامت تک نہ ہوگا طے یہ میداں سخن دانی

کلامِ مجروح

تم بھی چوری کو یقیں ہے نہ کہو گے اچھا — اب ہمیں دیکھ کے آنکھیں نہ چرانا ہرگز
ذکرِ بربادیٔ دہلی کا سُنا کر ہمدم — نیشترِ زخمِ کہن پر نہ لگانا ہرگز
بن ہُوں اک مجمعِ احباب کا بچھڑا گلچیں — مجھ کو گلدستۂ رنگیں نہ دکھانا ہرگز
جن کے ایوان تھے ہم پایۂ فغفور و قیصر — اُنکی ملتا نہیں قبروں کا ٹھکانا ہرگز
قصرِ عالی کے حوالے ہیں ذرا تم مجروح — اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد نہ بنانا ہرگز

حرفِ تمنا پر صاد کی تلاش

ظلم سہنے کو اگر عاشقِ ناشاد نہ ہو — کوئی معشوق کبھی بانیٔ بیداد نہ ہو
جسکو تم خوش کرو رنج اسکو نہ دے دورِ فلک — جس کو ناشاد کرو تم وہ کبھی شاد نہ ہو
سر وہ کیا سر ہے کہ جس میں نہ ہو سودا تیرا — دل وہ کیا دل ہے کہ جس میں تیری یاد نہ ہو
خوش ہوں میں شوق سے بیداد کرو ظلم کرو — لیکن اس طرح چھپا کر کہ عدو شاد نہ ہو
ادب آموز سہی ناصحِ مشفق لیکن — وہ سبق کیسے پڑھوں میں کہ مجھے یاد نہ ہو
ہائے افسوس بھلاتا ہے تو اسکو دل سے — جس کو اک تیرے سوا اور کوئی یاد نہ ہو
چرخ کی چال زمانہ کا طریقہ سیکھو — ہم بتا دیں جو تمہیں طرزِ ستم یاد نہ ہو
ایسے ہنگامہ میں کیا داد ملیگی یا رب — حشر کے [illegible] سو داد نہ ہو
قید سے چھوٹ کے بھی خوف ہمارا نہ گیا — کوئی [illegible] دل کو کھٹکا نہ ہو
آتے ہیں حضرتِ ناصح تو مجھے عذر نہیں — شوق سے آئیں [illegible] کچھ ناشاد نہ ہو
بار بار اس لئے پڑھتا ہوں جوابِ نامہ — کہ میرے حرفِ تمنا پہ کہیں صاد نہ ہو

جس نے برباد کیا مجھ کو وہ آباد رہے
جس نے ناشاد کیا مجھ کو وہ ناشاد نہ ہو

ہلکا سارنگ

مر کر ہے آرزوِ دلِ امیدوار میں — ہاتھوں سے اپنے کوئی سُلا دے مزار میں

ظالم سے کس اُمید پہ امیدِ التفات — دربانِ غم کہاں نگہِ فتنہ ساز میں

سیماب کشتہ ہے دلِ بیتاب کیوں نہ ہو — اکسیر کا اثر مری خاکِ مزار میں

کیا جانئے کہ کیوں چمنِ آرزو مرا — رہتا ہے خشک موسمِ ابرِ بہار میں

اس دل سے جس کو جذبِ محبت کا ہے یقیں — کیا بات کہدی غم نے شبِ انتظار میں

پُورا کہاں نصیب مگر تیری چال کا — ہلکا سارنگ ہے روشِ روزگار میں

تارِ نگاہِ شوق ہے یا آہِ اضطراب — برقِ تپاں کہ لاشۂ بیدل مزار میں

لسان بیدل ایم اے

طرزِ علی حزیں

اثر کے پیچھے دلِ حزیں نے نشاں چھوڑا نہ ہر کہیں کا
گئے ہیں نالے جو سوئے گردوں تو اشک نے رُخ کیا زمیں کا

بھلی تھی تقدیر یا بُری تھی یہ راز کس طرح سے عیاں ہو
بتوں کے سجدے کئے ہیں اتنے کہ مِٹ گیا سب لکھا جبیں کا

بہ نظمِ آئیں یہ طرزِ بندش سخنوری ہے فسوں گری ہے
کہ ریختہ میں بھی تیرے شبلیؔ مزہ ہے طرزِ علی حزیں کا

شبلی

کلامِ مظہر

گرچہ الطاف کے قابل یہ دلِ زار نہ تھا — لیکن اس جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا

لوگ کہتے ہیں مُوا مظہرِ بیکس افسوس — کیا ہُوا اُسکو وہ اتنا بھی تو بیمار نہ تھا

تخمِ بے نشان

مت پوچھ دل کی باتیں اب دل کہاں ہے ہم ہیں — اس تخمِ بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم ہیں

جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا — پردہ سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں

کلامِ محروم

ہمدم کہیں نہ حسرتِ خوابیدہ جاگ اُٹھے — ایّامِ حسن و عشق کی پھر داستاں نہ چھیڑ

ہے خاتمہ قریب جوانی کی رات کا — محروم پھر فسانۂ زلفِ بتاں نہ چھیڑ

سودائے خام

جو ہو مجھ سے پیار تم کو جو ہو تم سے پیار مجھکو — نظر آئے خارِ ہستی گلِ نوبہار مجھکو

یہ ضیائے مہرِ تاباں — یہی آنی جانی گھڑیاں

یہ فضا یہ سبز پودے — یہی گل یہی پرندے

یہ کمالِ حسن و زینت — مجھے دیں نوید راحت

مری زیست کا ترانہ — ہو سرودِ دلبرانہ

نہ یہ بے سری صدائیں کریں بیقرار مجھ کو — جو ہو مجھ سے پیار تم کو جو ہو تم سے پیار مجھ کو

جو ہو مجھ سے پیار تم کو — مگر آہ یہ کہاں ہو

کوئی انقلاب آئے — تو وہ دن مجھے دکھائے

کہ ہو شاہ و گدا کا ہماں — ہو زمیں پہ مہ خراماں

میری خوش نصیبیوں کا — ہو ہر اک زباں پہ چرچا

میرے عشق کی حکایت — بنے دفترِ مسرت

کرے مستِ عیشِ دائم مئے دیدِ یار مجھ کو — جو ہو مجھ سے پیار تم کو جو ہو تم سے پیار مجھ کو

جو ہو تم سے پیار مجھ کو — میری عمر یوں بسر ہو

کروں غرقِ بحرِ نسیاں — غم و ہم و فکرِ ساماں

یہ مشقت پشیماں — یہ ہجومِ یاس و حرماں

انہیں قدموں میں پڑا ہوں — تمہیں مسکراتے دیکھوں

میری زیست تو محبت — کرو فقدانِ الفت

مئے بیخودی پلا کر کرے ہوشیار مجھ کو — جو ہو مجھ سے پیار تم کو جو ہو تم سے پیار مجھ کو

جو ہو مجھ سے پیار تم کو جو ہو تم سے پیار مجھ کو — مگر آہ تم توں کا نہیں اعتبار مجھ کو

یہ کہاں ہے اپنی قسمت — کہ ہو مجھ سے تم کو الفت

تمہیں حُسن خود پرستی — مجھے عشق و حال مستی
ملیں پھر جو ہم تو کیونکر — جئیں یونہی زندگی بھر
دم واپسیں تک اے جاں — رہیں دل کے دل میں ارماں
پس مرگ بھی کھٹکتا یہ جگر میں خار جائے — لب گور بھی تڑپتا دل بے قرار جائے — نیرنگ

کیا ہے؟

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے — آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار — یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں — کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟
جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود — پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں — غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے؟
شکنِ زلفِ عنبریں کیوں ہے — نگہِ چشمِ سرمہ سا کیا ہے؟
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں — ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟
ہم کو ان سے وفا کی ہے امید — جو نہیں جانتے وفا کیا ہے؟
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا — اور درویش کی صدا کیا ہے؟
جان تم پر نثار کرتا ہوں — میں نہیں جانتا دعا کیا ہے؟
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ — مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے؟ — غالب

کسی کا دھیان

اے دل میں میں نثار تیرے اے کسی کے دھیان — اس روح کی تو روح ہے اس جان کی ہے جان
تو جلوۂ نہاں ہے کسی کے جمال کا — اے سینکڑوں دلوں کی خوشی تجھ پہ میں فدا
سونا پڑا ہے دل کا شبستاں تیرے بغیر — کیسے بسے یہ خانۂ ویراں ترے بغیر
ہے انتظار حسرتِ دیدار کو ترا — ارمان تک رہے ہیں تری راہ جلد آ
تو شمع ہے خیال کے فانوس کے لئے — روشن چراغِ فکر ہے تیرے ہی نور سے
ذرہ صفت ہے واہمہ تو مہرِ خاوری — اسکی فسوں گری ہے تیری ذرہ پروری

دیدارِ یار جامِ شرابِ طہور ہے | تو اس مئے لطیف کا پیارا سرور ہے
دوری تیری جدائی جاناں سے کم نہیں | تو ہو تو مجھ کو یار کی فرقت کا غم نہیں
اس دل کا غم بھی تو ہی ہے اور غمگسار بھی | اس کی تڑپ بھی تو ہی ہے اسکا قرار بھی
خلوت کا تو انیس ہے جلوت کا تو رفیق | ہر حال میں تو ساتھ ہے اے باوفا شفیق
کیا تجھ سے نوک جھوک ہے کیا چھیڑ چھاڑ ہے | ہے صلح بھی تجھی سے تجھی سے بگاڑ ہے
ہاں تیرے روٹھنے میں منانے میں لطف ہے | اس دل لگی میں ہنسنے ہنسانے میں لطف ہے
اپنے لئے جہاں سے الگ اک جہاں ہے تو | گلگشتِ شوق کیلئے باغِ جناں ہے تو
تو میری جاں کے ہر رگ و پے میں ہے موجزن | تو مجھ پہ ہے محیط تو میں تجھ میں ہوں مگن

وہ سر خدا کرے نہ ہو جس سر میں تو نہ ہو
وہ دل نہ ہو کہ جس میں تری آرزو نہ ہو

انوکھی تعزیر

بے خطا ہوں شکنِ زلف ہے زنجیر مجھے | شورِ حسنت ہے جنگ منہ تقدیر مجھے
بزمِ تقدیر سے ہنسنے کی صدا آتی ہے | یہ کہہ کے چلی ہے مری تدبیر مجھے
وا ابھی ہو جلد کہیں اے درِ زندانِ حیات | زندگی جرم ہے ہر سانس ہے تعزیر مجھے
اپنی تلخی جواب ان کو ذرا محسوس ہوئی | ہنس دیئے دیکھ کر [illegible] تقدیر مجھے
اُن کو دیکھا سرِ محشر تو مجھے یاد آیا | ایسی [illegible] میں نظر آتی ہے تصویر مجھے
سب سے منہ موڑ چکا ہوں مگر اُف ری دنیا | اب بھی جکڑے ہے یہ ٹوٹی ہوئی زنجیر مجھے
اہلِ ظاہر کو نظاروں میں نہیں مل سکتی | حسن نے خاک میں دی ہے جو تنویر مجھے
اے خدا دیکھ کہ اس طرح بسر کرتا ہوں | آ گئے کیا [illegible] دیدی تقدیر مجھے
کر رہے ہیں متحرک جو حقیقی جذبات | غور سے دیکھ رہی ہے تری تصویر مجھے
بڑھتے جاتے ہیں کرم حضرتِ ناصح کے بہت | [illegible] تصویر مجھے

جوشؔ [illegible] لطف کا [illegible] شعر
[illegible] خلوت [illegible] مجھے

حقیقتِ دل

آئیں اسکول کے احباب سُنیں دردِ مرا　　گرم کر دے گا لہو ہر نفسِ سردِ مرا
آئیں بیٹھیں مری تقریر سُنیں غور کریں　　عافیت کا کوئی سامان بہر طور کریں
کیوں شکایت ہے کہ پڑھنے کا اسے شوق نہیں　　دل میں تحصیلِ کمالات کا کچھ ذوق نہیں
مدرسے کیوں نہیں آتا یہ شکایت کیا ہے　　کاش پوچھیں تو ترے دل پہ مصیبت کیا ہے

آئیں اور جھک کے سُنیں کان لگا کر باتیں
تیغ باتیں ہیں چھری باتیں ہیں خنجر باتیں

بس لڑکپن سے جسے عشقِ کمالات رہا　　علم حاصل ہو اسی فکر میں دن رات رہا
بھائی سے کام تھا مجھ کو نہ کسی ہم سِن سے　　لڑکے کہتے تھے کبھی ہم نہیں کھیلے ان سے
اور اب ہیں رہا کمبخت کہ پڑھتا ہی نہیں　　سامنے علم کا میدان ہے بڑھتا ہی نہیں
دل یہ کہتا ہے کہ اب زیست کے دن ہیں تھوڑے　　حرف گھس گھس کے نظر سے کوئی آنکھیں پھوڑے

دوستو دل میں خیال اب یہی آیا ہوگا
کیوں ہوا اس میں یکایک یہ تغیر پیدا

اپنی تکلیف کے کس طرح بتاؤں اسباب　　ہوگا مجھ سا بھی نہ دُنیا میں کوئی خانہ خراب
غور سے اب مرے پڑھنے کی حکایت سنئے　　دل کا جب تک نہ کہوں حال کوئی کیا جانے

(۱)

ایک تنکا بھی اگر آنکھ میں پڑ جاتا ہے　　آدمی ہے کوئی ایسا جسے چین آتا ہے
چین لینے دیں بھلا کب مجھے ایسی آنکھیں　　جن کے پردے میں سمائی ہوں کسی کی آنکھیں

(۲)

اکثر آنکھوں کی اذیت کو بھلا دیتا ہوں　　میز سے بڑھ کے کتاب ایک اُٹھا لیتا ہوں
لیکن آساں نہیں اس قلب کا شاداں ہونا　　جس کی تقدیر میں لکھا ہو پریشاں ہونا
روبرو آنکھ کے جس وقت کتاب آتی ہے　　اک جھلک صفحۂ قرطاس پہ پڑ جاتی ہے
نقطہ نقطہ نظر آتا ہے مجھے برق لباس　　شمعیں جل اٹھتی ہیں ہر مرکزِ اعراب کے پاس

دیر تک کچھ نظر آتا نہیں بجلی کے سوا　　دفعتہً ہوتی ہے ہر سطر میں جنبش پیدا

حرف مٹ جاتے ہیں کچھ دیر میں رفتہ رفتہ

صاف کھنچ جاتا ہے ہر لفظ پہ اُن کا نقشہ

(۳)

جب کیا قصد کریں یاد کتابیں سُنکر　　ہم سبق آئے سُنانے کہ اٹھا درد جگر

یک بیک جوش ہوا ذہن و ذکا میں پیدا

اک ترنم سا ہؤا موج ہوا میں پیدا

دوست کی آئی صدا حسن بیگانہ میرا　　کان رکھتا ہے تو سن دل سے فسانہ میرا

میری آواز ہے پابندِ سماعت تیری　　گھیر لی ہے مرے جلوے نے بصارت تیری

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن　　دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

جوئے تعلیم کجا، عشق جگر دوز کجا

محفل علم کجا، جلوہ گہ سوز کجا

کلام الملوک

یار تھا گلزار تھا بادِ صبا تھی میں نہ تھا　　لائق پابوس جاناں کیا حنا تھی میں نہ تھا

ہاتھ کیوں باندھے مرے چھلا اگر چوری گیا　　یہ سراپا شوخی دزد حنا تھی میں نہ تھا

ناتوانی نے بچائی جان میری ہجر میں　　کونے کونے ڈھونڈتی پھرتی قضا تھی میں نہ تھا

بیخودی میں لے لیا بوسہ خطا کیجو معاف　　یہ دل بیتاب کی صاحب خطا تھی میں نہ تھا

کوئی جا سکتا نہیں عصمت سرائے یار تک　　پردہ در جس نے کیا وہ ہوا تھی میں نہ تھا

میں سسکتا رہ گیا اور مر گئے فرہاد و قیس　　کیا انہیں دونو کے حصے میں قضا تھی میں نہ تھا

میں نے پوچھا کیا ہوا وہ آپکا حسن شباب　　ہنس کے بولا وہ صنم شان خدا تھی میں نہ تھا

اے ظفر دل پر مرے یہ داغ کیسا رہ گیا

خانہ باغ یار میں خلق خدا تھی میں نہ تھا

کلامِ عزیز

تفاوت طبیعت میں ہے رات دن کا — وہ عالم نہیں اب دلِ مطمئن کا
نہ گھبراؤ ٹوٹے گی مہرِ خموشی — ابھی منتظر ہوں قیامت کے دن کا
کسی وقت رونے سے فرصت نہیں ہے — یہی مشغلہ رہ گیا رات دن کا
وہ دُنیا کے ہوش و حواس اب کہاں ہیں — اثر عمر کا ہے تقاضا ہے سن کا
کفن مجھ کو احباب پہنا رہے ہیں — میں عادی نہیں اس لباسِ خشن کا
بہار آئی پھولوں کا عالم نہ پوچھو — جوانی ہے ان کی زمانہ ہے ان کا
سرِ طور جو برق بن کر گرا تھا — وہ میرے نشیمن کا تھا ایک تنکا
ابھی منہ چھپائے ہوئے جو گئے ہیں — عزیزِ وفا کیش کشتہ ہے ان کا

عزیز لکھنوی

یہ تیرا مزار تھا

شبنم تھی شمعِ گور تھی ابرِ بہار تھا — جو تھا غرض وہ میرے لئے اشکبار تھا
بیتاب اس طرح نہ دلِ بے قرار تھا — یہ آج پردہ در ہے کبھی پردہ دار تھا
تم وقتِ نزع دیر سے آتے تو دیکھتے — اب کیا کہوں کہ موت کا کیوں انتظار تھا
اس غم میں رو رہا ہوں کہ کیوں آنکھ کھل گئی — میں اس سے مجھ سے خواب میں وہ ہمکنار تھا
پامالِ جور کرکے وہ کہنا کسی کا ہائے — ہمکو خبر نہ تھی کہ یہ تیرا مزار تھا
دم کے نکلتے ہی مجھے پھینک آئے قبر میں — اللہ اس قدر میں عزیزوں پہ بار تھا
گر طور پر نہ دیکھتے موسیٰ تو دیکھتے — خورشید ذرہ ذرہ میں وہ آشکار تھا

خورشید امیٹھوی

جذباتِ ٹیگور

نہ سویا میں اس فکر میں رات بھر — کہ تھک کر نہ سوتا رہوں تا سحر
اچانک کو پیارا مرا سیمبر — نہ آجائے اس حال میں میرے گھر
عزیزو نہ روکو نہ روکو اسے — کھلا چھوڑ دو اس کا تم رہگزر
جگانا نہ مجھ کو خدا کیلئے — جگائے نہ قدموں کی آہٹ اگر
میری نیند اور آہ انمول نیند — جو ہے اس کے دیدار کی منتظر

ضیا میں تبسم کہ آنکھیں مری — کھلیں اور رہوں دید سے بہرہ ور
نکل آئے وہ پردۂ خواب سے — کہ جوں ظلمتِ شب سے نورِ سحر
جہاں بھر کی مخلوق و اشکال سے — دکھائی مجھے دے وہی پیشتر
ہویدا اسی کے ہی دیدار سے — مری آتما میں خوشی کا اثر
تمنا ہے جب آپ میں آؤں میں — تو محبوب کو سامنے پاؤں میں

ہوائے دامن

سوزِ غم سے دلِ مضطر کو جلا ہی دینگے — ہم تو مٹتے ہیں مگر اس کو مٹا ہی دینگے
بس یہی نا کہ خفا ہو کے سزا ہی دینگے — حالِ دل ہم تو نہیں آج سنا ہی دینگے
فرق نے تا بقدم آگ لگا ہی دینگے — شعلے جب دل سے اٹھینگے تو جلا ہی دینگے
ناوک انداز تیرے تیر سے پہنچے ہیں جو زخم — وہ مرے قتل کی محشر میں گواہی دینگے
کوششیں چارہ گروں کی ہیں دوا ہی تک محدود — دردِ دل داغ نہیں ہے کہ مٹا ہی دینگے
تم خفا ہو تے ہو اچھا نہ کریں گے شکوہ — منہ میں جب تک ہے زباں خیر دعا ہی دینگے
تم نے مرتے نہیں دیکھا ہے کسی کو اب تک — خیر زندہ ہیں تو ہم مر کے دکھا ہی دینگے
نزع کی سختیاں آساں ہوں بلا لو اُن کو — رحم آئیگا تو مرنے کی دعا ہی دینگے
گو غمِ انگیز میں اور درد میں ڈوبے ہیں مگر — پھر بھی قصے ہیں محبت کے مزا ہی دینگے
اُن کے آگے مجھے بیہوش پڑا رہنے دو — جب ترس آئیگا دامن کی ہوا ہی دینگے
خنجر اس دور میں اپنے چمن آراؤں کو — کچھ نہیں اور تو ہم دل سے دعا ہی دینگے

جذباتِ ثاقب

تم اس طرح مری بالیں پہ اشکبار نہ ہو — دمِ اخیر کہیں رازِ آشکار نہ ہو
چمک رہی ہیں یہ آج بجلیاں پیہم — کہیں نہ تب پہ میرے آہ شعلہ بار نہ ہو
میں دل کی بات زباں پر کبھی نہیں لاتا — یہ خوف ہے کہ کہیں اُن کو ناگوار نہ ہو
یہ ٹھوکریں میں غضب مست ناز دیکھے ہیں — کسی غریب کا لٹا ہوا مزار نہ ہو
وہ نالے کیا ہیں جو چکر نہ آسماں کو دیں — وہ آہ کیا ہے جو ثاقب جگر کے پار نہ ہو

رشحاتِ فکری

جو کہا نہیں ہے کچھ بھی تجھے پاسِ دلنوازی تو ستم ظریف بولا تیرا عشق ہے مجازی
یہ ہے خوف کھل نہ جائے کہیں رازِ دلنوازی مری سمت دیکھنا ہے بنگاہِ بے نیازی
ہیں حسین لاکھ لیکن کوئی لائیگا کہاں سے تیری آنِ خود نمائی تیری شانِ امتیازی
ترے بال کھل پڑے ہیں جو کھلے رہینگے یونہی نہ گھٹے گی تا قیامت شبِ ہجر کی درازی
اُسے لوگ کہہ رہے ہیں تیری انتہائے نخوت تیرے ناز کہہ رہے ہیں جسے شانِ بے نیازی
مری آنکھیں وا جو دیکھیں پسِ مرگ تو وہ بولا اِسے دیکھنا ہے اب بھی ہوسِ نظارہ بازی
جو دکھائے اپنا جلوہ وہ صنم حرم میں جاکر تو یقین ہے کہ نیت وہیں توڑ دے نمازی
تیرے در پہ آپڑا ہے ترا دردمند فکریؔ کبھی دیکھ لے تو آکے بنگاہِ چارہ سازی

کلامِ محشر

بے زبانی سے بیانِ دردِ ہجراں کیجئے سینکڑوں راز ایک خاموشی میں پنہاں کیجئے
جسقدر ممکن ہو ویرانے کا ساماں کیجئے دل کی بستی شاملِ گورِ غریباں کیجئے
آج نیور ہیں اسیرانِ محبت کے خراب کچھ مناسب انتظامِ بابِ زنداں کیجئے
کشتگانِ ناز کی ہمت پہ کہئے آفریں جاں اُنہوں نے دی ہے آپ اتنا ہی احساں کیجئے
بندہ پرور یہ نہیں کہتا خدا ان بیٹھیے جسقدر ممکن ہو انکی مشکل آساں کیجئے
کیا ہو اچھا ئے جو کوئی کھینچ کر تصویرِ ناز دیکھے صدقہ زینتِ زلفِ پریشاں کیجئے
خاک کے ذروں میں ہے گویا شفق پھولی ہوئی آپ بھی نظارۂ خونِ شہیداں کیجئے
شرحِ ہمدردی ہو گویا خندۂ ناز آفریں آپ یونہی میری ہر مشکل کو آساں کیجئے
آمد و رفتِ نفس سے ٹانکے ٹوٹے جاتے ہیں کس طرح پھر بخیۂ چاکِ گریباں کیجئے
آپ کا اعجاز اے ناصح چلے کیا عشق میں چاہیے اپنے دماغ و دل پہ احساں کیجئے
جانستانی تک ہی محدود کوششِ حُسن کی بس تصدق اور کچھ کارِ نمایاں کیجئے
قصۂ روحانیت پنہاں ہو کیوں اے ماہِ مصر کچھ تو ہم سے بھی بیاں اسرارِ زنداں کیجئے
چھوٹ بیٹے دستِ ہوس سے دامنِ بیم و رجا چلئے اے محشرؔ طوافِ کوئے جاناں کیجئے

کوچۂ دلدار

یہیں سے ابتدائے کوچۂ دلدار کی حد ہے قدم خود چلتے چلتے آکے رک جائے جہاں میرا

عناصر ہنستے ہیں دنیا کی وسعت مسکراتی ہے کسی سے پوچھتے ہیں اہل بینش جب نشاں میرا

رواں سچ ہے محبت کا اثر ضائع نہیں ہوتا وہ رو دیتے ہیں ابھی ذکر آتا ہے جہاں میرا

شادی مرگ

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانہ کو ہم بس ترستے ہی چلے افسوس پیمانہ کو ہم

مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانہ کو ہم

کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد دکھانیکو ہم

ہم کو پھنسنا تھا قفس میں کیا گلہ صیاد کا بس ترستے ہی رہے ہیں آب اور دانہ کو ہم

کیا ہوئی تقصیر ہم سے تو بتا دے اے ظفر تا کہ شادی مرگ سمجھیں ایسے مرجانیکو ہم

زردی رخ

کم تھی نہ زردی رخ کہربا سے اندوہ جدائی میں بڑا اور بھی چمکا

ان شعلہ رخوں نے مجھے ازبسکہ تپایا پھر رنگ مرا مثل طلا اور بھی چمکا

بیہوشی میں ہوش

اہل جنت کیلئے ہیں نہ وہ رضواں کیلئے جو مزے آج ہیں حاصل ترے دربان کیلئے

سر کو وحشت میں پہاڑوں سے بچا کر لایا در و دیوار سر کوچۂ جاناں کیلئے

عشق کامل

میرے شیون سے تم رسوا نہ ہو جاؤ یہی ڈر تھا وگرنہ کب مجھے فریاد کرنا کوئی مشکل ہے

علاوہ اس کے اے رشک قمر مسلک ہے یہ میرا رضا جوئی جاناں فی الحقیقت عشق کامل ہے

تختۂ مشق جفا

تعجب ہے کچھ ایسے محو استغنا رہے ہر دم کبھی بھولے سے تم کو نہ خیال آیا

مجھے دیکھو کہ میں ہوں تختۂ مشق جفا پیہم مگر ہرگز نہ میرے لب پہ حرف ملال آیا

دل کے آبلے

کبھی تو عاشق مہجور کے پُرسان حال ہوتے — کبھی تو کلفتوں کو دور کر دیتے گلے مل کے
اگر اٹھ آٹھ آنسو تم مرے احوال پر روتے — نکلتا خارِ حسرت پھوٹ جاتے آبلے دل کے

آئین محبت

یہی رو رو کے کہتا ہے مریضِ آتشِ فرقت — کوئی للہ کہدے جا کے اتنا میرے جاناں سے
وفورِ یاس سے اپنی بیاں تک ہو گئی حالت — بہا کرتا ہے پہروں خون حسرت چشمِ گریاں سے

اُجڑے ہوئے دل میں

غم و اندوہ و درد و کاوش و بیتابی و حرماں — رہا کرتے ہیں مدت سے مرے اُجڑے ہوئے دل میں
یہ ننھا سا جگر ہے اسقدر زخمی کہ اے جاناں — تڑپتی ہیں ہزاروں آرزوئیں خون بسمل میں

چراغِ داغِ دل

چراغِ داغِ دل جلتا ہے اپنی گورِ حسرت پر — بہا جاتی ہے جس پر چار آنسو بیکسی میری
کفِ افسوس ملتا ہے فلک بھی میری حالت پر — مگر صد حیف تم نے کیوں خبر اب تک لی میری

تلاشِ تربت

پپیہا جب تڑپتا ہے گھٹا میں پی کہاں کہکر — ہماری روح سوزِ عشق سے اس طرح جلتی ہے
تلاشِ تربتِ عاشق میں کوئی نازنیں جیسے — بلا کی دھوپ میں پتھر پہ ننگے پاؤں چلتی ہے

چوبۂ قصاب

دشوار ہے اس بزم میں جینا میرا — گرداب میں آیا ہے سفینہ میرا
کچھ آج وہ کثرت ہے حسینوں کی یہاں — ہے چوبۂ قصاب یہ سینہ میرا

پیار کی نگاہ

بے ترے حالت ہے یہ گلزار کی — نکہتِ گُل بالش ہے بیمار کی
اے امیر اس کی اداؤں پر نہ جا — مار ڈالیں گی نگاہیں پیار کی

کلامِ تسخیر

آپ کو قدر نہیں دل کی ہمارے تو نہ ہو — اس کو وہ لیگا جو رکھتا ہے خریدار نگاہ
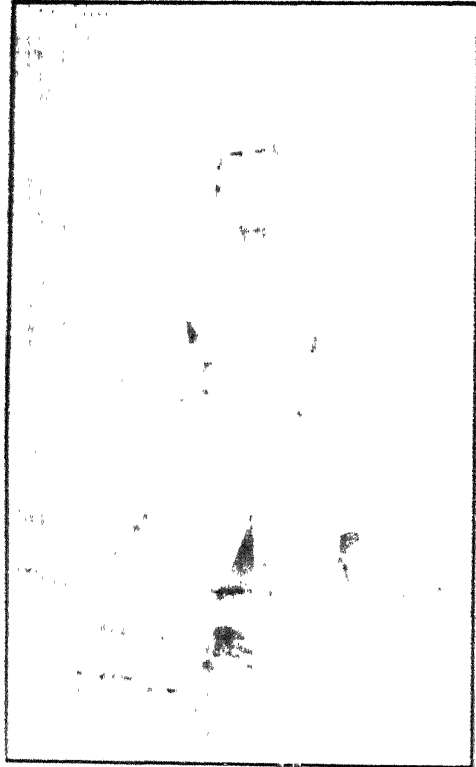
ڈر نہیں یار کو گر نیک نظر سے دیکھا — نہ گنہگار رہیں ہم اور نہ گنہگار نگاہ

شرم گناہ

لطف مے جاتا ہے کسکو بھیجیے اسکی طرف — گو منی پہ بجلیاں اور ابر ہے چھایا ہوا
رکھ نہ میرا نامۂ اعمال میرے سامنے — ہیں گناہوں سے ہوں اپنے آپ شرمندہ ہوا

التماس

کس کی طرف سے آج تپش تجھ کو پاس ہے — سچ کہہ ہمارے سر کی قسم کیوں اداس ہے
میں نے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تجھ سے التماس — کہنے لگا سمجھتے ہیں جو التماس ہے

بخت سکندر

کوئی گاہک ملے تو بیچتے ہیں جوہر ذاتی — کوئی بیچے تو ہم اس سے نقد مثال لیتے ہیں
تری تصویر کا اترا ہوا آئینہ ہے شاید — جسے ہم بن کے بخت سکندر لے لیتے ہیں

لذت ستم

یہ تعظیم اللہ اللہ اس صنم کی — جھکی پڑتی ہیں محرابیں حرم کی
انہیں عادت ہمیں لذت ستم کی — اُدھر شمشیر اِدھر تصویر پہ جھکی

عاشق کا دل

آدم کا جسم جبکہ عناصر سے مل بنا — کچھ آگ بچ گئی تھی سو عاشق کا دل بنا
تعمیر خانہ کعبہ کی جب ہو چکی تمام — کچھ سنگ بچ گیا تھا سو اس بت کا دل بنا

اشتیاق یار

میں میٹھی نیندوں سے جاگتا ہوں بوقت شب بیقرار ہو کر — تپش کے جھونکے [illegible]
میں میٹھی نیندوں سے جاگتا ہوں تری طرف اٹھ کے بھاگتا ہوں — اٹھے ہی آتے ہیں ترے [illegible]

دل کا مدفن

میں غش میں مرتا ہوں ہو چکا ہوں اٹھا مجھے مرغزار پہ تو — [illegible]
خنک میں اور سبزہ گاہ میں [illegible] — دل حزیں کا بھی [illegible] مدفن [illegible]

درد دل

درد اٹھتے ہیں دلوں میں اور دل میں بیٹھتے — ہے شہرِ خوبی نیا عالم تیرے دربار کا
دشتِ وحشت میں مجھے مجنوں نے دیکھا تو کہا — کس طرح آئے مزاج اچھا تو ہے سرکار کا

نظر ہو جائیگی

کیوں نظربازوں کی نظروں سے لڑاتے ہو نظر — کچھ نظر اس پر بھی ہے صاحب نظر ہو جائیگی
جاننا الطاف تم قہرِ خدا نازل ہوا — مہربانی ان حسینوں کی جدھر ہو جائیگی

داغ آرزو

مت سے دل مبادا یہ خون سوکھ جاوے — آتا ہے تیر اُس کا پیاسا ترے لہو کا
غنچۂ دل میں نہ گل کھلے نہ گل بوٹے ہیں چمن کا — حسرت کا زخم ہوں میں اور داغ آرزو کا

کلام حسن

وفورِ شوق میں کس کو خبر ہے — وفا کی اس نے یا ہم پر جفا کی
یہی اک رند باقی تھا افسوس — خدا بخشے حسن نے بھی قضا کی

بے حجابی

شرم ادھر ہے نہ کچھ لحاظ اُدھر — نشے میں بے حجاب ہیں دونوں
کام کے آدمی تھے قیس و حسن — عشق میں خود خراب ہیں دونوں

چُست محرم

یہ در پردہ ہے چُست محرم کی خواہش — کہ سانچے میں ڈھل جائے جوبن کسی کا
ارادہ ہے یہ خونِ ناحق کا اپنے — نہ چھوڑونگا تا حشر دامن کسی کا

دامِ زلف

تو دوست ہے کس طرح نہ لیں تیری بلائیں — ہم کو دیا کرتے ہیں دشمن کی بلائیں
اس دام سے چھٹنا کوئی آسان ہے ظالم — تو دل میں ہے دل زلف میں اور زلف بلائیں

چارۂ دفن

دمِ اخیر تو ظالم ذرا نگاہ ملے — کچھ اس غریب مسافر کو زادِ راہ ملے

یہ چاہ اُسکی ہے جس نے کنوئیں جھنکائے امیر — سمجھ کے چاہ ذقن گر پڑا نہ جی چھوٹے

ہونہار دل

کام آئیگا ضرور کسی دن حضور کے — پہلو میں اپنے رکھتے ہیں ہم ہونہار دل
خاک آرزوئے وصل کروں اب تک اے امیر — یہ بھی خبر نہیں کسے کرتا ہے پیار دل

تصویر سے باتیں

دن رات ذکر شعر و سخن بس یہ ہے کام امیر — باتیں ہی پسند ہیں گفتگو پسند
خاموش سُننی ہی ہے پہروں شب فراق — تصویر یار کو ہے میری گفتگو پسند

آبلوں میں پھوٹ

جنوں میں دیکھیے میدان کس کے ہاتھ رہتا ہے — پڑی ہے آبلوں میں پھوٹ اور ایکا ہے خاروں میں
جلانا داغ کا اچھا نہیں یہ دم غنیمت ہے — کہ ایسا باوفا ایک آدھ نکلیگا ہزاروں میں

مرنے والے میں

مرے جتنے تھے باغ دہر میں سب چُن لئے دل نے — نہ ایسا زخم ہے گل میں نہ ایسا داغ لالے میں
خبر سُن کر مرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے — خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

میری زبان

کرے دو حصے مجھ کو تیغ اُس کی — امیر ایسی میری قسمت کہاں ہے
رُکتی ہے دم ذبح کہیں عرض وفا پر — یہ آپ کا خنجر تو نہیں ہے یہ زباں ہے

توسن شوق

ارے اے جنون جہاں کُشا مجھے اسکی ٹاپ سے مت ڈرا — یہ جو تیرا توسن شوق ہے اسے اپنے در پہ ہی کر کمند
تیری آنکھ سے ہے مجھے خطر کہ اسطرف کبھی اب گزر — اے عشق کچھ تو خدا سے ڈر [illegible]

خواب پریشاں

اک پری رو نے ہماری یہ بنائی صورت — سینکڑوں بال ہیں سر میں کیا [illegible]
رات دن گیسوئے محبوب کا رہتا ہے خیال — خواب جب ہوں تو ہے میری ہی پریشانی کا

صندل کا پھاہا

دال چشم و ابرو ہمنشیں اور یاں جگر ہے دل کے پاس — قابل وہ قاتل کے قریں بسمل ہے یہ بسمل کے پاس

ٹھنڈک پڑی اس شوخ کے پہلو سے جب پہلو ملا — گویا کسی نے رکھ دیا صندل کا پھاہا دل کے پاس

میر

قاتل کے پاس

کیا بے مروت خلق ہے سب جمع ہیں بسمل کے پاس — تنہا میرا قاتل رہا کوئی نہیں قاتل کے پاس

کیونکر دکھاؤں حالِ دل اسکو بٹھا کر دل کے پاس — نخوت سے جو بائیں طرف بیٹھے نہ اس مائل کے پاس

غ

سیدھی راہ

جادۂ دل پہ قدم یار یہ ہے سیدھی راہ — در گزر کوئے حرم سے یہ ہے رستہ الٹا

باغباں میں شیدا کی یہی ہے تقدیر — شاخِ گل میں اُسے پر باندھ کے لٹکا الٹا

دو بلائیں

مری جاں خوب دل زلفوں میں پھانسا — بلا کو باندھ رکھا ہے بلا سے

جوانی میں غضب ڈھائیں نہ کیونکر — وہ جب ہی فتنہ تھے جب تھے ذرا سے

ن

شربتِ دیدار

اندھیر ہے کہ آنکھ میں سرمہ کی جا نہیں — اتنے حسین سمائے ہیں اپنی نگاہ میں

پردہ اٹھاؤ ورنہ محرم میں لو ثواب — رکھو سبیل شربتِ دیدار راہ میں

یہ آرزو ہے

وہ مزا دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب — مرے دونو پہلوؤں میں دلِ بے قرار ہوتا

جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی — وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا

ب

عرقِ خفت

نہیں سمجھا نہ آپ آئے کہیں سے — پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

میں اس برہم مزاجی کے تصدق — الجھتے ہیں وہ زلفِ عنبریں سے

جوان تمنا

موقوف آرزو ہے توانائی حیات — پیری شباب ہے جو تمنا جواں ہے

امیرِ من

کوچۂ یار پر ختن صدقے — سنگِ محبوب پر یمن صدقے

ایک سیدھی نگاہ پر تیری — لاکھ بانکوں کا بانکپن صدقے

یاد آتا ہے اُن کا یہ کہنا — تجھ پہ میں اے امیرِ من صدقے

تیری تصویر

جس حسیں نے تیری تصویر کو دیکھا لیکر — رہ گیا تھام کے ہاتھوں میں کلیجہ اپنا

مصالحہ

دیکھ کر تجھ کو مٹے جاتے ہیں دنیا کے حسیں — جمع ہوتا ہے مصالحہ تیری یکتائی کا

بُت کے بندے

دعا قبول نہیں ہم سے عشق بازوں کی — جو بندے بُت کے ہیں سُنتا نہیں خدا اُنکی

جواں رہے

خُو ہے مجھے نباہ کی ارشد دُعا ہے یہ — معشوق وہ ملے جو ہمیشہ جواں رہے

بے زباں ہو کر

زباں نہیں دیکھتے ہی آفت تقریر کو چپ ہیں — نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بے زباں ہو کر

وضعداریاں

دل نے ملا دیں خاک میں شُغلداریاں — جُوں جُوں گئے وہ ملنے سے ہم پیشتر ملے

آنکھ تر نہ ہو

اے ضبط دیکھ عشق کی اُن کو خبر نہ ہو — دل میں ہزار درد اُٹھے آنکھ تر نہ ہو

گدائی

کوچۂ قاتل تلک اے دل رسائی کیجیے — کاسۂ سر ہاتھ میں لے کر گدائی کیجیے

جذب

قائل ہوں تیرے جذب کا اے نقشِ من — وہ جانے کھنچے آتے ہیں دل تھام کے اپنا

راز دار

حالِ دل درد و داغ سے پوچھو　　یہ بڑے راز دار ہیں دل کے

کس دل سے

جواب اس بات کا اس شوخ کو کیا دے سکے کوئی　　جو دل لے کر کہے کمبخت تو کس دل سے لتا ہے

تمکنت

نازک مزاج تم ہو تو یاں بھی ہے تمکنت　　روٹھیں گے ہم تو تم سے منایا نہ جائیگا

عاشقوں کا دم ہے

تم کو ایسے چاہنے والے ملینگے پھر کہاں　　یہ دعا مانگو حسینوں عاشقوں کا دم رہے

دل لینے کی اہلیت

ابھی کم سن ہو کھو دوگے کہیں لے کر کے دل میرا　　تمہارے ہی لئے رکھا ہے لے لینا جواں ہو کر

اکبر

ارشد

آج ارشد کو عجب حال میں دیکھا ہم نے　　رو رہا تھا وہ کسی شخص کی دیوار کے پاس

چھیڑ کی عادت

بیتاب نہ کرا ے خلشِ خارِ محبت　　کمبخت تیری چھیڑ کی عادت نہیں جاتی

پروں کا کفن

کیا فیض سوزِ عشق سے مرقد لگن ہوا　　پروانوں کو نصیب پروں کا کفن ہوا

شربتِ دیدار نہیں

اے طبیب مجھے اُمیدِ شفا ہو کیونکر　　میرے نسخے میں کہیں شربتِ دیدار نہیں

کلیجہ پکڑ لیا

لڑنے کو اُن سے رات میں غصہ میں لڑ لیا　　پھر جب وہ اُٹھ چلے تو کلیجہ پکڑ لیا

ذائقہ

تمہیں بھی دردِ دل کا ذائقہ معلوم ہو جائے　　اگر دم بھر ہمارے دل کو اپنے دل میں رہنے دو

چشم کا مارا

جسطرف تو نے کیا ایک اشارہ نہ جیا　　نہ جیا آہ تیری چشم کا مارا نہ جیا

بہتر کا جواب

ہارے ہنقا دو دولت مجھسے بحث عشق میں　　تھا تو تہا پر دیا میں نے بہتر کا جواب

خلش

کسی کے لینے دینے میں نہیں کونے میں بیٹھے ہیں　　تمہارا غم ستا تا ہے اسے سمجھائیے صاحب

سمرن

اب رام جی کے نام کی جپتا ہوں میں سمرن　　دل جب سے گرفتار ہے اک رام جپنی کا

جنسِ دستگرداں

ساغرِ دل بیچنے آیا ہوں گھومت ہاتھ سے　　چوکتا ہے کیوں یہ جنس دست گرداں چھوڑ کر

دھونی

جی میں آتا ہے کہ اب بھیس بدل جوگی کا　　دھونی دے بیٹھئے جا زلف دُھوندار کے پاس

دل سی باتیں

نہ ہوش کھوتے اگر اُس پری کی باتوں پہ　　تو آپ ہی آپ یہ باتیں کیا نہ کرتے ہم

ٹیکا

آنکھوں میں دوں اُس آئینہ رُو کو جگہ دلے　　ٹیکا کرے ہے بسکہ یہ گھر ہم بہت ہی مال

چھیڑ

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد　　گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

میٹھی چُھری

دل دیکھے تم کو جان پر اپنی بُری بنی　　شیریں کلامی آپ کی میٹھی چھری بنی

سوزِ دروں

چھاتی جلا کرے ہے سوزِ دروں بلا ہے　　اک آگ لگ رہی ہے کیا جانئے کہ کیا ہے

نامۂ الفت

بعد مدت بھیجتا ہوں نامۂ الفت انہیں　　عفو تقصیرات کی اے کاش ہو عادت انہیں

کیا کرونگا

دل کے ہاتھوں ترکِ خودداری پہ آمادہ تو ہوں　　کیا کرونگا اب بھی گر مجھ سے ہوئی نفرت انہیں

تصویر کی قیمت

جان دیکر مول لیں ایسی اگر تصویر ہو　　میری گردن خم ہو اُن کے ہاتھ میں شمشیر ہو

رُخِ ایاز

اگر ہے حُسنِ حقیقت کی غزنوی کو تلاش　　تو دل کو وقفِ چراغِ رُخِ ایاز کرے

آبِ شیریں

چلو قبرِ فرہاد پر فاتحہ کو　　مگر آبِ شیریں سے لازم وضو ہے

زلفوں میں شانہ

جو بال اُس کے اُلجھتے ہیں تو دل اپنا اُلجھتا ہے　　یہاں ہے درد شانے میں وہاں زلفوں میں شانہ ہے

کسی کا پہلو

دل یار سے اور درد مرے دل سے کہے ہے　　جا بیٹھنا نہیں اب تو میں پہلو سے کسی کے

کُوچۂ پہلو

کوچۂ پہلو میں دل کو ڈھونڈھئے　　کیا ہوا اگر راہ کا کچھ پھیر ہے

ہزاروں رخنے

ہوتی کیونکر دلنشیں تیری نصیحت ناصح　　دل میں تھے رخنے ہزاروں اور سینہ چاک تھا

مقناطیس

دل بنا ہے سنگِ مقناطیس مجھ ناشاد کا　　تا نہ طرفِ غیر جائے تیر اس صیاد کا

محبّت

کیا بُری چیز ہے محبت بھی　　بات کرتے میں آنکھ بھر آئی

یکجا تصویر

ہے یقیں باہم گلے ملنے کو اٹھیں سب شوق
ہوا گر تصویر بھی یکجا ہماری آپ کی

خرمی

یہ مرض تھا عین صحت جو طبیب یار ہوتا
مجھے غم ہی خرمی تھا جو وہ غمگسار ہوتا

بار بار

نہیں ہے دعوئ الفت مگر میں کہتا ہوں
زباں پہ نام تیرا بار بار آتا ہے

ندامت

دیکھینگے قتل میں گر دست نازک اس ستمگر کے
ندامت ہوگی اے شوق شہادت پھر مجھے مر کے

لبیک

ٹھوکر لگا کے قم کہے گر غیرت مسیح
لبیک کہہ کے آؤں میں باہر مزار کے

آنکھ کا بگاڑ

بگاڑ اس آنکھ کا ہے جسقدر بے
یہی پہلے پہل ان سے لڑی ہے

رنگت

کہو ما کا ہے کو اسطرح سے تنکے چنتا
تیرے دیوانے کی کرتا جو نہ رنگت پیدا

مرے دل میں

پسنا ستم چرخ سے اف منہ سے نہ کرنا
یہ بات مرے دل میں ہے یا برگ حنا میں

رشک

کیا رشک ہے کہتا نہیں اس سے دم رخصت
اللہ نگہبان ہو خالق کے حوالے

کس کا نام لوں

چرایا کس نے کس کا نام لوں میں
میرے پہلو میں یا تھے آپ یا دل

نیرنگ عشق

ہر جگہ عشق دکھاتا ہے نیا رنگ اپنا
سر میں درد آنکھوں میں آنسو تمنا دل میں

سوزِ غم

لکھنے سے سوزِ غم نہ نقط خامہ جل گیا — تو مرغِ نامہ بر بھی مع نامہ جل گیا

الہ آبادی

دل کی یاد

گیا وہ دل بھی پہلو سے کہ جس کو — کبھی روتے تھے چھاتی سے لگا کر

کعبۂ دل

دل میں رہتے جو مرے اور ہی کچھ ہو جاتے — یہ وہ کعبہ ہے بت جس میں خدا ہوتے ہیں

دوراہا

کفر و دیں میں یہ خلش برہمن و شیخ سے بچ — اس دوراہے میں مسافر کو ہیں کھٹکے لاکھوں

"

شرابِ عشق

منہ تک بھری ہو شیشۂ دل میں شرابِ عشق — رنگت چھپائیں اسکی یا پوشیدہ بو کریں

"

رہِ وصال

اپنی خودی مٹائیں تو پائیں رہِ وصال — کھوئیں جو آپ کو وہ تیری جستجو کریں

"

بیہوشی

بن عشق سے وہ حسن سے بیہوش دونو تھے — جو کچھ ہوا معاف کوئی باخبر نہ تھا

اسکے سوا

جسکا عاشق ہوں سوا اسکے نہ دیکھوں غیر کو — باغ جنت میں بھی میں تنہا نہ جاؤں سیر کو

دلِ درد آشنا

جو ہوا آشنا درد سے دل وہی ہے — کسی کی محبت کے قابل وہی ہے

دل کہاں ہے

کس سوچ میں ہو نسیم بولو — آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

نسیم

تصورِ جاناں

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن — بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

لذتِ درد

ہرگز دوا نہ کیجیو اس درد کی نیاز　　سب راحتوں سے یہ بڑی مزیدار دیکھنا

مُسلمان کیا

کسی بُت نے مجھے حیران کیا　　کسی کافر نے مسلمان کیا

عِشقِ گیسو

عِشقِ گیسو نے یہ عقدہ کھولا　　سر پہ چڑھ کر میرے جادو بولا

جان کیوں دی

خدا جو پوچھیگا کیوں جان دی جوانی میں　　دکھا کے تجھ کو کہونگا اس جواں کیلئے

مشکل

واں رسمِ وفا مشکل یاں ترکِ وفا مشکل　　جو ہو نہ سکا مجھ سے اب اُن سے نہ ہوگا

آیا نہ جائیگا

آنے کو یوں تو آؤ گے آگے بھی آئے ہو　　میں جس طرح بلاؤں گا آیا نہ جائیگا

بے زبان

تم مجھ سے سیکھ لو روشِ گفتگوے شوخ　　پھر داستاں بنوگے ابھی بے زباں ہو

داغِ ہجراں

میرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا　　طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

دُعائیں

میری طرح جو غیر سے وہ آنکھ پھیر لے　　دُوں میں دعائیں گردشِ لیل و نہار کو

یہ کون ہے؟

لپٹا ہوا ہے کون جنازے سے طیش کے　　یہ کون کہہ رہا ہے خفا تم سے ہم نہیں

دل کی چاہ

تشبیہ کس مزے سے میں لذت کو کس کی دوں　　کچھ دل ہی جانتا ہے مزہ دل کی چاہ کا

تم ہو

مریض عشق کو آرام کیا ہو ان طبیبوں سے — کہ اسکا تو مرض تم ہو دوا تم ہو شفا تم ہو

شغل انکو کہاں

شغل گرد ڈھونڈتے ہو جی کے بہلنے کیلئے — دل ہیں آ بیٹھو کلیجہ میرا ملنے کے لئے

تاثیر عشق

کیا تعجب ہے جو حسن و عشق کی تاثیر سے — دوست کو آواز آئے دوست کی تصویر سے

سیدھی نظر

ناوک میں راستی ہو کجی ہو کمان میں — ٹیڑھی اگر بھویں ہوں تو سیدھی نظر رہے

دلنوازی کو

ہم آئے عشق بازی کو تم آئے دلنوازی کو — کوئی اس عالم اسباب میں کب بے سبب آیا

ہٹ

ہٹ اسکی رہ گئی یہ بڑی بات ہے مجھے — دل چیز کیا تھا ہاتھ سے اپنے گیا گیا

کدھر سے

لو بند کئے لیتے ہیں ہم دیدۂ مشتاق — اب دیکھیں تو آ جاتے ہو تم دل ہیں کدھر سے

سیاہ پوش

کس کے دل شکستہ کے ماتم میں اے کریم — ابتک سیاہ پوش ہے کعبہ خلیلؑ کا

نگاہ لڑانا

اچھی لڑائیاں ہیں یہ اچھا ملاپ ہے — ٹھیرا ہے صلح میں بھی لڑانا نگاہ کا

چوری کا ثبوت

کس طرح دل چرانے کا تم پر نہ گماں ہو — چوری کا ہے ثبوت چرانا نگاہ کا

شاباش!!

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی — میرے شیر شاباش رحمت خدا کی

صدقہ

صاحب ہماری جان بھی صدقے ہو دل تو کیا　　بندہ تو ان بتوں سے ہنا یا عجب ریکا

جگر باقی ہے

جب وہ دل لیکے چلے میں نے کہا آؤ گے پھر　　ہنس کے یوں کہنے لگے جان و جگر باقی ہے

تماشہ

قیامت میں دھرا کیا ہے قیامت کس کو کہتے ہیں　　تیرے کوچہ میں کیا ایسا تماشہ ہو نہیں سکتا

وار چل جائے

قضا ہٹ جا کہ جھنجلایا ہوا اس وقت قاتل ہے　　کہیں ایسا نہ ہو تجھ پر بھی کوئی وار چل جائے

لذت

کیسی صورت لب شیریں کی ہیں لذت چکھوں　　غیر پہ رکھکے دیئے جائیں وہ دشنام مجھے

جوہر تڑپ

آپ کا خنجر ہمارے قتل میں جوہر دکھائے　　پھر تڑپ کر ہم دکھائیں اپنے جوہر دیکھئے

خدائی خوار

کعبے میں بھی دیکھ لو ارشد کو بتخانہ میں بھی　　پوچھتے ہو کیا حقیقت اس خدائی خوار کی

قہر خدا

بتوں کی محبت ہی قہر خدا ہے　　نہ دل آئے یارب کسی پہ کسی کا

درد کی چاشنی

کبھی درد کی چاشنی کو نہ بھولے　　ہما کھائے میرے اگر استخواں کو

رشتۂ الفت

حد سے زیادہ رشتۂ الفت ہے مختصر　　ایسا نہ ہو کہ اس میں پڑے اب جدا گرہ

قسمت

بنایا پری تم کو دیوانہ ہمکو　　وہ طالع تمہارے یہ قسمت ہماری

اُٹھتے اُٹھتے

آگیا ضعف ہی کچھ کام کہ تربت میں اسیر — ہوگئی ختم قیامت مرے اُٹھتے اُٹھتے

غیر کی حسرت

تجھے میں وصل کی شب کس طرح سینے سے لپٹاؤں — کہ تو نکلی ہوئی حسرت ہے کافر غیر کے دل کی

بالے پن کی محبت

آساں نہیں ہے رشتۂ اُلفت کو توڑنا — مشکل ہے بالے پن کی محبت کو چھوڑنا

سچی محبت

اثر سچی محبت کا کبھی خالی نہیں جاتا — یہاں بے چین ہم ہونگے وہاں جی پر بنی ہوگی

شوخیٔ نگاہ

محفل میں گدگداتی ہے شوخی نگاہ کی — شیشے سے آرہی صدا قاہ قاہ کی

تیری تمنّا

دل تیرے صدقے کہ ایجاں میرا دلدار ہے تو — دل کے میں صدقے کہ ہے تیری تمنّا دل میں

کیا بھروسہ جان کا

تو ہے میری زندگی کیا زندگی کا اعتبار — تو ہماری جان ہے پر کیا بھروسہ جان کا

آغوشِ تصوّر

اُس کو آغوشِ تصوّر میں بٹھا کر شبِ غم — ایک باقی نہ رکھی ہم نے تمنّا دل میں

قیامِ یار

نظر میں دل میں جگر میں مقام کرینگے — جہاں وہ چاہینگے اپنا قیام کرینگے

اللہ ہی اللہ

کرے کعبے میں کیا جو سرِّ بتخانہ سے آگہ ہو — یہاں تو کوئی صورت بھی ہے واں اللہ اللہ ہے

اسیرِ چاہ

کیا بشر مانندِ یوسف کیا بشر ہاروت وار — عشق کے ہاتھوں سے ہو جاتا اسیرِ چاہ ہے

رنگیں پیکاں

ڈوب کر سینہ میں اس رنگ سے پیکاں نکلا
دل سے جب خون نکلا کہ وہ ارماں نکلا

تڑپنا

اے دل اگر تڑپنا تیرا یہی رہے گا
کاہے کو تو جئے گا کب تک کوئی سہے گا

دونو وقت

ہوا سے بال زلفوں کے جو رخسار و تک بیٹھے ہیں
دل ہمارا اٹھ بیٹھو کہ دونو وقت ملتے ہیں

دل لگی

گر کہے تو رات دن کو تو کہوں ہیں رات ہے
کفر کچھ اس میں نہیں یہ دل لگی کی بات ہے

نعشِ عاشق

یہ کس کی نعش جاتی ہے کہ جس کے ساتھ اے گردوں
غم و درد و الم فریاد فغاں مرثیہ خواں ہیں

عار

غیر کے پاس روز جاتے ہو
اپنے حسرت سے عار آتی ہے

لباسِ عاشقی

کیا حقیقت دل کی تھی پیدا نہ تھا نام و نشاں
ان نگاہوں نے لباسِ عاشقی پہنا دیا

چٹکی

تیری یہ چھیڑ چھاڑ میرے جی کو بھا گئی
لی چٹکی اس ادا سے کہ بس جان آ گئی

بسر کی

جب تک جئے مصیبت غم کی نہ سہے بسر کی
صدمے گزر گئے آخر ہم نے ہمہ یہ بسر کی

سرکو

یہی ہے آرزو دل کی نہ میرے پاس سے سرکو
اگر سرکو تو یوں سرکو کہ تم کردو میرے سر کو

نقشِ پا

ہمیں تنہا نہیں اس شوخ کے کوچے میں کتنے ہی
بنے ہیں نقشِ پا ہو خود پڑے ہیں جا بجا ہم سے

ہدایت

راہِ محبوب میں اس طرح مٹا کرتے ہیں | یہ ہدایت مجھے نقشِ کفِ پا کرتے ہیں

تمہارے سامنے

آنکھ سے اوجھل ہو تم تو زندگی اچھی نہیں | موت اچھی ہے جو دم نکلے تمہارے سامنے

تم ہو

لو یہ آئینہ اٹھا کر دیکھ لو | پوچھتے کیا ہو کہ دل میں کون ہے

بے نمک

بے نمک آگے ترے لب سے نمکداں ہو گیا | شور دریا تک ملامت کا تری پہنچا ہے شور

عشق

خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا | عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید

بہشت میں

ہم رہ کے کیا کرینگے اکیلے بہشت میں | تم بھی رہو جو پاس تو ہو لطف ورنہ یار

سرد پانی

دیتا نہیں وہ لذت پیاسے کو سرد پانی | عاشق کے دل کو ٹھنڈک جو تیری آگ میں ہے

گھر چل

خدا کے واسطے اتنے تو پاؤں مت پھیلا | قدم کو ہانتھ لگاتا ہوں اٹھ کہیں گھر چل

استقبال

نظر آنکھوں سے نکلی اور ارماں دل سے نکلے ہیں | الٰہی کون آتا ہے کہ استقبال کو جس کے

جانِ ناتواں

بڑی مشکل سے دم لیکے جانِ ناتواں نکلی | رکی کچھ دل میں کچھ سینے میں کچھ آنکھوں میں

مقامِ شکر

دل کو جانا تھا گیا جان سلامت آئی | اے حسن شکر کرو زندہ وہاں سے آئے

دوئی کا دخل

دوئی کا دخل نہیں بزمِ وصل میں منظور ۔۔۔ وگرنہ آپ میں آنا تو مجھ کو آتا ہے

آپ کی یاد

اور مجھ بیکس کی بالیں پر یہ آتا کون ہے ۔۔۔ جب ہوا غش سے افاقہ یاد آئی آپکی

لاجواب

آجتک لایا نہ نامے کا جواب ۔۔۔ نامہ بر ہم کو ملا کیا لاجواب

کیمیا

خاک کو تو نے منور کر دیا ۔۔۔ اے محبت کیمیا دیکھا تجھے

سُرخ جوڑا

سرِ مقتل کسی کی تیغِ عریاں آج کہتی ہے ۔۔۔ کہ جوڑا سرخ پہنونگی نہا کر خونِ بسمل میں

پائمال ہوا

ملا کے خاک میں کہتے ہیں مجھ کو تھا یہ کون ۔۔۔ جو رہگذر میں مبیرے آکے پائمال ہوا

جذبِ دل

جانے دے جاتے ہیں جو گھر اپنے وہ جذبِ دل ۔۔۔ تاثیر تجھ میں ہے تو پلٹ کر پھر آئینگے

خط کا جواب

سنو اے ہمدموں نے جو لیس وقتِ نزع ۔۔۔ اور ہم یہ دل میں سمجھے کہ خط کا جواب ہے

تمہارا دیا ہوا

کیا مانگتے ہو سینے میں کیا ہے دھرا ہوا ۔۔۔ اک داغ ہے سو وہ بھی تمہارا دیا ہوا

گھر بنا کر

مرے دل میں مری آنکھوں میں آکر ۔۔۔ رہو تم بے تکلف گھر بنا کر

تمہارا مال

تم سے عزیز کب دلِ آشفتہ حال ہے ۔۔۔ لیجاؤ ۔ لو اٹھاؤ تمہارا ہی مال ہے

ایک قطرہ

جگر کو دوں کہ دل کو دوں بتا اے ناوکِ قاتل　　کہ دو پیالوں میں ہے یہ ایک قطرہ آبِ پیکاں کا

لڑکے تھے

اشکوں نے نکل کر کیا اظہارِ محبت　　لڑکے تھے چھپایا نہ گیا رازِ محبت

انتظار

کچھ توقع کچھ یقیں کچھ یاس کچھ وہم و گماں　　انتظارِ یار کی ہے کیفیت تاخیر سے

تصوّر

رات بھر اُن کا تصور دل کو تڑپاتا رہا　　ایک نقشہ سامنے آتا رہا جاتا رہا

ہمیں چاہو

چاہت کا مزا بعد ہمارے نہ ملیگا　　ہر شخص سے تم آپ کہو گے ہمیں چاہو

خدا کے واسطے

تیرے کہنے سے اے داغ ہم چھوڑ دینگے عشق　　خدا کے واسطے دیتا ہے کیوں خدا کیلئے

جوشِ عشق

عشق کا جوش ہے جب تک کہ جوانی کے ہیں دن　　یہ مرض کرتا ہے شدت انہیں ایّام میں خاص

خالی جگہ

جہاں دل تھا وہاں اب کچھ نہیں ہے　　بنا لو گھر جگہ خالی پڑی ہے

بے انصاف

ہے وہی قہر وہی جبر وہی کبر و غرور　　بت خدا ہیں مگر انصاف نہ کرنیوالے

آنکھیں

یہ ستارے نہیں روشن ہیں ہزاروں ہجت　　دید کو اس کی فلک نے ہیں بنائی آنکھیں

خبر نہیں

بندے ہیں بُت کے پیرِ مغاں کے مرید ہم　　مذہب ہمارا عشق ہے اور کچھ خبر نہیں

مَیں اور تُو

کافر ہوں اس سے زیادہ گر کوئی آرزو ہو — اک بے خلل سی جا ہو وہاں میں ہوں اور تو ہو

کسی کا پردہ

نہ کھولی آنکھ وقتِ نزع بیمارِ محبت نے — کسی کا پردہ رکھنا تھا کوئی آنکھوں میں پنہاں تھا

ذرا خبر لینا

چمک کے ابر سے عالم پہ گر پڑی بجلی — یہ کس نے پردہ سے جھانکا ذرا خبر لینا

تیغِ قاتل

تیغِ قاتل ہے اسے بادِ بہار — جب چلی وہ غنچۂ دل کھل گیا

ہمارا ایمان

لب چومنے سے کیوں تو ہوتا ہے بُت ناخوش — تیرا تو مصحفِ رو ایمان ہے ہمارا

اُن کی باتیں

اُدھر پتھر سے سنگیں اُن کی باتیں — اِدھر شیشے سے نازک تر میرا دل

تیری تصویر

اے صنم اپنی جو قدرت میں خدائی ہوتی — مسجدوں میں تیری تصویر لگائی ہوتی

شرارت

چٹکیاں یوں جو کلیجے میں کوئی لیتا ہے — یہ انہیں شوخ نگاہوں کی شرارت ہوگی

دردِ جگر

ترے بیمارِ ہجراں کو اسی سے کچھ توقع ہے — یہی دردِ جگر کروٹ بدلوانے کو اٹھتا ہے

پردہ

جو پھرتے ہیں مری آنکھوں میں چھپتے ہیں وہی مجھ سے — جو رہتے ہیں مرے دل میں نہیں دیکھے مجھے پردے سے

گلدستہ

دلِ پُر داغ میرا رنگ و بُو سے عشق رکھتا ہے — یہ گلدستہ تمہاری محفلِ رنگیں کے قابل ہے

ترکِ عشق

کبر — سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشقِ بتاں ترک — اس بات سے تو خوش نہ ہوا ہوگا خدا بھی

چاشنیٔ الفت

انت — شیریں لبوں کے عشق میں ہے تلخ زندگی — الفت کی چاشنی کا امانت مزا ہے یہ

بُھلایا نہ جائیگا

دل میں جگر میں آنکھ میں تصویر جس کی ہو — ہر چند بھول دے وہ بھلایا نہ جائیگا

ٹھکانا دل کا

ناوکِ ناز سے مشکل ہے بچانا دل کا — درد اُٹھ اُٹھ کے بتاتا ہے ٹھکانا دل کا

کلمۂ توحید

بتوں کو دیکھ کر ہم کلمۂ توحید پڑھتے ہیں — خدا راضی ہے جس میں وہ ہماری بت پرستی ہے

مرنے کا وقت

نہ گھبرا نہ خنجرِ عشق دم سے — مرنے کا تو وقت آئیں اے دل یہی ہے

امیر کا دل

پردہ میں آئینے کے یہ دل ہے امیر کا — پہچان لے جو وہ تو کبھی روبرو نہ ہو

تیرا بیمار

ترے بیمار کا کام اب بڑی مشکل سے چلتا ہے — کہ درد اُٹھ کر بدلواتا ہے تب کروٹ بدلتا ہے

نونہال

سرو پر اتنا پھول مت قمری — ہم بھی اک نونہال رکھتے ہیں

نشانی

یاالٰہی بھرے نہ زخم جگر — میرے قاتل کی یہ نشانی ہے

تنہا

کوئی بھی ساتھ نہیں میرے کوئے قاتل میں — گئے ہیں چھوڑ کے تنہا مرے حواس مجھے

پیرو مُرشد

نجد میں گھبرا کے جا نکلے جو ہم — قیس بولا پیر و مرشد خیر ہے

چاہ میں

قالب میں دل ہے دل میں ہے وہ قدردانِ دل — یُوسف گرا ہے لے کے زلیخا کو چاہ میں

ہمارے دل میں

ایک تو تصویر اُن کی غیر کی محفل میں ہے — اک ہمارے پاس بھی ہے جو ہمارے دل میں ہے

اُلٹے پاؤں

آنکھ کی راہ سے آنے کو جو ہے تو دل میں — اُلٹے ہی پاؤں پھرے جاتے ہیں آنسو دل میں

شیریں موت

موت بھی شیریں ہے اس تکلیف سے — جس پہ دل آیا ہو وہ نفرت کرے

چوٹ

حسینوں دل میں لئے جب سوئے مس جاتا ہوں میں — روح پر وہ چوٹ لگتی ہے کہ پس جاتا ہوں میں

شرابِ سُرخ

یُوں نہ رُخ پوشیدہ کیجے مجھ کو جینے دیجئے — میری آنکھوں کو شرابِ سُرخ پینے دیجئے

روگ

اگر اٹھے تو آزردہ جو بیٹھے تو خفا بیٹھے — لگایا جی کو اپنے روگ جب سے جی لگا بیٹھے

تلوار نہ باندھے

میں خود ہی لئے آتا ہوں سر کاٹ کے اپنا — کہہ دو میرے قاتل سے کہ تلوار نہ باندھے

دقت پسندی

میری دقت پسندی نے عجب اعجاز دکھلایا — بہت مشکل تھا دہ نہ عشق و تعلیم انگریزی

ہمزاد بہزاد

کھینچ لیتا ہے تصور مو بمو تصویر یار — خوب قسمت سے ہمزاد ہے بہزاد کا

وصل و خوشی

چلنے پلانے کے دن

اب دل سے غمِ ہجر بھلانے کے دن آئے   پھر وصل کے ارمان بر آنے کے دن آئے
پھر یار کو پہلو میں بٹھانے کے دن آئے   صد شکر کہ پھر عیش منانے کے دن آئے
پھر ساقیٔ ہوش کو بلانے کے دن آئے

لو آؤ چلیں باغ میں پھر عیش منائیں   اب آتی ہیں تو یہ کوئی دم میں بلائیں
تم مانگا کیا کرتے تھے دن رات دعائیں   اے بادہ کشو جھوم کے اٹھیں وہ گھٹائیں
پھر قلقلیں کر کر کے پلانے کے دن آئے

کیوں آج نہیں ملتی نظر میری نظر سے   بگڑے ہوئے آئے ہو مری جان کدھر سے
اب بل کی نہ لینا یہ کہے دیتے ہیں تم سے   بچپن تھا گئے دن جو خفا ہنتے تھے ہم سے
اب نام خدا ہنسنے ہنسانے کے دن آئے

پھر ہونے لگی پہلی سی حالت میری واللہ   اب تم سے بھلا شیخ جی کس بات کا پردہ
بس ہو چکا مجھ رند سے آشام کا تقوہ   پھر فصلِ بہار آتی چلی ہاتھ سے توبہ
روٹھے ہوئے ساقی کو منانے کے دن آئے

پھر آیا ہے گلشن میں بصد نازہ وہ گل رو   بل کا کلیں کھائی ہوئیں سنورے ہوئے گیسو
گردش میں ہے جامِ مئے گلرنگ ہر اک سو   پھر مجمع احباب ہوا آ کے لبِ جو
پھر لطفِ شبِ ماہ اٹھانے کے دن آئے

تم ہنستے تھے بے چین جو فرقت میں ہمیشہ   لو حل گیا یہ رنج و الم سہنے کا ثمرہ
آئی ہے نسیمِ سحری لے کے یہ مژدہ   گلشن میں ہوا ہے گلِ امید شگفتہ
او بلبلو پھر دھوم مچانے کے دن آئے

پھر کرنے لگے مست وہ مخمور ادائیں   اب حالتِ بیتابیٔ دل کیسے چھپائیں

کس طرح سے وحشی بھلا اب ہوش میں آئیں — پھر آنے لگیں قلقلِ مینا کی صدائیں
پھر بزم میں یاروں کو بلانے کے دن آئے

الطافِ ذوالمنن

تب لطفِ زندگی ہے جب ابر ہو چمن ہو — پیشِ نظر ہو ساقی پہلو میں گلبدن ہو
لبریز بادہ شیشے۔ دورِ شرابِ گلگوں — معشوق نوجواں ہو جامِ مئے کہن ہو
مجمع مصاحبوں کا۔ یارانِ بے تکلف — جن سے کہ ربطِ باہم مانندِ روح و تن ہو
مذکورِ حسنِ لیلیٰ۔ تصویرِ نازِ شیریں — گہ داستانِ مجنوں گہ ذکرِ کوہکن ہو
بزمِ طرب میں سا جلسہ پری رخوں کا — آغوش میں وہ دلبر جو جانِ انجمن ہو
ہنگامِ وصلِ جاناں ایسا ہو ربطِ باہم — وہ سرحدِ من و تو الفت میں دور و دھیان ہو
صفدر یہ عیش مجھ کو ہر روز ہو میسر — کیونکر ادائے شکرِ الطافِ ذوالمنن ہو

خوشی

اے خوشی اے مایۂ عیش و نشاط — ہے تیری دلکش بہارِ انبساط
تیرا آنا بھی مسرت خیز ہے — ہر ادا تیری نشاط انگیز ہے
تو بہارِ بےخزاں ہے اے خوشی — یا گلِ باغِ جہاں ہے اے خوشی
تو ہے کوئی حور یا ہے مہ جبیں — یا مئے گلگوں کا جامِ آتشیں
کس قدر دلکش ترا انداز ہے — جو ادا تیری ہے اک اعجاز ہے
غنچۂ دل تیرے آنے سے کھلا — تو ہے بیشک غیرتِ موجِ صبا
تجھ سے حاصل ہوگئے عشرت کے مزے — [illegible]

بانکے جوان

جس طرح دل چاہتا ہے عیش کرتے ہیں مدام — مال و زر بانکے خزانوں میں بھرا ہے بیشمار
شاہدِ مستِ شباب و حسن ہیں آغوش میں — ساز کے ہمراہ صبح و شام گھنٹے میں ملار
دلکشا گلزار میں گانے ہوئے مدح کو بہ — جیتی ہے نفرت کہ بانکے جوانوں کی قطار

سحرِ محبت

کل وقفِ کار اپنے سے کہتا تھا وہ یہ بات
جرأت کے گھر رات کو مہمان گئے ہم
کیا جانے کمبخت نے مجھ پر کیا کیا سحر
جو بات نہ تھی ماننے کی مان گئے ہم

لذّتِ وصال

جسے نصیب نہ ہو لذتِ وصالِ صنم
بھلا وہ لذتِ عہدِ شباب کیا جانے

چشمِ نگہباں

چلا ہوں کوئے جاناں میں امیدِ وصلِ جاناں پر
الٰہی آج پردے ڈال دے چشمِ نگہباں پر

بسترِ پر

وہ جلد آوینگے یا دیر میں خدا جانے
میں گل بچھاؤں کہ کلیاں بچھاؤں بستر پر

تنہا

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

یاد کرینگے

ہنستے ہیں شبِ وصل میں اتنو پر اک دن
اس شب کو بہت روئینگے اور یاد کرینگے

مایوسی نگاہ

شرما کے اس نے مجھکو گلے سے لگا لیا
مایوسیٔ نگاہ عجب کام کر گئی

مرغِ سحر

ذبح کر ڈالونگا گر اب کے تو بولا شبِ وصل
میں نے سو بار تجھے مرغِ سحر چھوڑ دیا

دیر

جی چاہتا ہے چھیڑ کے ہوں اس سے ہمکلام
کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

عنایت

اشارہ کیا بیٹھنے کا مجھے
عنایت کی بس انتہا ہوگئی

نغمۂ خاموش

لے لیا تیرے تخیل نے مجھے آغوش میں
لا بٹھایا مجھ کو موجِ نغمۂ خاموش میں

باور نہیں

کیا فرض ہے کہ مان لیں زاہد کا ہم کہا آیت نہیں حدیث نہیں کچھ قراں نہیں
وہ اور وعدہ وصل کا اے نامہ بر مجھے باور نہیں، یقین نہیں، یہ گماں نہیں

پینا شراب کا

زاہد پیو شراب کسی ماہ رخ کیساتھ صحن چمن میں فرش بچھا ماہتاب کا
فصل بہار صحن چمن یار مے بکف کیوں زاہد و حرام ہے پینا شراب کا

فسانہ

موسم گل میں وہ چلنا باد عشرت خیز کا یاد ہیں وہ مستیاں وہ توڑنا پرہیز کا
ہم نے دیکھا ہے جنون شوریدگان شوق کا مت سنا واعظ فسانہ شورِ رستاخیز کا
پیرو تسلیم ہوں شیدائے انداز نسیم شوق ہے حسرت مجھے اشعار حسرت خیز کا
سینکڑوں کو کر دیا دل باختہ جاں باختہ ہائے عالم تیری رفتار قیامت خیز کا
وہ بگڑنا بھی کبھی مجھ سے تو ملنے کیلئے یاد ہے انداز تیرے جورِ لطف آمیز کا

توبہ، اور مئے انگور سے

ہوش میں رہئے ذرا ممبر پہ شیخ کچھ سنو گے کیا کسی مخمور سے
کیا کہا استغفراللہ زاہدا توبہ اور وہ بھی مئے انگور سے

بادۂ عیش

رندوں کو کہاں قرار بے مے ہونٹوں پہ ہے جانِ زار بے مے
ساقی لا نامۂ جنوں خیز ہے جوش بہار وحشت انگیز
شیشے کی پری کو ساقیا لا بھر بادۂ عیش سے پیالہ
آئے پیمانہ آئے مینا ناچے پیمانہ گائے مینا

بے تکی

یہ ذکر شراب اور مسجد میں وعظ تجھے بھی عجب بے تکی سوجھتی ہے
کرو مے کشی خوب کالی گھٹا ہے کہاں اس میں نیکی بدی سوجھتی ہے

چھلکتا جام

یہانتک کی ہے جس نے اجتناب بادہ آشامی　　لرز جاتا ہے دل چھلکا ہوا جب جام آتا ہے
جناب واعظِ عزلت گزیں سے عرض اتنی ہے　　فقط یہ دیکھ لیں محفل میں کیونکر جام آتا ہے

حقیقتِ شراب

دیکھ کر بزمِ مغاں میں شیشہ و ساغر دھرے　　کیوں نہ کوئی عاشق بنتِ عنب خوش خوش مرے
جب لبِ اعجاز سے خود جام منہ نفرت کرے　　چیست دانی بادۂ گلگوں مصفا جوہرے
حُسن را پروردگارِ عشق را پیغمبرے
کر رہے تھے میکدہ والے یہ باہم مشورے　　کل اگر رندوں کے آگے ہجو مے زاہد کرے
کوئی اس نادان سے یہ تو ذرا پوچھو ارے　　چیست دانی بادۂ گلگوں مصفا جوہرے
حُسن را پروردگارِ عشق را پیغمبرے

مالِ غنیمت

فراقِ یار میں دن ہو کہ شب تمام نہیں　　جو اُس کی صبح نہیں ہے تو اسکی شام نہیں
ملی ہے دخترِ رز لڑ جھگڑ کے قاضی سے　　جہاد کر کے جو عورت ملے حرام نہیں
جو میکشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو　　امیر جامع مسجد میں آج امام نہیں　　امیر

گلابی آنکھ

آنکھ اُس کی نشے میں جو گلابی ہو جائے　　صوفی اُسے دیکھے تو شرابی ہو جائے
دکھلائے جو وہ روئے کتابی اے ذوقؔ　　سب مدرسہ کافر کتابی ہو جائے　　ذوقؔ

بزمِ شراب

جو دل ہے حلقۂ بزمِ شراب سے باہر　　وہ ذرہ ہے عمل آفتاب سے باہر
جو بوسے دیکے حسیں پھیر لیں تو دونے ہوں　　یہ لین دین تو ہے ہر حساب سے باہر

گناہ

بری گناہ سے کیونکر جہاں میں ہو انسان　　یہاں تو تک کے فرشتے گناہ کرتے ہیں

جوشِ کرم

جوشِ کرم سے بڑھ گئی امیدِ مغفرت　　رحمت تیری نے مجھ کو گنہگار کر دیا

کچھ اور بڑھ گئے مرے عصیاں کے حوصلے　　تو نے غضب کیا کہ خطا پوش کر دیا

بیخودی

اے بیخودی سلوک کر اتنا کہ حشر تک　　میری خبر ہو دل کو نہ دل کی خبر مجھے

شباب میں

پیمانِ یار کی طرح ٹوٹے گی لاکھ بار　　توبہ کا اعتبار نہیں کچھ شباب میں

ہندوستان میں

ہم کچھ ملک نہیں کہ مریں حورِ خُلد پر　　اک بُت پہ جان دیتے ہیں ہندوستان کے ہیں

فتویٰ

فتویٰ دیا ہے مفتیٔ ابرِ بہار نے　　توبہ کا خون بادہ کشوں کو حلال ہے

مرشدِ کامل

منہ چھپائے ہوئے بتخانہ سے جاتے ہیں وہ شیخ　　میکشو یہ ہیں بڑے مرشدِ کامل

دُخترِ رز

شبِ وصلت حجابِ شوق کا جھگڑا نہ طے ہوتا　　نہ کرتی فیصلہ گر دخترِ رز درمیاں :

درِ میخانہ

منتظر ہے دخترِ رز بادہ کش بے چین ہیں　　شیخ جی چلئے درِ میخانہ کب سے باز ہے

انگور

شیخ صاحب گر مئے انگور پینا ہے حرام　　کس نے جائز کر دیا کھانا تمہیں انگور کا

اللہ والے

چھپائے منہ جناب شیخ نکلے بزمِ رنداں سے　　انہیں کی دھوم تھی پہلے بڑے اللہ والے ہیں

انکار

جو تمہیں نفرت ہے بہت بادہ کشی سے برسات میں ہم دیکھینگے انکار تمہارا

جدائی

مینہ برستا ہے گھٹا چھائی ہے چلتی ہے ہوا ہائے کیا اندھیر ہے تم ہو جدا برسات میں

جلدی کیا ہے؟

واعظا توبہ کی جلدی کیا ہے؟ یہ بھی کر لینگے جو فرصت ہوگی

سلامتیٔ مے

میں وہ میکش ہوں کہ اللہ سے کہتا ہوں یہی مے سلامت رہے ایمان رہے یا نہ رہے

غم غلط

فکر کونین کی رہتی نہیں میخواروں میں غم غلط ہو گیا جب بیٹھ گئے یاروں میں

زنّار

تعلق کفر و دیں کیسا غلط کہتا ہے تو واعظ وہ ہیں زنار جو تسبیح کے دانوں میں رہتے ہیں

ساغر

پس از مردن بنائے جائینگے ساغر مری گل کے لب جاں بخش سے بوسے ملینگے خاک میں مل کے

بھید

چلا تھا کعبہ کی سمت کو میں تو میکدہ میں ہوا گذارا کھلا یہ اس وقت راز مجھ پر کہ بت بھی ہیں بیت خدا میں

رحمت

قبلہ سے اٹھ کے چھائی ہے مینہ کی گھٹا رحمت ہے میکشوں پہ پروردگار کی

جھلکی

پھرا کرتا ہے یہ کیوں میکدے کے گرد راتوں کو کہیں زاہد نے جھلکی دخت رز کی دیکھ لی ہوگی

حرص شراب

حرص شراب نے ہمیں بدنام کر دیا چٹ کر کے اس کو بلانوش ہو گئے

رہ گیا چھلکا

پیر جی عشق میں گھلے ایسے　　اُڑ گیا گوشت رہ گیا چھلکا

دختِ رز

سکھایا دخت رز کو منہ چھپانا　　کوئی کیا روئے جانِ شیشہ گر کو

مئے کی توبہ ستم گرنے غضب ہے کس وقت　　جبکہ تیار مری خاک سے پیمانہ

میکشی

ہوں وہ میکش مفلسی میں بھی نہ چھوٹی میکشی　　رہن دو پیالوں میں ہم نے حوض کوثر رکھ دیا

ہوش کی لے

ہم نے اللہ کے کہنے سے تو چھوڑی نہ شراب　　محتسب ہوش کی لے تیری حقیقت کیا ہے

انگڑائیاں

لے رہے ہیں شیخ جی انگڑائیاں　　ساقیا لا جام مے اُن کے لئے

تقویٰ

شیشہ بغل سے بر سرِ بازار گر پڑا　　زاہد کا آج کھل گیا تقویٰ جہان پر

توبہ بچاری

کچھ میکدے کی راہ میں پایا ہے شیخ نے　　توبہ بچاری ٹوٹ کے دیکھو گری نہ ہو

سیدھی راہ

حج کو چلنا ہے تو بس یونہی نکل چل زاہد　　راہ سیدھی ہے بہت کعبہ کو میخانے کی

فریادی

ہاتھ سے مستوں کے میخانہ میں جو پہنچی شکست　　توبہ فریادی درِ قاضی پہ ہے آئی ہوئی

اُچھالا

مستی میں ترنگ آ گئی جب مست کو تیرے　　زاہد کا عمامہ سرِ بازار اُچھالا

مغیلاں کی چھال

گر مئے مے سے زباں پر آبلے پڑتے نہیں ۔۔۔ اے مُغاں اس میں مغیلاں بھی پڑی چھال ہے

پی گیا

ہجو مے کر رہا تھا ممبر پر ۔۔۔ ہم جو پہنچے تو پی گیا زاہد

مُہر

وہ چاٹ دوں کرے نہ مذمت شراب کی ۔۔۔ واعظ کے منہ پہ مہر لگا دوں کباب کی

گرُ

یوں تو سلجھے گا نہ اُلجھا ہوا بوسوں کا حساب ۔۔۔ سہل سا گرُ میں بتا دوں تجھے تو گن ہی نہیں

سلام

شیخ صاحب اُٹھا کے دیکھو آنکھ ۔۔۔ دخترِ رز سلام کرتی ہے

صلوات

واعظ اب چھیڑ کے رندوں سے سُنا کرتے ہیں ۔۔۔ کچھ مزا ملنے لگا ہے اُنہیں صلواتوں کا

لہُو

محتسب پوچھ نہ تو شیشے میں کیا رکھا ہے ۔۔۔ پارسائی کا لہو اس میں بھرا رکھا ہے

تلوار

انگور میں تو کیا تھی دو چار بوند باقی ۔۔۔ پر جب سے کھنچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

سیرِ دَیر

کل جو ہم نے مُغبچہ کے ساتھ سیرِ دَیر کی ۔۔۔ لڑکھڑایا تھا ہی پہ لیکن خدا نے خیر کی

پھیر لو

بوسہ دیا تھا جی میں جو آوے تو پھیر لو ۔۔۔ اتنے خفا ہو کس لئے ہم خاکسار پہ

نرگسی آبخورا

یہ پیاس اپنی بجھے برف نہ شورے سے ۔۔۔ بجھے تو نرگسی ساقی کے آبخورے سے

پاسباں

لیچلو واعظ کو ہاتھوں ہاتھ اُٹھا کر میکشو پاسباں چل کر بنا دو خانۂ خمار کا

وظیفہ

کیا جانے کس کے دم سے ہے آباد میکدہ ساقی وظیفہ بند نہ کر بادہ خوار کا

حرمت

دخترِ رز کی خدا اس دور میں حرمت رکھے محتسب اور شیخ دونو لگ رہے ہیں تاک میں

درود

گناہ تھوڑا ہے زاہد ثواب افزوں ہے درود پڑھتا ہوں سو سو میں ایک ساغر پر

ڈر

بادل گرجے بجلی چمکی پینے کے ڈر سے بھاگی توبہ

مزہ

شیخ مے کو بُرا بتاتے ہو اسکا تم کو مزا چکھائینگے

سوار

ملینگے زاہدِ خشک کیونکر بادہ خوار و نمیں کبھی گنتی نہ ہوگی ان پیادونکی سواروں میں

شرم

کیوں بلایا بھیڑ میں کیا مجھ سے نادانی ہوئی دخترِ رز بزم میں آ شرم سے پانی ہوئی

حساب

مجھے اس وقت بوسے تم خوشی سے نے تو لینے دو کبھی فرصت میں کر لینا حساب آہستہ آہستہ

مزے

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوبوں کے بہتر اس شغل سے حجام ہنر کیا ہوگا

پُرانا رند

درِ مسجد پہ مجھ کو ہچکیاں آنے لگیں ناصح پرانے رند کو میخوار شاید یاد کرتے ہیں

کیا ہنر کریں

حجّام

خط آنے سے بھی اپنی رسائی نہیں ہے واں — حجام کس طرح سے لبیں کیا ہنر کریں

اوزار

اس شوخ کے کوچے میں نہ جایا کرو حجام — چھن جائینگے اک روز یہ اوزار تمہارے

حجامت

کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر — آج اس کوچے میں انکی بھی حجامت ہوگئی

ٹکڑے

محتسب چن لینے دے اک اک مجھے — دل کے ٹکڑے ہیں یہ ٹکڑے جام کے

ٹھونگ گیا

چڑی جو شیخ کو افیوں تو دانۂ تسبیح — سمجھ الائچی دانہ تمام ٹھونگ گیا

کاش

آنے جانے کی یہاں آڑ تو اچھی ہوتی — کاش مسجد ملی ہوتی کوئی میخانے سے

ہلکا خضاب

ساقی سفید ریش پہ ہلکا سا ہو خضاب — زاہد کے منہ پہ پھینک دو ساغر شراب کے

رخنہ

یوں کیسے رخنہ ڈالیے انکے حجاب میں — اچھے برے کا حال کھلے کیا نقاب میں

ربط مئے چاہئے

ربط مئے چاہئے اے شیخ کہ جنت میں شراب — دفعتہً تم جو پیو گے تو مسیر اُچھو ہوگا

دختر رز قاضی کے گھر

پڑی دختر رز جو قاضی کے گھر میں — یہ رندوں سے کیوں پارسا بن رہی ہے

پی تو دیکھ

زاہد شراب ناب سے اس درجہ اجتناب — کمبخت پی تو دیکھ یہ کچھ بد مزا نہیں

اِدھر تو آ

زاہد تجھے قسم ہے خدا کی اِدھر تو آ   کیا نور سا جھلکتا ہے شیشے کے جام میں

کیسا غضب آتا

بوسہ کی طلب پر تو قیامت ہوئی برپا   کیسا غضب آتا جو کوئی ہوتی خطا اور

مے کی حرمت

یہ وہ شے ہے کلام اللہ میں آیا ہے ذکر اس کا   بھلا کیا آپ جانیں شیخ صاحب مے کی حرمت کو

مقدر

اک محتسب سے میکدہ کیونکر خراب ہو   ہے لاکھ میکشوں کا مقدر لڑا ہوا

پیمانہ

ساقی کی چشم مست کا دیوانہ ہو گیا   کل تک تو دل تھا آج سے پیمانہ ہو گیا

ہرچہ بادا باد

سرِ شوریدہ پائے خُم پہ خُم خانہ میں بستر ہو   پھر آگے ہرچہ بادا باد پرسش ہو کہ محشر ہو

درِ توبہ باز ہے

ہم وہ شراب خوار ہیں خمیازہ کش جو ہوں   آنے لگے صدا کہ درِ توبہ باز ہے

نوید

ساقی کو دو نوید بہار آئی باغ میں   سودائے پھر خلل سا کیا ہے دماغ میں

زخمِ کہن تازہ

بڑھ گیا سوزِ جگر خواہش مے میں ساقی   ہو گئے زخمِ کہن تازہ جو انگور چلے

پیرِ مُغاں کا زمانہ

آئی بہار پیرِ مغاں کا زمانہ ہے   جام و سبو نئے ہیں نیا کارخانہ ہے

کس جگہ رہینگے

رہینگے کس جگہ میکش زمیں جنت میں تھوڑی ہے   لبِ کوثر بنایا ہے کوئی یا رب مکاں تو نے

چشمک

برق چشمک زن ہے ساقی ابر ہے آیا ہوا　　جام مے لا تو کہ دل جاتا ہے مچلایا ہوا

مکر چاندنی

ریش سفید شیخ کی ظلمت فریب ہے　　اس مکر چاندنی پہ نہ کرنا گمانِ صبح

ریش سفید شیخ پہ کرنا نہ اعتبار　　اس مکر چاندنی میں تہِ ظلمت فریب کی

شیخی

تھے دو گھڑی سے شیخ جی شیخی بگھارتے　　وہ ساری شیخی انکی جھڑی دو گھڑی کے بعد

کافر

اے ذوقؔ دیکھ دخترِ رز کو نہ منہ لگا　　چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

خدا کا ڈر

حضرتِ واعظ نے جو چاہا کیا　　پر نہ بولے کچھ خدا کے ڈر سے ہم

پی گئے

زاہد کی آنکھ دخترِ رز پر جو جا پڑی　　جھٹ پی گئے وہ معنیٔ لفظِ حرام کو

ذکرِ رحمت

واعظوں سے سنکے تیرا ذکرِ رحمت اے کریم　　میکشوں کو آتشِ دوزخ کا ڈر جاتا رہا

پارسا کے ساتھ

رندوں نے دخترِ رز کو چھپایا ہے اس لئے　　ڈر ہے نکل نہ جائے کسی پارسا کے ساتھ

گناہ کی حسرت

باقی ہے دل میں شیخ کے حسرت گناہ کی　　کالا کریگا منہ بھی جو داڑھی سیاہ کی

توبہ

ہم مست ہی کبھی پیتے ہیں تو کانپتے ہوئے　　توبہ پڑی ہوئی ہے ہمارے گناہ میں

کھنچ جائے

ڈرتا ہوں جذبِ شیخ کا سُن سُن کے غلغلہ کھنچ جائے دختِ رز دکہیں خانقاہ میں

دُرد کش

میں ہوں وہ دُرد کشِ بادۂ حرماں ساقی کہ میرے زخم کی قسمت میں بھی انگور نہیں

پلا بھی دے

دیر کر رکھی ہے کیا ساقی پلا بھی دے شراب کیسی ہے چھائی ہوئی اُودی گھٹا برسات کی

پیالہ

اب کے بہار آئے تو مانند شاخِ گُل رکھئے نہ ہاتھ سے جو پیالہ اُٹھایئے

مصلیٰ اٹھایئے

فصلِ بہار آئی پیو صوفیو شراب بس ہو چکی نماز مصلیٰ اُٹھایئے

زندگی کا مزا

غم غلط دو نوجواں کا ایک پیمانہ میں ہے زندگی کا گر مزا پوچھو تو میخانہ میں ہے

بے وضو

پیتا نہیں شراب کبھی بے وضو کئے غالب ہیں میرے شیخ کسی پارسا کی ہے

مچھلی

ساقی لگائے رکھے میرے منہ سے خمِ شراب دریائے مے کی مچھلی ہے میری زباں نہیں

پی

بیتاب پی خدا نے تجھے بھی دیے ہیں ہاتھ یہ خم ہے یہ سبو ہے یہ شیشہ یہ جام ہے

گلاس

وفورِ سوزِ نہاں سے بہت ہے پیاس مجھے خدا کے واسطے ساقی کوئی گلاس مجھے

فسانہ

بہار آئی ہے ساقی غم رہے باقی نہ اب کل کا کہانی کوئی ساغر کی فسانہ کوئی بوتل کا

خطا ہوئی

اب کیا عوض میں بوسے کے لوگے کسی کی جان		بندہ نواز کہہ تو چکا میں خطا ہوئی

پارسا دیکھ کر

جو مئے پہ دلا ناہماری نیاز		تو دینا کوئی پارسا دیکھ کر

چشم فتنہ گر

ساقی آ میکدے کا در کھول		خم صورت چشم فتنہ گر کھول

پاسباں

واعظوں کی یہ توقیر ہے اللہ اللہ		پاسبانِ درِ خمار بنے بیٹھے ہیں

رندانِ خراباتی

راتوں کو نہ ہو حق کر اے شیخ مناجاتی		چونک اٹھینگے سوئے ہوئے رندانِ خراباتی

توبہ کا قُل

محفل میں شورِ قلقلِ مینا و مُل ہوا		لا ساقیا شراب کہ توبہ کا قُل ہوا

نہ نکالے

پیرِ مغاں ہے تاک میں جو محتسب شہر		پردے سے قدم دُخترِ رزاب نہ نکالے

صدا

پیاسے ہیں بہت خیر ساقی تیرے دم کی		للہ پلادے ہمیں دو چار پیالے

مزا

شیشہ ہے بغل میں جام شراب لب پر		ساقی یہی مزا ہے دو دن کی زندگی کا

شراب طہور

کرتا ہے منع ہم کو تو واعظ شراب سے		دیتا ہے آپ جان شراب طہور پر

فاتحہ

وہ چیز تھی شراب کہ اس پر جہان میں		سب فاتحہ دلاتے جو ہوتی روا کبھی

رُعبِ معشوق

تکرار، چھیڑ چھاڑ

تکرار

تم جو کہتے ہو بہت تو نے مجھے رسوا کیا   کیا گناہ کیا جرم کیا تقصیر میں نے کیا کیا
کیا کہا کس سے کہا کس نے سنا کب کس گھڑی   کس جگہ کس وقت کس دم آپ کا چرچا کیا
واسطہ باعث سبب موجب جہت کچھ بات بھی   راز وہ کمبخت کیا تھا میں نے جو افشا کیا

رُعب

کہتے ہیں یہ بت ستا ستا کر   جا اپنے خدا سے التجا کر
دل ہی میں ہو گا دیکھ زاہد   کعبے میں خدا ! خدا خدا کر

چھیڑ چھاڑ

ایک دن یار سے یہ میں نے کہا   اب تو ہم طاقت و تواں سے گئے
ہنس کے کہنے لگا کہ اے آصف   یہی کہہ کہہ کے لاکھ جاں سے گئے

رُعب

تیغ نگاہ کا وار ہے کچھ دل لگی نہیں   کہہ دو کوئی جمیل سے سینہ سپر نہ ہو

تجھی پر کچھ اے بت نہیں منحصر   جسے ہم نے پوجا خدا ہو گیا

برابری کا تیرے گل نے جب خیال کیا   صبا نے مار تھپیڑا منہ اس کا لال کیا

رعب

دعویٰ کیا جو گُل نے کل اپنی رنگ و بو کا ‏ ماری صبا نے دھولیں شبنم نے منہ پہ تھوکا

نیشکر نے جو کیا تھا تیرے لب پہ دعویٰ ‏ اس لئے اس کی کنا کرتی ہے پوری پوری

آتا ہے ہر سحر اُٹھ تیری برابری کو ‏ کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

ثروت ‏ ابھی دل سامنے اُن کے نہ لیجانا کہیں ثروت ‏ ابھی اُلجھی ہے زلف آئینہ سے بیزار بیٹھے ہیں

رعبِ معشوق

آشفتہ ‏ آزردہ ہونٹ تک نہ ہلیں اس کے رُوبرو ‏ مانا کہ آپ سا کوئی جادو بیاں نہیں

چھیڑ چھاڑ

دو روز کرلے اور بھی تو خود فروشیاں ‏ ہے کاروانِ حسن کا اے نوجوان کوچ

چپ بیٹھا ہوں تو کہتے ہیں الفت نہیں مجھ کو ‏ کرتا ہوں خوشامد تو یہ کہتے ہیں کہ جا بھی

بادرد داغ

میرا احوال جو یاروں نے کہا جا اُن سے ‏ ہنس کے فرمایا کہ ہوگا مجھے منظور نہیں

سودا

ابھی جس طرح چاہو تم دکھا لو دیکھ لو دل کو ‏ نکالو گے جو پھر کوئی پھیڑا ہم نہ دینگے

نیت

اس گھڑی تم جاؤ کوئی بات ہے ‏ مینہ برستا ہے اندھیری رات ہے

عتاب

ہو تا چلا ہے رنگ گلابی نقاب کا ‏ چھپتا ہے کب چھپائے سے چہرہ عتاب کا

رُعب

قیس کو جلوۂ لیلیٰ کا مزہ مل جاتا ‫ ‫ پردہ محمل کا ہوا سے جو ذرا ہل جاتا

شوخی۔ بےوفائی
عہد شکنی

آنکھیں

اے شوخ یہ دکھنے جو تیری آگئی آنکھیں ‫ ‫ کیا دل کے دکھانے کا مزہ پاگئی آنکھیں
دیکھا دم کشتن رُخ قاتل کا نظارا ‫ ‫ کیا آج میرے وقت پہ کام آگئی آنکھیں
ہاں تم میری الفت سے مکر جاؤ مکر جاؤ ‫ ‫ کیا ہوگا اگر شرم سے شرما گئی آنکھیں
کیوں باغ میں نرگس کے تلے مر گئے ارشد ‫ ‫ معلوم نہیں کس کی پسند آگئی آنکھیں

فولاد کے ٹکڑے

تیرے چلتے ہوئے فقرے ہیں یا فولاد کے ٹکڑے ‫ ‫ انہیں ٹکڑوں سے ہوتے ہیں دل ناشاد کے ٹکڑے
وہی نکلے ہیں اب آنکھوں کے رستے خون ہو ہو کر ‫ ‫ جو دل میں رہ گئے تھے ٹوٹ کر فریاد کے ٹکڑے
شب تاریک میں جگنو نہیں آنکھوں کے شعلے ہیں ‫ ‫ ہوا میں اُڑتے پھرتے ہیں میری فریاد کے ٹکڑے
طفیل طفل اشک آفاق میں ہونا پڑا رسوا ‫ ‫ کئے پہلے نہ ایسی ناخلف اولاد کے ٹکڑے
انہیں پر داستانیں بن گئیں فرہاد و مجنوں کی ‫ ‫ بڑی دور اے وفا پہنچے میری روداد کے ٹکڑے

چھیڑ چھاڑ

ناز کیوں کرتے ہو اے جاں تم سے دلبر سینکڑوں ‫ ‫ حسن میں بہتر حسیں بہتر سے بہتر سینکڑوں
آپ کہتے ہیں کہ اور عاشق کی کریں گے تلاش ‫ ‫ ڈھونڈھ لینگے ہم بھی جاناں تم سے دلبر سینکڑوں

شوخی

ابھی دلربائی کو کیا جانتا ہے | ستم کو وہ بہ خو ادا جانتا ہے
ہے جلاد کی سادگی میں بھی شوخی | مرے خوں کو رنگ حنا جانتا ہے

نکلی نہ کسی بات میں ہاں تیرے دہن سے | ہے یاد یہ کافر تجھے اک لفظ نہیں کا
آتے ہیں غم و درد و تعب میرے دل میں | ڈرتے ہیں مکاں پر کسی عمدہ مکیں کا
نازاں ہو جرس ہرزہ درائی پہ تو اپنے | دنگ ہو جو سنے نالہ تو دل ہائے حزیں کا

وصل ہو جائے یہیں حشر میں کیا رکھا ہے | آج کی بات کو کیوں کل پہ اٹھا رکھا ہے
کہتے ہیں آئے جوانی تو یہ چوری نکلے | میرے جوبن کو لڑکپن نے چرا رکھا ہے
کہتے ہیں میری بلا جانے تیرا دل ہے کہاں | چور میں کیا میرے دشمن جو چرا رکھا ہے
آدمی زاد ہیں دنیا کے حسیں لیکن امیر | یار لوگوں نے پریزاد بنا رکھا ہے — امیر

گر کوئی بلاتا ہے تو کہتے ہیں یہ ضد سے | آزاد کو محفل میں نہ بلواؤ تو آؤں
کیا گھر میں تیرے آ در و دیوار کو دیکھوں | تم اپنی جو صورت مجھے دکھلاؤ تو آؤں — آزاد

شوخی و بے وفائی

ہجر کی یہ رات کیسی رات ہے | ایک میں ہوں اور خدا کی ذات ہے
آپ کی ہر بات میں اک بات ہے | چال ہے نقرہ ہے دم ہے گھات ہے
پھر خدا جانے کہاں تم ہم کہاں | عیش و عشرت کی یہی اک رات ہے
شکوہ کے بدلے کیا شکر ستم | پھر خفا ہیں کیا غضب کی بات ہے
جب کہا میں نے کہ لو مرتا ہوں میں | بولے بسم اللہ اچھی بات ہے
کیوں پھسل پڑتے ہیں ملک حسن پر | کیا وہاں برسات ہی برسات ہے
داغ سے جا کر ملے تھے ہم بھی آج | آدمی خوش خلق خوش اوقات ہے — داغ

عہد شکنی

تصور میں بھی جانے سے مرے ظالم کو نفرت ہے — گر میں معنیٔ لفظِ وفا ہوں ذہنِ جاناں میں
ذرا سی بات میں یہ ٹوٹ کر سو ٹکڑے ہوتا ہے — میرے دل کی نزاکت آگئی ہے تیرے پیماں میں
یہی گر تیرہ بختی ہے تو اپنے کام آؤں گا — سما جاؤں گا بن کر خواب میں چشمِ نگہباں میں
ہوئے ہو سوکھ کر کانٹا غمِ الفت میں اے ارشد — چلو حضرت لپٹ رہنا کسی پہر وشکے داماں میں

فتنہ

جھکڑ کے تیری گردشِ رفتارِ ناز سے — جو فتنہ تھک کے بیٹھ گیا نقشِ پا ہوا
ظالم نے ظلم میں بھی جو اندازہ کرنا تھا — خنجر بھی اس نے ہاتھ میں رکھا تلا ہوا

شرم

آگئی شرم میرے شکووں کو — جب کہ نیچی تیری نظر نہ ہوئی

پہچان لو

میرے آگے ہزاروں دل وہ رکھ کے مجھ سے کہتے ہیں — یہ لو پہچان لو ان میں تمہارا کونسا دل ہے

نیا نخرہ

پڑا ہوگا کسی کونے میں جا پہچان کر لے لے — میرا دل دے، مرا دل دے، نیا نخرہ نکالا ہے

مچل گیا

جوں توں امید کو لائے تھے اس کی گلی سے ہم — خانہ خراب راہ میں آکر مچل گیا

تقدیر

تھا کس طرح ملی باغِ جہاں میں تقدیر — جس سے لپٹوں وہ چھڑا لیتا ہے دامن اپنا

نادان

اے دل جفا شعار ہے وہ اتنا تو پہچان رکھ — نادان چار باتوں میں اس کی بہل گیا

خواب میں

ملنے کا وعدہ منہ سے تو ان کے نکل گیا — پوچھی جگہ جو میں نے کہا ہنس کے خواب میں

مر بھی

میں نے کہا مر جاؤنگا فرقت میں تمہاری　　جھنجھلا کے وہ بولے کہیں جھگڑا چکے مر بھی

گوشۂ عزلت

ثاقب　ثاقب بس اب تو گوشۂ عزلت میں بیٹھ رہ　　مطلب کا اس زمانہ میں یارا نہ رہ گیا

بے اتفاقی

جن کے باعث سب کی نظروں سے گرے　　ان کے کچھ بھی ہم نہ آئے دھیان میں

دل کو پکڑے ہوئے ہم سامنے آئے سو بار　　تم نے اتنا نہ کہا حال تمہارا کیا ہے

خدا کا نام

جس کو کہتا ہے جہاں آگے خدا کا نام ہے　　اے صنم وہ تیرے وعدہ کی وفا کا نام ہے

پسند

کہتے ہیں مجھ سے صرف یہ بیچو تو مول لیں　　دل ہے پسند دل کی نہیں آرزو پسند

کس کی دوا

دشمن کو عطا بوسۂ لب ہو میرے ہوتے　　ہونٹوں پہ تو دم کس کے ہو اور کس کی دوا ہو

اچھا جواب

مانگنے بوسہ تو کہتے ہیں وہ دیکر دشنام　　کیوں جواب اسکا ہے اچھا، سوال اچھے

پتھر نہیں

کب تلک یہ ستم ہم سے سہے جائینگے صاحب　　ہوتا ہے جگر سینے میں پتھر نہیں ہوتا

محبت نہ کرتے

کوئی ان تنگ دہانوں سے محبت نہ کرے　　اور جو یہ تنگ کریں منہ سے شکایت نہ کرے

نیمچہ

چشم غضب ہے نیم نگاہ میرے واسطے　　اک نیمچہ ہے گویا زہر میں بجھا ہوا

ضد

پوچھنے بیٹھے ہیں تصویروں سے حالِ عاشقاں
آج ضد ہے مجھ سے باتیں کیجیے پہچان کے

نٹ کھٹ

یہ نٹ کھٹ ہے کیسا ہی دے تم کو دم
نہ رکھنا تم اُس کے قدم پر قدم

نخلِ وفا

پھل کچھ اے نخلِ وفا تجھ میں نہیں
جو لگائیگا تجھے پچھتائے گا

بیگانہ

ہے زمانہ وفا سے بیگانہ
ہاں قسم ہم کو آشنائی کی

پیار کیا ہوتا ہے؟

کیسی وفا کہاں کی محبت کدھر کی مہر
واقف ہی تو نہیں ہے کہ ہوتا ہے پیار کیا

ہو چکی

ایک بندے کی بھی جاں بخشی نہ کی
اے بتو تم سے خدائی ہو چکی

اقرار پر ناامیدی

وعدہ کرتے ہی تبسم آگیا
ناامیدی چھا گئی اقرار پر

آپکی بولی

جس کو سب اہلِ جہاں مہر و وفا کہتے ہیں
آپ کی بولی میں کہئے اسے کیا کہتے ہیں

جھگڑا

ہوگا غضب جو حشر میں جھگڑا یہ جائیگا
مانو کہا کہ بات ابھی گھر کی گھر میں ہے

روتے دھوتے

تم اُدھر دھوتے رہے منہ ہم اِدھر روتے رہے
روتے دھوتے دو گھڑی باہم مزے سے کٹ گئی

سبکدوش

کاندھا ابھی جنازے کو دینا ہے جانِ من
کیا کاٹ کر سر آپ سبکدوش ہو گئے

نیا ستم

نیا ستم ہے استمگر نے قتل پر میرے　　کیا ہے جمع رقیبوں کو مرحبا کے لیے

فرصت نہیں

وہ کہتے ہیں ہم کو فرصت نہیں شب وعدہ　　تم صبر کو اپنے ہی بلا لو اگر آئے

گرم فقرے

ہفت دوزخ بیجا ملتا ہے امیر　　گرم فقرے تیری شہرت کے

چپ رہو!

بڑا مزا ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ　　وہ منتوں سے کہے چپ رہو خدا کیلئے

چھڑاکے ہاتھ

سنتے ہی نام وصل وہ پہلو سے اٹھ گئے　　جھنجھلا کے طیش کھا کے تڑپ کے چھڑا کے ہاتھ

رشک، رقابت
سوخت، بدگمانی

تخمیس بر غزل غالب

بلا سے ہم نہ سہی خاک بھی عدو کیا ہے　　تمہیں تمہی کی قسم اس کی آبرو کیا ہے
زبان شوخ بتاں کا یہ حسن خو کیا ہے　　ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں بتا دو یہ انداز گفتگو کیا ہے

کہا جو میں نے کہ غالب نظر نہیں آتا　　نیاز آپ کی خدمت میں اب نہیں لاتا
تو بولے بھید کو آزاد تو نہیں پاتا　　ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

تیرا پاؤں

یہ چومیں پاؤں ہم ہیہات دیکھیں ستم اس کفش کے ہاتھوں عیاں ہے
ابھی گلے ہم اس کے چیر ڈالیں میاں پر پاؤں تیرا در میاں ہے

پیغام

عدو کے گھر سے کافر نے مجھے پیغام بھیجا ہے دکھانے کیوں نہیں تاثیر اپنے جذبۂ دل کی

ہچکیاں

ہچکیاں آ کے مر نہ جائے عدو یاد کیوں بار بار کرتے ہو

گر فضل

کیا مزا ہو جو وہ دربان سے اپنی کہیں کوئی یاں آنے نہ پائے گر فضل آئے

تن سے

ٹھہر کبھی کجوں میں نہ ہرگز یہ راست رو آیا کماں میں تیر تو سن سے نکل گیا

چراغِ خانہ

وائے میرے حال پر گھر میں میرے ویرانہ ہے ہائے اسکا بخت جس کا تو چراغ خانہ ہے

میرا ستمگر

جو ستم غیر کے لائق تھا وہ مجھ پہ ہوتا کاش تو میرے اکیلے کا ستمگر ہوتا

شرکتِ غیر

شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری

منہ لگانیکا مزا

رقیب تم سے کرے آرزوئے بوسۂ لب خطا معاف مزا ہے یہ منہ لگانیکا

تو ہو

کہا جب میں نے رنجیدہ عدو ہو وہ بولا سنتے ہی وہ کیوں ہو تو ہو

روبرو ہو

ادھر میں ہوں ادھر محشر میں تو ہو جو ہوتی ہو خدا کے روبرو ہو

رنگِ محبت

یہ بھی اک رنگ ہے محبت کا   روئیں ہم اور ہنسا کرے کوئی

چوسر کا پانسہ

خصم دو جورؤوں کا اے بوا چوسر کا پانسہ ہے   بدی جس سے کریگا سامنا ہوویگا ذلت کا

کانٹا

مر گئی سوت مگر غم نہیں بھولا مجھ کو   جان صاحب نہ کبھی دل سے یہ کانٹا نکلا

خدا کی شان

ہے خدا کی شان وہ افضل انسان خانم بنے   بیچتی پھرتی تھی گلیوں میں جو کھڑی والے

کانٹا مرے چمن کا

سوکن نے پانجامہ پہنا ہے گلبدن کا   پھولوں میں پل رہا ہے کانٹا مرے چمن کا

احساں کریں

قتل میں میرے نہ ہو کچھ شرکت خون   دوسرا خنجر منگالیں آپ تو احساں کریں

پلپیا ہے

رنگ حنا میں ایسی تڑپ ہوتی ہے کہاں   پلپیا ہے تم نے دل بھی کسی کا حنا کے ساتھ

سو رہو

عبث انگڑائیاں لے لیکے ملتے ہو جو آنکھوں کو   بھلا یہ بھی تو گھر ہے سو رہو گر نیند آئی ہے

گویائی

اس خموشی سے بھی ہو باتیں نکلتی ہیں صنم   عین گویائی ہے چپ رہنا تری تصویر کا

زیرِ سر

یاں دل شوریدہ کو سر پھوڑنے کا تھا خیال   زیر سر واں غیر کا زانو برائے خواب تھا

خردسال

جنون یہ کہہ رہی ہے کسی خردسال کی   اچھا شباب آئے دو پھر دیکھنا مجھے

میں جانتا ہوں

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں ۔ میں جانتا ہوں جو وہ لکھینگے جواب میں

ضعف

ضعف سے گریہ مبدل بدم سرد ہوا ۔ باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

خدا سمجھے

دیا اگلے رقیبوں کے خط اس کو ۔ خدا سمجھے ہمارے نامہ بر سے

ہرگز یقیں نہیں

وہ اور وعدہ وصل کا ہرگز یقیں نہیں ۔ قاصد نے اپنے جی سے بنا کر کہی نہ ہو

سبب

سبب سمجھا جو بیماری کا وہ شوخ ۔ نہ آیا پھر کبھی میری خبر کو

وہم

مجھ تک کب انکی بزم میں آتا تھا دور جام ۔ ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

امید و انتظار

امید

زمانہ اگر صحن باغ ارم ہے ۔ تو تو اے امید اسکی ابر کرم ہے
شگوفوں میں چھپتی ہے تو مسکرا کر ۔ تو ہی کھلکھلاتی ہے پھولوں میں آ کر
تمنا کے کھیتوں میں ہلچل ہے تیری ۔ تمدن کے میداں میں چہل پہل ہے تیری
تو ہی یاں کے پودوں کو دیتی ہے پانی ۔ ہرا تجھ سے ہے گلشن زندگانی
شگوفوں کے کوچوں میں تو دوڑتی ہے ۔ یہ تو دوڑتی ہے کہ بو دوڑتی ہے
ترے سر پہ تاج شہی سج رہا ہے ۔ تیرے در پہ کوس شہی بج رہا ہے
چڑھی تو مخالف پہ لشکر کو لے کر ۔ پھری باج لیکر چلی تاج لے کر

دیا تُو نے سلطاں کو خلعت سنہرا — ہوا میں تیری اُڑ رہا ہے پھریرا
رہی کو دتی عشق کے دنگلوں میں — پھری قیس کیساتھ تو جنگلوں میں
نہ چاہ یُوسف کو تُو نے سنبھالا — کیا تُو نے یعقوب کے گھر اُجالا
خلیل خدا کو جب آتش میں بھیجا — کیا تُو نے چھینٹوں سے ٹھنڈا کیا
تو ہی ہے جوانوں کے کٹھور دل کی کاٹھی — تو ہی ہے ضعیفوں کے ہاتھوں کی لاٹھی
اُٹھایا اپاہج کو بستر سے تُو نے — چلایا ہے مزدور کو ٹھوکر سے تُو نے
جگاتی ہے چھینٹوں سے تُو غافلوں کو — اُٹھاتی ہے شوخی سے تو کاہلوں کو
رگوں میں لہو بن کے تُو دوڑتی ہے — تیرے ساتھ ساتھ آرزو دوڑتی ہے
تو ہی ڈوبتی ناؤ کا ہے کنارا — تو ہی دیتی ہے ڈوبتے کو سہارا
دلہن کربلا میں بنی تو مچل کر — بن آئی شہادت کا بانا بدل کر
سمندر میں نیلسن کو لیکر بڑھی تو — ولنگٹن کو میداں میں لیکر چڑھی تو
کولمبس کو تیری ہی لہر آ رہی تھی — ڈگاما کی آنکھوں میں لہرا رہی تھی
گئی جیت تو بازی نپچرل بھی — سنا دے پھڑکتی ہوئی اک غزل بھی

غزل

کلیسا میں بُت کی ادا بن گئی تو — حرم میں پہنچکر خدا بن گئی تو
یہ پردہ کی ہے بات سُن لے نہ کوئی — کہ پردہ میں کیا جانے کیا بن گئی تو
اکٹھا کیا تُو نے بچھڑے ہوؤں کو — کہ جنگل میں بانگ درا بن گئی تو
اڑے تیرے جھونکوں سے بیکس دماغ — کہ صحرا میں ٹھنڈی ہوا بن گئی تو
لگائی ہے لو تجھ سے اُجڑے ہوؤں نے — اندھیرے گھروں میں دیا بن گئی تو
تیری لاگ سے روز گھنٹوں میں آیا — کرگلِ دکھیا تنوں کی عصا بن گئی تو
سکندر نے تاکا اندھیرے میں تجھکو — تجلائے آب بقا بن گئی تو
گریباں میں چلکر جنوں بن گئی تو — دوپٹے میں چھپ کر حیا بن گئی تو
ہر اک راہ میں راہبر ہو گئی تو — ہر اک ناؤ میں ناخدا بن گئی تو

ہر اک رنج و غم کو کیا محو تو نے ہر اک درد دکھ میں دوا بن گئی تو
یہاں تو وہاں تو سقر تو جناں تو جزا بن گئی تو سزا بن گئی تو
دلوں میں اتر کر تمنا ہوئی تو زبانوں پہ چڑھ کر دعا بن گئی تو
بیاں کے سوا تو نے سب سے نباہی یہیں آن کر بے وفا بن گئی تو

امید

دیکھ اے امید کچھ ہم سے نہ تو کنارا تیرا ہی رہ گیا ہے لے دے کے اک سہارا
یوں بے سبب زمانہ پھرتا نہیں کسی سے اے آسماں! کچھ اس میں تیرا بھی ہے اشارا
دنیا کے خرخشوں سے چیخ اٹھے تھے ہم اول آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا
توفیق نے ہمیشہ لی ہمت پر خبر یاں جب ناؤ ڈگمگائی پاس آ گیا کنارا
انصاف سے جو دیکھا نکلے وہ عیب سارے جتنے ہنر تھے اپنے عالم میں آشکارا
کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چیں ہوئے چپ سب کچھ کہا انہوں نے پر ہم نے دم نہ مارا

حالی سے کام ہے یاں فعلوں سے اسکے کیا کام
اچھا ہے یا برا ہے پھر یار ہے ہمارا

حسرت، مایوسی
ناامیدی

مایوس کی فریاد

دل شاد درد حسرت میں خوگر ستم ہوں منت کش الم ہوں زحمت فزائے غم ہوں
مایوسیاں مبارک ناکامیاں سلامت ٹوٹا سا ایک دل ہوں گھٹتا سا ایک دم ہوں
عالم کی انجمن میں عالم میرا نہیں ہے حسرت کا ہوں مرقع تصویر رنج و غم ہوں

روشن ہے نام میرا تقدیر رُو سیہ ہے | اِس صفحۂ جہاں پہ میں صورتِ قلم ہوں
جانچا ہے سینکڑوں نے تیغِ نگاہ پہ گھس کر | کھوٹا کھرا بنایا میں وہ نئی رقم ہوں
مونس نہ کوئی ہمدم یار و رفیق کم ہیں | تنہائی رازداں ہے بیکس ہوں [illegible]
باور نہیں کسی کو میرا کہا سنا کچھ | گر ہوں تو قول جھوٹا ٹوٹی ہوئی قسم ہوں
ارمان سینکڑوں ہیں لاکھوں ہیں آرزوئیں | بیکس ہوں گو جہاں میں [illegible] باحشم ہوں
فُرقت کے آنسوؤں نے موتی گرا دیے ہیں | کہتا ہے دیدۂ تر میں صاحبِ کرم ہوں
طوفانِ اشکِ ہجراں کیسا اُمڈ رہا ہے | دریا میں جیب و دامن اس طرح چشمِ نم ہوں
ہر سانس تیر بن کر سینے میں ہے خلش گر | کہتا ہے دل سے ظالم میں اہلِ ستم ہوں
کٹتی ہے زندگانی اس طرح اے شرارت | لاؤں خوشی کہاں سے پابندِ رنج و غم ہوں

درونِ قفس

چلا جاتا ہے کاروانِ نفس | نہ بانگِ درا ہے نہ صوتِ جرس
برس کتنے گزرے یہ کہتے ہوئے | کہ کچھ کام کر لینگے اب کے برس
نہ وہ پوچھتے ہیں نہ کہتا ہوں میں | رہی جاتی ہے دل کی دل میں ہوس
وہ حسرت زدہ صید ہیں ہم کہ ہوں | ہے پرواز جن کی درونِ قفس
ستم ہے یہ وحشت تیری غفلتیں | تجھے کاش ہوتا شمارِ نفس

سلیمان کو

میں اُٹھتا ہوں تو کانٹے پاؤں پڑ پڑ کر یہ کہتے ہیں | ابھی بیٹھو بھی کیوں ویراں کرتے ہو بیاباں کو
میں اے بُت مصحفِ رُخ کو ترے چھو کر ہوا مجرم | مسلماں رات دن ہی سے دبا رکھتے ہیں قرآں کو
ملاحت ناوک افگن کی جو وقتِ صید یاد آئی | دہانِ زخم نے خوب مزے لے لے کے [illegible] کو
ان آنکھوں کی نظربازی میں دل کھویا گیا میرا | نگاہوں میں اُڑا کر لے گئیں یہ پریاں سلیماں کو
تصور قید میں ہے اے امیر اک بُت کی آنکھوں کا | پری خانہ بنا رکھا ہے میں نے اپنے زنداں کو
امیر ایسی کہاں قسمت کہ پہنچوں اُڑ کے پھولوں تک | کبھی چاکِ قفس سے جھانک لیتا ہوں گلشن کو

وہی بجلی کی بیتابی

کہوں کیا آرزوئے بیدلی مجھ کو کہاں تک ہے
مرے بازار کی رونق ہی سودائے زیاں تک ہے

وہی اک شعلہ ہے تربت بھی ہے اور شمع تربت بھی
مزا مرنے کا کچھ پروانۂ آتش زباں تک ہے

نہ سیکھی تو نے مرغِ رنگِ گُل سے رمزِ آزادی
یہ قیدِ بوستاں بلبل خیالِ آشیاں تک ہے

چمن افروز ہے صیاد میری خوشنوائی تک
وہی بجلی کی بیتابی ہے جو میرے آشیاں تک ہے

زباں تک عقدۂ تبخالہ بن کر رہ گیا مطلب
اثر مجھ دل جلے کی نغمہ کاری کا کہاں تک ہے

جرس ہوں میں صدا خوابیدہ ہے میرے رگ و پے میں
یہ خاموشی میری وقتِ رحیلِ کارواں تک ہے

نہیں منت پذیرِ چشم رونا شمع سوزاں کا
سمجھ قاتل گدازِ دل میں آزادی کہاں تک ہے

چمن زارِ محبت میں خموشی موت ہے بلبل
یہاں کی زندگی پابندیٔ رسمِ فغاں تک ہے

جوانی ہے تو ذوقِ آرزو بھی لطفِ ارماں بھی
ہمارے گھر کی آبادی قیامِ میہماں تک ہے

ٹھہر جا!

ٹھہر جاؤ ابھی وقت بہت سا ہے نہ جاؤ
ہے ہے مجھے ہاتھوں سے نہ اس طرح ہٹاؤ

پھر پیار بھری آنکھوں سے دیکھو مجھے جاناں
پھر چھو لو مجھے پھر مجھے چھاتی سے لگاؤ

پھر دو مجھے پیار سے گلِ رخسار کا بوسہ
آغوش میں لیکر مجھے پھر تنگ دباؤ

مشتاق ہے جی چاشنیٔ قندِ سخن کا
پھر بات کوئی لطف کی ہنس ہنس کے سناؤ

ہو جائیگا دم خشک بس اٹھتے ہی تمہارے
رخصت کا برا نام ابھی لب پہ نہ لاؤ

صیّاد

گرائیں جور و ستم کی وہ بجلیاں صیّاد
کہ خاک ہو گیا جل جل کے آشیاں صیّاد

پسِ فنا مجھے گلشن میں دفن کر دینا
کہ میری خاک رہے وقفِ بوستاں صیّاد

خدا جو قوت پرواز دے توانائی دے
قفس کو لیکے اڑوں سوئے گلستاں صیّاد

نکل کے دام سے پہنچا قفس کے گوشے میں
پھر آئیگی مجھے قسمت کہاں کہاں صیّاد

میں اس خیال سے خوش تھا کہ گل نے یاد کیا
مگر وہ تھیں دمِ آخر کی ہچکیاں صیّاد

نشانہ موت کا بے واسطہ بنا یہ کون غریب
یہ کس کے حق میں ہوا مرگِ ناگہاں صیّاد

کلام الملوک ملوک الکلام

خارِ حسرت قبر تک دل میں کھٹکتا جائیگا — مرغِ بسمل کی طرح لاشہ پھڑکتا جائیگا
دیکھیے کب تک جوابِ خط سے آنکھیں شاد ہوں — راستہ دیکھا نہیں قاصد بھٹکتا جائیگا
جان جائیگی جو عشقِ عارضِ گلرنگ میں — تختۂ تابوت مثلِ گل مہکتا جائیگا
میں وہ کشتہ ہوں کہ میری لاش پہ اے دوستو — اک زمانہ دیدۂ حسرت سے تکتا جائیگا
اے ظفر قائم رہیگی جب تلک اقلیمِ ہند — اخترِ اقبال اس کُل کا چمکتا جائیگا

ظفر

ٹوٹے مزار

جن پہ حسرت نوحہ گر اور بیکسی ہے اشکبار — خستہ حالانِ محبت کے ہیں یہ ٹوٹے مزار
ان غریبوں کا نہ مونس اور نہ کوئی غمگسار — کہہ رہے ہیں وہ زبانِ حال سے با حالِ زار
بر مزارِ ما غریباں نے چراغے نے گلے — نے پرِ پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

جوانی کا مزا

لوگ کہتے ہیں کہ بدنامی سے بچنا چاہیے — کہہ دو بے اس کے جوانی کا مزا ملتا نہیں
جب کہیں ملتا ہے کرتا ہے نہ ملنے کا گلہ — اور جو ملنے جاتا ہوں مردِ خدا ملتا نہیں

نقشۂ رُخِ جاناں

مسیحا کو عبث ہو عار میرے پاس آنے سے — میرا تو دردِ دل خود ہی نہیں محتاجِ درماں کا
دلِ بیتاب وہمِ غیر میں الجھا رہا ورنہ — یہاں ہر نقش تھا بالذات نقشہ روئے جاناں کا

منہ سے پھوٹ

منہ سے تو پھوٹ بسمل کیا تو نے جی میں ٹھانی — تیرا اداس رہنا آفت کی ہے نشانی
وہ قہقہے کہاں ہیں وہ ولولے کدھر ہیں — روتا ہوں یاد کر کے گذری ہوئی جوانی

بسمل

عمرِ دراز

جو دم ہے مثلِ سحر گاہی ہے — جو شخص یہاں سوئے عدم راہی ہے
رہتا نہ کبھی قافلے کے پیچھے انیس — اے عمرِ دراز تیری کوتاہی ہے

انیس

مقدّر

ہادی — مری مایوسیوں کو لوگ کیوں بدنام کرتے ہیں　　بشر کا اس میں کیا بس ہے یہ باتیں ہیں مقدّر کی

تنگدستی

جوش — دل نکلتا نہیں ہے پستی سے　　قبر بہتر ہے تنگدستی سے

زیرِ غور

محرومِ التفات ہوں مایوس جو رہوں　　یہ آس بھی نہیں کہ ابھی زیرِ غور ہوں

بے اعتباری

تسلیم — تسلیم کس کے واسطے بیٹھے ہو گھر چلو　　کیا اعتبار وعدۂ بے اعتبار کا

لحد سے

پھر نکل آؤں لحد سے سر کٹانے کے لئے　　بھیج دیجو عمرِ رفتہ کو بلانے کے لئے

چٹکی میں رہنا

کیا چل کر مجھے بسمل تو کیا تعریف ناوک کی　　تیری چٹکی میں رہنا اور دل کے پار ہو جانا

جستجو

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں　　دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

اللہ کرے

تصور — لگ جائے تصوّر کے گلے آکے وہ بت آج　　اللہ کرے اس کی یہ امید بر آئے

دشمن کا واسطہ

بٹھالو بزم میں ہم کو بھی صدقہ اٹھتے جوبن کا　　تمہارے دوست ہیں ہم واسطہ دیتے ہیں دشمن کا

شامِ وصل

ثروت — نگاہِ شوق تو بیتاب شامِ وصل ہے ثروت　　حیا کا حکم ہے آنچل نہ سینے سے ذرا سرکے

اڑا دیتے ہیں

کہے کیا درد دل بلبل گلوں سے　　اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر

فکرِ محمل

دل میں مجنوں کے کیا بلا تھی — تجھ کو لیلیٰ جو فکرِ محمل ہے

چوکسی

تم اپنے وصل کے ارماں بھی ساتھ لیجاؤ — پرائے مال کی ہم سے نہ چوکسی ہوگی

سہل تدبیر

عرضِ مطلب پہ وہ کہتے ہیں ابھی صبر کرو — ہائے کیا سہل سی تدبیر بتا دیتے ہیں

زباں پر رہ گیا

ہائے یاں نکلا نہ واں نکلا وہ حرفِ شوقِ وصل — اُن کے دل میں رہ گیا میری زباں پر رہ گیا

چُپکے سے کیا کہا

اے قیسِ دل نے وی تجھے اسکی بھی کچھ خبر — لیلےٰ نے چپکے چپکے کہا ساربان سے کیا

گلشن اُنکا

وصل کا رنگ بڑھائینگے کہ تیجے کی بہار — کونسے پھولوں کی قسمت میں ہے گلشن اُنکا

شہیدِ ناز

شہیدِ ناز ہوں اس گلبدن کا — گلابی رنگ ہو میرے کفن کا

پریشاں نکلا

بوئے گل نالۂ دل دُودِ چراغِ محفل — جو تیری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا

موقعِ بےحجابی

سنتے ہیں دمِ ذبح وہ ہوتے ہیں بے حجاب — اُس ایک دم کی تاک میں ہیں عمر بھر سے ہم

مشکل ادا ہو

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں — نگاہوں کی قضا مشکل ادا ہو

اثرِ دعا

جا پہنچا ہے بھولے سے کہیں غیر کے گھر میں — ملتا ہی نہیں میری دعاؤں کا اثر آج

گردشِ ایام

اس فصلِ بہاری میں گُل ہم سے جدا ہو   اے گردشِ ایّام زبوں تیرا بُرا ہو

توڑ جوڑ

توڑی جو اُس نے مجھ سے تو جوڑی رقیب سے   انشاؔ تو اپنے یار کے یہ توڑ جوڑ دیکھ

ارمانِ دل

یا پھینک دیجیے چیر کے پہلو سے دل کو آپ   یا دل کے سب نکال کے ارمان جائیے

کام اتنا نہ میری جان تجھ سے نکلا   تن سے جان نکلی مگر دل سے نہ ارمان نکلا

تکرار کیا کریں

دونوں جہان دیکے وہ سمجھے یہ خوش ہوا   یہاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

دو دن برسے

لپٹ جاتے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے   الٰہی یہ گھٹا دو دن تو برسے

پھینک دو

پھینک دو کاٹ کے جڑ نخلِ تمنّا کی امیرؔ   پھول کمبخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

آئینۂ تصویر

فرطِ حیرت سے میں آئینۂ تصویر بنا   جو حسیں سامنے آیا اُتر آیا دل میں

عجیب علاج

گر درد ہے کھو دیا دلِ مضطر سے کسی کے   پانی تو پلا وار کے سر پر سے کسی کے

بُری سُنائی

آتے ہی تو نے گھر کی پھر جانے کی سُنائی   رہ جاؤں سُن نہ کیونکر یہ تو بُری سُنائی

مرجانے بھی دو

روتے کیوں ہوا جل کو ہجر میں آنے بھی دو   زندگی بیکار ہے اب ہم کو مرجانے بھی دو

بے اعتنائی

تمہیں آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام   تم سنوارہ کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

ٹھوکر تو لگاؤ

جان مردوں سے چُراتے ہو مسیحا ہو کر   کیسے زندہ نہیں ہوتا کوئی ٹھوکر تو لگاؤ

آزاد کبھی

بلبلو کس کو دکھاتی ہو عروجِ پرواز   ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

کلیجہ نہیں رہا

وہ دن بھی تھے کہ ناز اُٹھانیکا شوق تھا   ہیں اب وہی مگر وہ کلیجہ نہیں رہا

زرد پتا

اکیلا رہ گیا یا رو سے ہوں یوں ناتوانی میں   کوئی شاخِ خزاں دیدہ پہ جیسے زرد پتا ہو

آؤ اٹھو

کون آ کر کہے یہ تربت پر   آؤ اٹھو کہاں پڑے ہو آپ

اُمنگیں

طبیعت کی اُمنگیں رفتہ رفتہ مٹ گئیں ساری   نہ وہ ہم ہیں اور نہ وہ خوشیاں نہ وہ دل ہے نہ وہ ہم ہیں

کوئے حبیب سے

ہم نقشِ کفِ پا بھی نہیں بن کے بیٹھتے   بادِ صبا اُٹھاتی ہے کوئے حبیب سے

بتا!

فلک دو دل جدا کر کے ملا کیا ہے بتا تجھ کو   بتا اے رو سیہ دونوں ہم جیتے تو کیا ہوتا

قسمتِ عاشق

وائے قسمت جو سب کی سنتا ہے   وہ بھی عاشق کی التجا نہ سنے

تیرا خیال اچھا ہے

روز آتا ہے مرے دل کو تسلی دینے   تجھ سے اے جانِ جہاں تیرا خیال اچھا ہے

حالِ زمانہ

کیا حال پوچھتے ہو زمانہ کا اے ادیب　　الفت عزیز میں ہے نہ مہر آشنا میں ہے

بھولا راہ کا

رفتہ رفتہ روح دنیا کے مزے میں پڑ گئی　　دیکھئے کب راہ پر آتا ہے بھولا راہ کا

اللہ اکبر پہ

شبِ وصلت اذاں کہکر چھری پھیری ہے گردن پر　　ہوئے ہم ذبح اے زاہد تیری اللہ اکبر پر

معجزۂ لب

معجزِ لب سے جلایا تم نے مُردہ غیر کا　　کیا ہماری لاش قابل ایک ٹھوکر کے نہیں

سات پردے

اُنہیں سات پردے لگے وائے قسمت　　ہوئے سامنے جب وہ آنے کے قابل

مجھے پہلے ہی منہ لگایا نہ ہوتا　　اگر میں نہ تھا منہ لگانے کے قابل

تیرا جلوہ دیکھا

اُس کان پہ قرباں میں جس نے تیری آواز سُنی　　صدقے اُس آنکھ کے جس نے تیرا جلوہ دیکھا

یہ دستور نہیں

جب میں مانگوں ہوں عوض دل کے لبوں کا بوسہ　　ہنس کے کس پیار سے کہتا ہے کہ یہ دستور نہیں

لبِ خاموش

بیدرد جانے والو ٹھہر جاؤ دم تو لو　　کچھ تم سے کہتے ہیں لبِ خاموش نقشِ پا

فراموش ہو گئے

اے داغ سب زمانۂ ماضی کے ذوق شوق　　اکبار دل سے محو و فراموش ہو گئے

تاکید

اُمید یہ کہتی ہے وہ آتے ہیں ٹھہر جا　　ہے یاس کی تاکید کہ دُنیا سے گزر آج

ہجر و فراق

کہوں کیا ذوقؔ احوال شب ہجر — کہ تھی اک اک گھڑی سو سو مہینے
نہ تھی شب ڈال رکھا تھا اک اندھیر — مرے بخت سیہ کی تیرگی نے
شب غم شمع ساں گھٹتی نہ تھی کم — اور تھے سینوں پہ پیتے
یہی کہتا تھا گھبرا کر فلک سے — کہ او بے مہر بد اختر کمینے
کہاں ہیں اور کہاں یہ شب کو تھے — مری جانب سے تیرے دل میں کینے
سوا ظلمت کے پردہ میں کئے ظلم — ارے ظالم تری بیدردی کے
عوض کس بادہ نوشی کے مجھے آج — پڑے یہ زہر کے کڑوے گھونٹ پینے
حواس و ہوش جو مجھ سے قریں تھے — تو دینے سے ہوئے سب بے قرینے
مری سینہ زنی کا شور سنکر — پھٹے جاتے ہیں ہمسایوں کے سینے
اُٹھایا گاہ اور گاہے بٹھایا — مجھے بے تابی و بے طاقتی نے
کہا جب دل نے تو کچھ کھا کے سو رہ — بہت [illegible]
نہ ٹوٹا جان کا قالب سے رشتہ — بہت سی جان توڑی بیکسی نے
بہت دیکھا نہ دکھلایا خدا ابھی — طلوع صبح تک نیرنگی نے
کہا جی نے مجھے یہ ہجر کی رات — یقیں ہے صبح تک دیگی نہ جینے
لگے پانی چوانے منہ میں آنسو — پڑی بیہوش سنکے بیکسی نے
مگر دن عمر کے تھوڑے سے باقی — گذار کھے تھے میری زندگی نے
کہ قسمت سے قریب خانہ میرے — اذاں مسجد میں دی کسی نے
بشارت مجھ کو صبح وصل کی دی — اذاں کیسی تھی مؤذن نے
ہوئی ایسی خوشی اللہ اکبر — کہ خوش ہو کر کہا خود بیخودی نے
مؤذن مرحبا بر وقت بولا — تری آواز کے مکے مدینے

فرقت کی رات

یہ شبِ فرقت بھی کیسی رات ہے ۔۔۔ ایک میں ہوں اور خدا کی ذات ہے

کس قدر تاریک ہے اندھیر ہے ۔۔۔ رات ہے یا پردۂ ظلمات ہے

ہول آتا ہے در و دیوار سے ۔۔۔ ہو نہ ہو یہ لشکرِ آفات ہے

کیوں ڈراتی ہیں مجھے پرچھائیاں ۔۔۔ رات ہے یا سایۂ جنات ہے

ہائے میری نیند کو کیا ہو گیا ۔۔۔ کاٹے کوسوں پڑ گئی ہیہات ہے

سینکڑوں کانٹے میرے بستر میں ہیں ۔۔۔ ہائے کیا اسرار ہے کیا بات ہے

میں تو گنتے گنتے گھڑیاں تھک گیا ۔۔۔ کیا قیامت سے بھی لمبی رات ہے

چین آتا اب کسی کروٹ نہیں ۔۔۔ کس مصیبت میں بسر اوقات ہے

درد دل میں اور کلیجے میں جلن ۔۔۔ اور وحشت مجھکو ساری رات ہے

آدھی دُنیا سو رہی ہے چین سے ۔۔۔ میرا سینہ مرجعِ آفات ہے

ہائے اشکوں کی نہیں تھمتی جھڑی ۔۔۔ میری آنکھوں میں چھپی برسات ہے

ہائے بےچینی قلق اور اضطراب ۔۔۔ درد بیٹھا بیٹھا ساری رات ہے

میرا تکیہ بن گیا سنگِ مزار ۔۔۔ یہ عذابِ قبر ہے یا رات ہے

کیسے وہموں میں پڑا رہتا ہوں میں ۔۔۔ زہر لگتی اب کسی کی بات ہے

آہ سینے میں مرے اک آگ ہے ۔۔۔ نارِ دوزخ جسکے آگے مات ہے

ہائے مایوسی و باقی ہے گلا ۔۔۔ دم نکل جائے تو اچھی بات ہے

رنج و حرماں جان کھاتے ہیں الگ ۔۔۔ دیکھیے کیا کیا دکھاتی رات ہے

بارِ حسرت سے ہوا جینا محال ۔۔۔ کوہِ غم لیکر کھڑی یہ رات ہے

کوئی دیکھے تو گھڑی کیا وقت ہے ۔۔۔ کتنی گزری کتنی باقی رات ہے

ہائے کب اس رات کی ہوگی سحر ۔۔۔ یہ عذابِ نزع ہے یا رات ہے

ہُو کا عالم اور اداسی چار سُو ۔۔۔ اس پہ طرہ یہ کہ کالی رات ہے

فراق

اک دن وہ تھا کہ نشۂ عشرت میں چور تھا پہلو میں صبح و شام کوئی رشکِ حور تھا
شیشہ بغل میں ہاتھ میں جامِ بلور تھا دورِ زندگانی پہ کیا کیا غرور تھا

اے انقلابِ دہر یہ کیا قہر ہو گیا
آبِ حیات حق میں میرے زہر ہو گیا

آنکھیں وہی ہیں اپنی مگر وہ نظر کہاں وہ دل کہاں وہ جوش کہاں وہ جگر کہاں
منہ میں زباں ہے کہنے کو گویا مگر کہاں نالے وہی ہیں نالوں میں اب وہ اثر کہاں

دیوار و در کو تکتے ہیں فرقت میں روتے ہیں
جانِ عزیز اپنی مصیبت میں کھوتے ہیں

جو ہم پہ مہربان تھا نامہرباں ہے اب وہ زندگی کا لطف کہو پھر کہاں ہے اب
صبر و شکیب اب ہے نہ تاب و تواں ہے اب غم سے ملک پہ دورِ امتحاں ہے اب

ہاں ہمت اللہ کہ یہ موقع بڑا کڑا ہے
کوشش کا اور وقت کا ہے جدوجہد کا ہے

ہمت ضرور چاہئے ہر کام کے لئے محنت ضرور چاہئے ہر کام کے لئے
نیت ضرور چاہئے ہر کام کے لئے جرأت ضرور چاہئے ہر کام کے لئے

دنیا کا سارا کام تردد کی بات ہے
بن آنا کوششوں کا مقدر کی بات ہے

امید ہی سہارا ہے ہر خستہ حال کا امید ہی ہے خضرِ طریقِ وصال کا
گو اس میں پھیر ہو گا مہینوں کا سال کا لیکن امید ہے تو نہیں غم ملال کا

امید میں ہزار اگر رنج و غم رہے
انساں کو ضرور ہے ثابت قدم رہے

ہاں شاہدِ مراد کدھر ہے کہاں ہے تو منہ سے الٹ نقاب کہیں ادھر بھی تو
کب تک ہے تلاش کہاں تک یہ جستجو وارفتگانِ عشق کو تیری ہے آرزو

روزِ وصال پردہ در انتظار ہو

قابو میں اپنے ابلقِ لیل و نہار ہو

لطیف شاعری

بگڑی صفتِ مزاج سب سے — کہنے لگی جوششِ غضب سے

طوطا صیاد نے اڑایا — چڑیاں ہیں چپ اڑیں خدایا

پہرے پہ یہ شجر کھڑے تھے — کانٹے رستے ہی میں پڑے تھے

سوسن کی زبان کیا تھی بحس — کیا پھوٹ گئی تھی چشم نرگس

کیا باغ میں سو رہا تھا سویا — کلیاں نادان ہی تھیں گویا

شاخوں نے نہ برچھیاں لگائیں — پتوں نے نہ تالیاں بجائیں

پھیلائے ہوئے تھیں جال بیلیں — چلنے دیتیں نہ چال بیلیں

غنچوں کو حجاب کی پڑی تھی — سبزے کو خواب کی پڑی تھی

سبزے آیا نہ خاک کام سنبل — مٹ جائے بلا سے نام سنبل

پکڑا کسی خار نے نہ داماں — زنجیر بنا نہ عشق پیچاں

سنتی ہوں ہوا تو گشت میں تھی — شاید اسوقت دشت میں تھی

تا کا نہ عدو کو تو نے او ناک — آنکھوں میں پڑی نہ اڑ کے اوخاک

تو نے نہ دیا نسیم جھٹکا — کانٹا بھی تو پاؤں میں نہ کھٹکا

کس سوچ میں تھے یہ سر جھکائے — کچا کوئی ان پھلوں کو کھائے

انگور میں مے پرست کمبخت — یکسر پڑے ہونگے مست کمبخت

لب کھول کے جوش کیوں نہ بولا — فوارے نے کیوں دہن نہ کھولا

موجیں دوڑی نہ ہو کے بیتاب — طوق گردن ہوا نہ گرداب

غافل رہے سب حباب جو کے — کیا تھے نہ شریک آبرو کے

سایہ ہی نہ پڑ کے کاش سوتا — بیلا ہی گلے کا ہار ہوتا

قمری کو کو سے ٹوک دیتی — انگور کی ٹٹی روک لیتی

مہندی نے ہی جکڑ لی ہاتھ پاؤں ۔ رنگت ہی بگڑ لی ہاتھ پاؤں
آگاہ مجھے یہ مور کرتے ۔ سر پہ چلاتے شور کرتے
آنے والی نسیم ہے بس ۔ جانیوالی شمیم ہے بس
ہے لوث سے پاک انکا دامن ۔ پکڑے کوئی خاک انکا دامن
غنچوں کو جو کچھ کہوں تو چٹکیں ۔ کانٹوں کا جو نام لوں تو کھٹکیں
پھولوں کو جو ٹوکوں منہ پھلائیں ۔ چڑیوں سے جو بولوں غل مچائیں
پھر کون ہے جس پہ کچھ گماں ہو ۔ مہندی کا جو چور ہو تو ہاں ہو
کیا سمجھی تھی میں یہ گل کھلیگا ۔ گلشن سے یہ پھل مجھے ملیگا
نارنجی لگا کے رنج جھیلا ۔ تقدیر سے کچھ پھلا نہ کیلا
پاجی ہیں یہ سب شریفے سرتاپا ہیں ۔ بیری ہوئے یہ کیسے پرتپائیں
اس نے بھی نفاق ادا کیا حق ۔ پالا پالک کو میں نے ناحق
میٹھے سے کھٹائی میں پڑی ہیں ۔ کچی کھا جاؤنگی ابھی میں
بوٹے ہیں یہ دیکھنے کو چھوٹے ۔ پر جتنے چھوٹے ہیں اتنے کھوٹے
لالہ گمراہ ہے یہ سمجھی ۔ دل اس کا سیاہ ہے میں سمجھی
امید ہی سے بھی ہے خام ۔ رکھتے آسیب سیب کا نام
گلشن پہ پڑے الٰہی پالا ۔ لالے کا چمن میں ہو منہ کالا
ہنستے ہیں یہ گل تباہ ہو جائیں ۔ بیفالے روسیاہ ہو جائیں
ہو سرو کا پاؤں شل الٰہی ۔ دنیا میں نہ پاے کچھ پھل الٰہی
جڑ پیڑ سے اجڑ او چمن تو ۔ ہو جاے سفید یاسمن تو
سر سبز کے ثمر گریں تو خوش ہوں ۔ کٹ کٹ کے شجر گریں تو خوش ہوں
یا رب سبزے پہ اوس پڑ جاے ۔ پودا ہو خزاں کی نذر جب سے
مٹ جاے حباب بے نشاں ہو ۔ یہ نہر چمن رواں دواں ہو
پیڑوں کے سروں پہ برسیں تیغے ۔ جب منہ پھیرتے ہیں بوٹوں پہ

چھاتی پھٹے چڑ کے کھا میں گرے ۔ غنچے گو کے ہوں پھول ہرے
ٹھنڈی ہوں حوض تو جو گر جائے ۔ پانی تیری آبرو پہ پھر جائے
چوسونگی انار کا لہو آج ۔ گیندے کو کرونگی زرد رو آج
کاٹونگی یہ پیڑ جس طرح ساگ ۔ مہتابیوں میں لگاؤنگی آگ
او تخم بگاڑ دونگی تجھکو ۔ بس کھو دے کے گاڑ دونگی تجھ کو
انگور کی کھینچ لونگی کھال آج ۔ سنبل کے نوچ لونگی بال آج
شبّو تیری ناک کاٹ لونگی ۔ لیموں تجھے آج چاٹ لونگی
اشجار تنے کھڑے ہیں بدذات ۔ کھودوں انکی جڑیں تو ہے بات
کچّا چڑیوں کو کھاؤنگی میں ۔ دنیا سے انہیں اڑاؤنگی میں
ناچیں کتنا ہی بن کے طاؤس ۔ ہیں سر بقدم چمن کے طاؤس
ناچ اتنا نچاؤں جتنی کد ہے ۔ دوں داغ پہ داغ تو سند ہے
کیا کیا نہ ستم کرونگی واللہ ۔ مہندی کو قلم کرونگی واللہ
دور ہو شبنم کہیں فنا ہو ۔ آگے سے نسیم تو ہوا ہو
چھاتی تیری پھٹ جائے او گل ۔ اللہ کی مار تجھ پہ سنبل
قمری کے گلے میں طوق ڈالو ۔ کانٹے یہ کھٹکتے ہیں نکالو
فوّاروں کے لوٹ لوں خزانے ۔ موجوں کے لگاؤں تازیانے
پیسوں مہندی کو میں جو بس ہو ۔ تلووں سے ملوں جو دسترس ہو
لو کا لگے جھاڑ میں تو خوش ہوں ۔ پتے جلیں جھاڑ میں تو خوش ہوں
یہ پیڑ نہ ہوں نہال یارب ۔ سبزہ رہے پائمال یارب
اچھا پازیب کیوں نہ بولی ۔ کیوں آنکھ نہ آرسی نے کھولی
کیا منہ میں بھرے ہوئے تھے گھنگرو ۔ چپ تھے کہ مرے ہوئے تھے گھنگرو
منہ کھولے رہے مگر نہ بولے ۔ جوتی سے کڑے اگر نہ بولے
آویزے سے بے نہ کیکے ڈر سے ۔ کیوں نکلے نہ نگینے گھر سے

گر پڑے بشکلِ اشکِ دیدہ — بیہوش ہوئی ستم رسیدہ

سحر ہو گئی

شبِ غم بھی آخر بسر ہو گئی — تڑپتے تڑپتے سحر ہو گئی
جو اس بت کی ترچھی نظر ہو گئی — تو دنیا اِدھر کی اُدھر ہو گئی
گزار شبِ وصل کروٹ جو لی — منانے منانے سحر ہو گئی
حسینوں کی کیا بات کا اعتبار — کدھر تھی طبیعت کدھر ہو گئی
لپیٹے جو چولی پہ پھولوں کے ہار — نزاکت سے دُہری کمر ہو گئی
ہوئے بال غفلت میں سر کے سفید — اُٹھو نور جاگو سحر ہو گئی

تسکین ذرا ہوتی ہے

پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں — سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے
مرغِ بسمل کی طرح لوٹ گیا دل میرا — نگہِ ناز کی تاثیر بھی کیا ہوتی ہے
خود سمجھتا ہوں کہ رونے سے بھلا کیا حاصل — پر کروں کیا یونہی تسکین ذرا ہوتی ہے
نالہ کر لینے دیں للہ نہ چھیڑیں احباب — ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے

اصنام کے بندے

رنگ صبحِ غم میں دیکھے شام کے — یَں خدا اس گردشِ ایام کے
گر سُنیں نالے دلِ خود کام کے — بیٹھ جائیں وہ کلیجہ تھام کے
عشق کو میں نے چھپایا تھا مگر — بول اُٹھے نالے دلِ خود کام کے
عشق کر کے دل نہ چھوٹا عشق سے — صدقے اس آغازِ بے انجام کے
ہے عبث یہ اضطراب اے دل ترا — کیوں گھر آئیں وہ کسی بدنام کے
صبر کر اے دل کہ کٹ جائینگے دن — کلفتوں کے رنج کے آلام کے
حضرتِ شبلی کی بچان کچھ نہ پوچھ — یہ تو بندے ہیں فقط اصنام کے

حیرانی مجھے

دیکھ کر شائستۂ طوقِ گراں جانی مجھے — کر دیا پابندِ قیدِ ہستیِ فانی نے مجھے

کرتا ہوں یہ حکایت تجھ سے بزبانِ دوستانہ   رکھتا تھا جہاں میں جو شوکتِ شاہانہ
اک رندِ پارسا تھا اک مردِ باخدا تھا
محفل میں دوستوں کے اک یارِ باوفا تھا

دل تھا مرا حریصِ پیمانۂ محبت   رہتا تھا رات دن میں دیوانۂ محبت
سنتا تھا اہلِ دل سے افسانۂ محبت   ادنیٰ تھا اک گدائے میخانۂ محبت
سرخوش رہا ہمیشہ پیمانۂ وفا سے
آتی تھی نیند مجھ کو افسانۂ وفا سے

تو نے ورق وہ الٹا وہ دور تو نے پلٹا   آنکھوں میں میرے اب تک پھرتے ہیں سب وہ نقشہ
جی بھر کے وہ تماشا وہ دن بھی تو نہ دیکھا   کیا ہو گئے وہ چرچے کیا ہو گئی وہ دنیا
وہ ہم نفس کہاں ہیں وہ ہمنشیں کہاں ہیں
وہ اہلِ دل کہاں ہیں وہ مہ جبیں کہاں ہیں

شیرازہ کھل گیا سب تو ہو گیا پریشاں   تھے جمگھٹے جہاں پر اب وہ جگہ ہے ویراں
جس باغ میں تھے جلسے وہ باغ ہے بیاباں   وابستگی تھی جن سے نظروں سے وہ ہیں پنہاں
اپنا پتہ بتاؤ کچھ تو ہمیں جہاں ہو
اے میرے غمگسارو آواز دو کہاں ہو

ہم دیکھ کر یہ نقشے حیران ہو گئے ہیں   اب کیا بتائیں کیا کیا ساماں بگڑ گئے ہیں
دولتکدے تمہارے سنسان ہو گئے ہیں   عشرتکدے تمہارے ویران ہو گئے ہیں
اجڑا ہوا پڑا ہے اب وہ تمہارا گلشن
اموال پر تمہارے قابض ہوئے ہیں دشمن

جو بے بہا کتابیں کی تھیں کبھی فراہم   افسوس وہ صحیفے پڑھتے تھے جن کو ہر دم
وہ خامۂ گہر زا لکھتے تھے جس سے پیہم   غم میں تمہارے وہ سب بیں کر رہے ہیں ماتم
تصنیف کو تمہاری اک کرم کھا رہے ہیں
لکھے تھے جو حواشی ان کو مٹا رہے ہیں

کلیجے میں اُٹھتی ہے رہ رہ کے ہُوک
مری جان لیگی پپیہے کی کوک

دکھی ہوں دکھی میں دکھی ہوں دکھی — کبھی اے سکھی میں بھی ہونگی سکھی
میں لکھتی ہوں اسکو مرے پر نہیں — نہیں تو پہنچتی کہیں سے کہیں
ہوا میں بھی اُڑتی یہاں سے وہاں — سکھی کیا بتاؤں کہاں سے کہاں
کبھی جاتی پی پی پپیہے کے ساتھ — کہیں مل ہی جاتے مرے پران ناتھ
یُونہی کاٹ دیتی یہ برسات میں — تڑپتی یونہی ہائے دن رات میں
وہ آواز کانوں میں پھر آ گئی — سکھی دیکھ پھر مجھ کو تڑپا گئی

کلیجے میں اُٹھتی ہے رہ رہ کے ہُوک
مری جان لیگی پپیہے کی کوک

ہے آنکھوں سے اوجھل جو آہٹ سا پی — ٹھکانے نہیں اے سکھی میرا جی
کسی بات کی مجھ کو سُدھ بُدھ نہیں — ارے ہو نہ جاؤں ہرن میں کہیں
کہیں ایسے ہوتے سکھی میرے بھاگ — کہ جب پھونک چکتی برہ کی یہ آگ
گھرانے میں سوامی نہ کرتے بچار — جلا دیتے مجھ کو سنا کر ملار
سکھی کوئی کاہے کو چھوڑیگا دیس — جو پیتم کو جا کر سنائے سندیس
ارے سن پڑی پھر وہ پی کی پکار — ہوئی بان ہی میرے سینے کے پار

کلیجے میں اُٹھتی ہے رہ رہ کے ہُوک
مری جان لیگی پپیہے کی کوک

گریۂ حسرت

نازنین و عفیف اک بیوی — یادِ شوہر میں سُست بیٹھی تھی
غمزدہ مضمحل پریشاں حال — شکل غمگین پُرشکن خط و خال
سوزِ ہجراں کی آنچ سینے میں — پھر وہ برسات کے مہینے میں
اُودی اُودی گھٹائیں آتی تھیں — اُسکے دل پر بلائیں آتی تھیں

دل میں کہتی تھی اب وہ آئیں گے — کب پڑی تھی ہمیں سے جو آئیں گے

منہمک تھی انہیں خیالوں میں — غرق تھی ہجر کے ملالوں میں

در و دیوار پر اداسی تھی — چشم و ابرو پہ بدحواسی تھی

دفعتاً چاپ سی ہوئی محسوس

ہل گیا خوف سے دل مایوس

یک بیک بام و در جھلک اٹھے — در و دیوار سب چمک اٹھے

اس نے حیرت سے مڑ کے جب دیکھا

پیارے شوہر کو پشت پر پایا!!

آنکھ اٹھاتے ہی ہو گئی حیرت — سامنے اس کے تھی وہی صورت

روز روتی تھی جس کی فرقت میں — اشک بہنے لگے مسرت میں

ہنس کے شوہر نے چھیڑ سے پوچھا

میرے آنے سے کیا ہوئی لیلا!؟

دل کے چشمے یہ کیوں ابل آئے؟

اشک کیوں دفعتاً نکل آئے

سن کے شوہر کا یہ عجیب خیال — عرض کرنے لگی وہ دل کا حال

بولی "آنکھیں تھیں ہجر سے خونبار — ہو گئی تھیں فراق میں بیمار

تابش حسن نے دوا بخشی — لذت دید نے شفا بخشی

میری آنکھوں میں یہ جو آنسو ہیں — ان میں صد خوشی کے پہلو ہیں

پردۂ اشک میں مسرت ہے

آج آنکھوں کا غسل صحت ہے"

کلام احمد

مر گئے تو بھی نہ دیکھا مرے جانی تو نے — جانفشانی کی مری قدر نہ جانی تو نے

خط کتابت تو بڑی بات ہے پیارے تو نے — مجھ کو بھیجا نہیں پیغام زبانی تو نے

آرزوئے وصل

ہزاروں غنچے کھلے ہیں یارو تمام گلشن مہک رہا ہے
شجر شجر پر چمن میں بلبل ہوائے گل میں چہک رہا ہے

ڈھلا ہے سانچے میں نخلِ قامت اثر تمہاری قیامت
بہار پر ہے گلِ جوانی بلا کا جوبن ٹپک رہا ہے

مزاج میں ہے ابھی لڑکپن طبع ہے جور و جفا پہ مائل
عوض میں مرہم کے زخمِ دل پر نمک ستمگر چھڑک رہا ہے

یہ دم ہے اب کوئی دم کا مہماں شتاب آ کر مسیح دوراں
لگا دے زخمِ جگر پہ مرہم کہ تیرا کشتہ سسک رہا ہے

دلِ بیقرار سو جا

کس مست خواب کا ہے عبث انتظار سو جا
کہ گزر گئی شب آدھی دلِ بیقرار سو جا

یہ نسیم ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوا کے سرد جھونکے
تجھے دے رہے ہیں لوری مرے غمگسار سو جا

یہ تیری صدائے نالہ مجھے متہم نہ کر دے
مرے پردہ دار سو جا مرے رازدار سو جا

مجھے خوں رلا رہا ہے تیرا دمبدم تڑپنا
تیرے غم میں آہ کب سے ہوں میں اشکبار سو جا

ابھی واہ ناداں ہے تو نہیں عاشقی کے قابل
یہ تپش کا آہ شیوہ نہ کر اختیار سو جا

نہ تڑپ نہیں یہ ظالم تجھے گود میں اٹھاؤں
تجھے سینے سے لگاؤں تجھے کر لوں پیار سو جا

تجھے جن کا ہے تصور ارے مست جامِ الفت
انہیں انکھڑیوں کے صدقے مرے بادہ خوار سو جا

تجھے پہلا سابقہ ہے شبِ غم بری بلا ہے
کہیں مر مٹے نہ ظالم دلِ بیقرار سو جا

جذباتِ کمال

اس طرح دل دکھائیے جس میں مزا ملے
وہ درد ہو کہ جس کی نہ ہرگز دوا ملے

تاکا ہے دل کسی کا جو یہ پوچھتے ہیں وہ
چوری کرے کوئی تو اسے کیا سزا ملے

تسکین بھی دلائے تڑپ بھی علاج ہے
ہم سب میں خوش ہیں درد ملے یا دوا ملے

جو لطف کی نگاہ ہی اہلِ گناہ پر
ملتی ہوئی کرم سے تمہاری سزا ملے

بیتابِ دل جو ہو تو سنبھلتا ہے کس طرح
ہم پوچھ لیں کہیں جو کوئی مبتلا ملے

دیکھا جو ہم نے تم کو تو آنکھیں نکال لیں
آئینہ گھورتا ہے اسے بھی سزا ملے

ان کا نشان پوچھ رہے ہو تم اے کمال
جن کا خیال ہے کہ کہیں نقشِ پا ملے

دل میں ہیں حسرت انبوہ کے انبار لگے — اتنا یک جا کہیں ہوگا نہ خزانا ہرگز
کاکل و زلف بتاں تک ہیں پریشاں خاطر — نہیں جمعیت دل کا یہ زمانا ہرگز
محفل عیش سے گر حظ ہو اٹھانا ای دوست — ہم سے آزردہ دلوں کو نہ بلانا ہرگز
دار فانی میں نہ کر فکر قیام اے ناداں — گزر سیل ہے یاں گھر نہ بنانا ہرگز
ہمصفیران چمن سب ہوئے گرم پرواز — اب خوش آتا نہیں گلزار میں جانا ہرگز
زغن و زاغ کی گلشن میں صدا ہے ہر سو — مرغ خوش نغمہ نہ آواز سنانا ہرگز
قصر حالی کے حوالی میں ذرا تم مجروح — اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد نہ بنانا ہرگز

غم فراق

سوئے جاں سد رہے بیتاب مجکو چھوڑا — مہر و وفا سے تم نے کیوں آج منہ کو موڑا
اس دل کا درد پوچھو جس پر ستم ہے توڑا — غم نے کیا پکا کر میرے جگر کو پھوڑا
دکھ کی خلش ہے دل میں چبھتی ہے سانس ہر دم — آتا ہی جل رہی ہے سینے میں سانس ہر دم
وہ لطف کا زمانہ ابتک ہے یاد مجھ کو — ناز و ادا دکھانا اب تک ہے یاد تجھ کو
یوں کاش یاد اپنی مجکو نہ تم کے جاتے — تم پھر چلے کو ساتھ اپنے لیکے جاتے
تم کس جگہ گئے ہو اپنا پتا بتا دو — آنکھیں ترس رہی ہیں جلوہ ذرا دکھا دو
وہ مدہ بھری رسیلی باتیں مجھے سنا دو — میں خون رو رہا ہوں آکر مجھے ہنسا دو
بیوجہ کیوں خفا ہو کیا اب نہ آوگے تم — اپنا حسین مکھڑا پھر کب دکھاوگے تم
بھولے سے بھی کسیکو وقت سفر نہ بھیجا — اک آدمی بھی تم نے دے کر خبر نہ بھیجا
کیوں مجکو خط نہ لکھا کیوں نامہ بر نہ بھیجا — اک تار بھیجنا تھا تم نے مگر نہ بھیجا
ایسے گئے ہو جیسے دنیا ہی میں نہیں ہو — اب تم جہاں ہو گویا پہلے ہی سے وہیں ہو
میں نے پتا تمہارا ہر ماہ لقا سے پوچھا — ہر آشنا سے پوچھا نا آشنا سے پوچھا
صحن چمن میں جاکر باد صبا سے پوچھا — تاروں سے مہر و ماہ سے کالی گھٹا سے پوچھا
افسوس بیخبر ہیں سارے جہان والے — آگاہ ہوں تو شاید ہوں آسمان والے
اب بخش دو خطائیں بیتاب ہو رہا ہوں — تم کو خبر نہیں ہے میں جان کھو رہا ہوں

کچھ کھٹک سی ہوئی ہر رہ کے ای مژگانِ دوست
دیکھ میرے دل میں شاید کوئی نشتر رہ گیا

ہوتا ہی آخر زوال حسن بھی خونریز غلو
گھٹتے گھٹتے ماہِ کامل شکلِ خنجر رہ گیا

مل گیا سب خاک میں تابِ تڑپنے کا مزا
چلتے چلتے جب گلے پر نوک خنجر رہ گیا

کلام جوش

چمن میں رہ رہا ہے کون مل مل کر نشیمن سے
کوئی کہہ دو کہ شادابی اڑی جاتی ہے گلشن سے

تقاضا ہے مری فطرت کا یہ احسان نہیں کوئی
محبت کے لیے مجبور ہوں میں دوست دشمن سے

ادب کو دخل دے اس بحر میں ہر پیچ و صنعت کی
غبارِ ماسوا، ہٹ کر ذرا شاعر کے دامن سے

ملائے ہیں یہ کس استاد نے پردے کہ آتی ہیں
صدائیں ایک ہی بربطِ شیخ و برہمن سے

بس اے قاتل نہ دھو یہ دستخط میں دادخواہوں کے
انہیں یہ خون کے دھبے ہیں کیا چھٹتے ہیں دامن سے

انہیں قدموں پہ اے حسنِ ازل قربان ہونے دے
چنے ہیں میں نے تازہ پھول کچھ فطرت کے گلشن سے

بلندی عرش کی اس کی سرفرازی سے جھکتی ہے
تیری حرمت پہ جس کا سر جدا ہوتا ہے گردن سے

ہنسی آنا قیامت ہے تبسم ہی غنیمت تھا
کلی چٹکی کہ سرد اک آہ نکلی قلبِ گلشن سے

دمِ زینت مرے آتے ہی یہ صورت قیامت کی
جھکا لی آنکھ، آئینہ چھپایا، ہٹ کے دامن سے

الٰہی آیا وہ اب ہم عنقریب اے جوش جائینگے
لپٹ کر روئیں گے جی کھول کر ہم قبر کے مدفن سے

پھانس

پیدا ہوئی خلش وہ دلِ بیقرار میں
مر کر بھی چین آیا نہ کنجِ مزار میں

ہے دل میں درد آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے
بیٹھا ہوں رہگذر پہ تیرے انتظار میں

آسودگانِ خاک کو سمجھو نہ مطمئن
آیا ہے کس کو چین بھلا انتظار میں

کہئے کہ زہر جسم میں پھیلنے لگا یا نہیں
زلفیں سنگھا رہے ہیں مجھے خمار میں

دیکھا ہے جب سے اس کی نگاہوں کو ہو نظر
اک پھانس سی چبھی ہے دلِ بیقرار میں

انتظارِ یار

آتشِ عشق جی جلاتی ہے،
یہ بلا جان ہی پہ آتی ہے

تو ہے اور سیرِ باغ ہے حسرت
داغ ہیں اور مری چھاتی ہے

کلام امیر

بتلا ہے یادِ رُخ میں تو کھلتا ہے طفلِ اشک — یوسف کے خاندان کا میں نورِ دیدہ ہوں
شبنم کے لئے امیر ملے ہیں مجھے نصیب — گل ہنس پڑے چمن میں جو میں آ بیٹھا ہوں

دل بیمار

سچ کہو تسکین دل میں اپنی جانِ زار کو — سچ کہو سچا ہی سمجھوں وعدۂ دلدار کو
صبح ہونے آئی چین اسکو کسی پہلو نہیں — کروٹیں کب تک بدلواؤں دلِ بیمار کو

ہم جن کے لئے

یا خدا اُٹھ جائیں کچھ دن کے لئے — چھانتے ہیں خاک ہم جنکے لئے
کیا اُجاڑا آشیاں صیاد نے — بلبلیں کیوں پھرتی ہیں تنکے لئے

بہ گیا!!

پوچھ لو اپنی پریشاں زلف سے — حال میرا کہہ رہی ہے مو بمو،
ہائے اب تو مانگتے ہیں مجھ سے دل — بہ گیا . . . آنکھوں سے جب ہو کر لہو

اپنا لہو پیوں

جیے یار گر پیوں تو میں اپنا لہو پیوں — ساقی اُٹھا کے پھینک دے جامِ شراب کو
ہم بھی تو دیکھیں کہ پری ہو کہ حور ہو — لِلّٰہ اپنے منہ سے اُلٹ دو نقاب کو

انتظارِ یار

اے انتظارِ یار ہے تیری مدد کا وقت — آنکھوں سے بوجھ اُٹھ نہیں سکتا ہے خواب کا
آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں ہم — بیدار گو ہیں پر وہی عالم ہے خواب کا

لختِ دل

کسی کے ہجر میں اب جوشِ گریہ یہ ہوتا ہے — کہ آنسو کی جگہ ٹکڑے ہیں دل کے نوکِ مژگاں پر
اسی باعث دمِ بسمل تڑپتے ہیں ہم اے قیصر — کہ چھینٹیں پڑ نہ جائیں خون کی قاتل کے دامن پر

روزِ حساب

پل پل جب انگلیوں پہ گنے ہم نے روزِ ہجر — اپنے حساب تو وہی روزِ حساب تھا

زندگی کے لالے

پڑے تو ہیں اب زندگی کے لالے   یہی تو ہیں آخری سنبھالے

ستارے نکل آئے

رخصت وہ ہوا اشک ہمارے نکل آئے   خورشید کے چھپتے ہی ستارے نکل آئے

گریۂ رائیگاں

جو گریہ ہجر میں کیا رائیگاں گیا   جو آہ مدعا میں کی بے اثر ہوئی

انجامِ شمع

مجھے معلوم ہے جو شمع کا انجام ہوتا ہے   مرے دل کی طرح جلکر تیری محفل سے نکلیگی

بُو رہ جائیگی

وہ میرے گل اس لئے چھوتے نہیں   ہاتھ میں پھولوں کی بُو رہ جائیگی

آتشِ فرقت

آتشِ فرقت بھری ہے مجھ میں اتنی وقتِ قتل   بہ نہ جائے پانی پانی ہو کے خنجر دیکھئے

کسی کی تصویر

شاید دلِ بیتاب کو تسکین ہو پہنچے   کھنچواکے رکھوں سینے پہ تصویر کسی کی؟

زندگی کے عوض محبت

تیری جدائی نے یہانتک مجھے ملول کیا   کہ زندگی کے عوض محبت کو قبول کیا

آزار کو رنج

وہ ہو دیاری الفت سے دلِ زار کو رنج   جس سے تو رنج کو آزار ہو آزار کو رنج

پلنگ ہو کر

...سم بید بن گیا ہے جو خواب آنکھوں میں تو بچتا ہے   کہ پھاڑ کھانیکو دوڑتا ہے پلنگ تجھ بن پلنگ ہو کر

پسا نہ کرتے

نہ کرتے اس کی برنگِ حنا جو پابوسی
تو مثلِ برگِ حنا یوں پسا نہ کرتے ہم

دل کی نگہبانی

مصروفِ ختم دل کی نگہبانیوں میں ہم سینے کا چاک سینے کی فرصت کہاں ہمیں

خیال نہ تھا

حضور خواب میں آئینگے یہ خیال نہ تھا تمام شب میں رہا انتظار میں بیدار

دل کا تبادلہ

دل میرا تجھ کو ملے اور تیرا دل مجھ کو تو ہو کچھ درد سے آگاہ میں بیدردی سے

جدائی

دل کے دو حرف ہیں وہ بھی ہیں جدا ایک سے ایک صفحۂ دہر پہ یک دل نہ ہوا ایک سے ایک

تیرا بُرا ہو

اے گردشِ ایام زبوں تیرا بُرا ہو اس فصلِ بہاری میں وہ گل ہم سے جدا ہو

بیکسی

کہ جس کی راندن بن لوگ گلندی ہو یا روئیں پڑا رویا کرے وہ داغ بیکس اس طرح تنہا

نہ لگی آنکھ

نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی عشق میں خواب کا خیال کسے

پھاہا سرکا ہے

زخمِ جگر کا شاید سرکا ہے اس کے پھاہا بہنے لگا لہو پھر آنکھوں سے کچھ حسن کی

بے اجل موت

آنکھیں جو بند تھیں ہیں دم نکل گیا مر کس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا

عنابی رنگت

مدتوں رنگت مری آنکھوں کی عنابی رہی سالہا یادِ لبِ رنگیں میں رویا اشکِ خوں

شوخیِ تحریر

کٹ گئے حرف اک تیری شوخیِ تحریر سے خط کا ہر فقرہ سوا ہے خنجر و شمشیر سے

تغافلِ یار

نہ بہار پر وہ خزاں سے تھا نہ خزاں پہ تھا وہ بہار کے — مرے دل پہ صدمہ جو کچھ ہوا وہ ہوا تغافلِ یار سے

ناامیدیٔ وصال

کسی کا وصل محال ہے ایسا ہی یاد تنگ ہے گل — وہاں غنچوں نے رنگ اپنا جما لیا اور جا

خونیں اشک

اشکِ خونیں نہ بہا جوشِ جنوں میں غافل — رنگ بھرنے سے یہ تصویر بگڑ جاتی ہے

مجبوری

نہ پیری میں ستاتے محنتِ عشق — اٹھائی تھی نہ میرے صدمے جوانی

ساون کا مزہ

مزہ ساون کا دیکھو تو مری آنکھوں میں آ بیٹھو — سفیدی ہے سیاہی ہے شفق ہے ابرِ باراں ہے

کیا حکم ہے!

انہیں کیا حکم ہے ضبطِ محبت — کچھ آنسو آ گئے ہیں چشمِ تر تک

پھولے پھلے رہے

خزاں نے کیا بگاڑا آ کے ہم سے تحفہ جانوں کا — رہے پھولے پھلے دل داغِ جگر سے لگے چھالوں سے

دم نہ دے

کوئی غم کی بھی حد ہے غم نہ دے اب — دم آیا ہے لبوں پہ دم نہ دے اب

سوزِ نہاں

عیاں کیونکر کروں دل کے سوزِ نہاں کو — لگے آگ جوں شمع میری زباں کو

کیا غرض ہے!

تو خود ان کو نامۂ عریضہ نہ کر انتظار اکبر — انہیں کیا غرض ہے ایسی کہ ترا مزاج پوچھیں

گفتارِ غم

غم دم سے کہہ رہا ہے نکلنا نہ زینہار — اٹکا ہوا ہوں دل میں فقط تیرے دم سے میں

اشارۂ شبنم

گل سے یہی اشارۂ شبنم ہے باغ میں — رونے کا یہ مقام ہے ہنسنے کی جا نہیں

مزید پژمردگی

اس سے نوا و راگ وہ بے درد ہو گیا — اب آہِ آتشیں سے بھی دل سرد ہو گیا

ایسا نہ ہو

مت صبح و شام تو پئے ایذائے میر ہو — ایسا نہ ہو کہ کام ہی اس کا اخیر ہو

رات آنکھوں میں

سودا تیری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات — اب آئی سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

سو گیا ہے

سرہانے میر کے آہستہ بولو — ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

ابھی آنکھ لگی

سودا کے جو بالیں پہ مچا شور قیامت — خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

آرزو

جی میں آتی ہے کہ آج اپنا کلیجہ چیر کر — [illegible]

آزردگی

معاذ اللہ اس آزردگی کا کیا ٹھکانا ہے — جو پوچھا [illegible]

سوزش دل

دوزخ کو بھی مات کر دیا ہے — اے سوزش [illegible]

دیکھتا نہ ہو

کہتے ہیں وہ میر دیکھنے پر — دیکھو کوئی دیکھتا نہ ہو

اثر غم

گر دل میں اثر نہ تیرے غم کا ہوتا — کاہے کو یہ یوں تڑپنا ہوتا

دلرُبا بنکے ستاتا ہے

چٹکیاں لیتا ہے پہلو میں مرے آٹھ پہر
دلرُبا بن کے ستاتا ہے میرا دل مجھ کو

شبِ غم

شبِ غم کون ترس کھا کے ہے سونیوالا
کبھی رو لیتا ہوں میں دل کو کبھی دل مجھکو

چوبِ صحرا

نہ پوچھ حال میرا چوبِ خشک صحرا ہوں
لگا کے آگ مجھے کارواں روانہ ہوا

جسم انگاروں میں

پھنک رہا ہوں ہجر میں اور دھیان رخسار وں میں ہے
جان بچھوؤں میں پڑی ہے جسم انگاروں میں ہے

خوفِ بدہضمی

دل نہ آبادی میں لگتا ہے نہ ویرانے میں
خوفِ بدہضمی ہے ناصح ہمیں غم کھانے میں

چمن زارِ محبت

چمن زارِ محبت میں خموشی موت ہے بلبل
یہاں کی زندگی پابندیٔ رسمِ فغاں تک ہے

سوزِ دل

محفل کے بیچ سنکے میرے دردِ دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

حساب

ظالم میری وفا کا جو لیتا ہے تو حساب
اپنی جفا و ظلم کا کچھ بھی شمار ہے

دوائے دردِ سر

جُدا ہی کر دیا تیغِ جفا سے
بہت اچھی دوائے دردِ سر کی

بھولے بھالے

بھولے بھالے ہیں حسیں جور و جفا کیا جانیں
چاہنے والے ہی کمبخت سکھا دیتے ہیں

آسرا جاتا رہا

نیند نے بھی اب تو یاں آنیکی کھالی ہے قسم
خواب میں بھی دیکھنے کا آسرا جاتا رہا

چشمِ تر

ہم زیرِ خاک بیکسی جو یہ چشمِ تر گئے اندھے کنوئیں تھے جتنے وہ پانی سے بھر گئے

تکیہ

شبِ وصال وہ سر رکھ کے جن پہ سوتے تھے تڑپ رہا ہوں تو تکیہ گلے لگائے ہوئے

میرے نالے

کھاتا ہے چرخ خیال میرے نالوں کے سامنے جبریل فلک کو رکھ لیا بھالوں کے سامنے

حالتِ تنہائی

تاب و توان و ہوش و خرد سارے چل بسے جس وقت میرے پاس سے وہ دلستاں اٹھا

گرمجوشی

تصور گرمجوشی یار کی مجھ کو رلائیگی بہت گرمی کا ہونا مینہ برسنے کی علامت ہے

اندھیری رات

میرا دل اس کی زلفوں میں ہوا گم آج اے ترسا اندھیری رات ہے ڈھونڈوں تو ڈھونڈوں میں کدھر جا کر

دم گھڑی بھر

اٹھ کر مری بالیں سے وہ جاتے ہیں دمِ نزع باتوں میں گھڑی بھر کوئی دم تھمے

پھانس

خیالِ ابرو رہا جو اکثر تو چلتے خنجر رہے جگر پر یہ کس کی مژگاں کا ہے اثر ہے کہ پھانس دل میں کھٹک رہی ہے

گرم نالے

نہ جلا تجھ سے قفس میں سے چمن پھونک دیا دیکھیے گرمیِ تاثیر ہے نالوں میں بلبل

مر نہ جاتے

آئینگا آپ ہم سے وعدہ جو کر نہ جاتے کیوں ہم تڑپ سسکتے رہتے کہ مر نہ جاتے

نخلِ امید

رو رہا ہوں میں شبِ ہجر جو اے نخلِ امید پانی دیتا ہوں تجھے خوب سے سینچنے کے لیے

غم کا غم

مر گیا اپنے غم نہیں، پر غم یہ ہے کہ غم ۔۔۔ بے کس ہوا، غریب ہوا، بے وطن ہوا

مقدر کا پھیر

آئے ہیں اُس جہاں جہاں کے دیر ہو ۔۔۔ کچھ مقدر کا ہمارے پھیر ہے

کانٹا سا

درد کہتا ہے کہ ہوں ضبط فغاں تک دے لیں ۔۔۔ ساتھ نالوں کے ہیں کانٹا سا نکل جاؤنگا

آپس کی بات

تم مجھ سے فیصلہ یہیں کر لو تو خوب ہو ۔۔۔ آپس کی بات جائے نہ پروردگار تک

خنجرِ ابرو

پھرنا اچھا نہیں آنکھوں میں تیری ابرو کا ۔۔۔ اس سے بہتر تھا مرے حلق پہ خنجر پھرنا

جسمِ ناتواں

ملتا نہیں کفن میں میرا جسم ناتواں ۔۔۔ منکر نکیر ڈھونڈ رہے ہیں مزار میں

خونِ دل

شربت کا گھونٹ جان کے پیتا ہوں خونِ دل ۔۔۔ غم کھاتے کھاتے منہ کا مزا تک بگڑ گیا

اثرِ فرقت

ہر بُنِ مو سے آہ کرتا ہوں ۔۔۔ اُس طرف جب نگاہ کرتا ہوں

داستانِ درد

سکوت آموز طولِ داستانِ درد ہے ورنہ ۔۔۔ زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

بیکار زندگی

رو کے کہتے کیوں ہو اجل کو ہجر میں آنے بھی دو ۔۔۔ زندگی بیکار ہے اب ہم کو مر جانے بھی دو

ناکامیِ قسمت

وائے ناکامیِ قسمت کہ اجل بھی شبِ غم ۔۔۔ راستہ بھول گئی ہے مرے غمخانے کا

ہائے

دل دھڑکتا ہے اشک بہتے ہیں ہائے ہم کس بلا میں رہتے ہیں

ہجر جاناں

جو نہ آئے خبر قاصد تو اسکی مہربانی ہے وگرنہ ہجر جاناں میں یہ مرجانیکی ٹھانی ہے

تمہارا گھر

مجھ سے پردہ ہے تو کیوں چھپتے ہو نظروں میں مری مجھ سے نفرت ہے تو کیوں گھر ہے تمہارا دل میں

جل بھی چک

دم گھٹا جاتا ہے کبتک سہے کوئی عذاب جل بھی چک اے دل پرسوز دھواں ہوتا ہے

میری قسمت

میری قسمت میں تھا کہ اشک پرویں پھر موتی بے دانے دانے

صورت عشق

اشک آنکھوں میں چلیں دل میں کسک سینے میں ہر جگہ عشق کی جلتی ہوئی صورت دیکھی

نمونۂ محن

دل مجنوں پہ آبلہ سے ہیں [illegible]

انتخاب از [illegible]

ہر سو سے صدائے گریہ آئی انجام پہ [illegible] چھائی

ایک ہو کا مکان بن گیا باغ [illegible] داغ

گلبرگ کی بجائے پھول نکلے [illegible]

شبنم نرگس پہ جو پڑی تھی گویا کہ وہ اشک کی جھڑی تھی

اتنا دوری کے غم سے بین تھی آنکھوں کی بصارت [illegible] ہوئی

منہ کو غم ہجر میں یہ پیٹا سوسن کا رنگ ہو گیا نیلا

[illegible] [illegible] کھایا

ہر طرف حباب اٹھتی تھی گرد صد برگ الم سے ہو گیا زرد

سنبل ہوئی غم سے مو پریشاں گل نے کیا اپنا چاک داماں
اشجار جو سرو کے لگے تھے وہ آہ کی شکل بن گئے تھے
چڑیوں کی ہوئی تھی بند منقار طاؤس تھے ناچنے سے بیزار
کوئل کی رکی تھی زبان گویا بولا بھی پپیہا گر تو رویا
غم سے حالت جو سکتہ کی تھی چلنے سے صبا رکی ہوئی تھی
محزوں تھے وحشیانِ صحرا چرنا موقوف کر دیا تھا

آہ وزاری۔ اضطراب

کلیجے کا داغ

زینہ نہ بامِ عرش کا اتنا بلند تھا میری دعا کو بابِ اجابت ہی بند تھا
تیرِ اجل کو آہ نہ درماں پسند تھا اچھا ہوا کسی سے نہ! وہ دردمند تھا

دھڑکن گئی نہ دل کی نہ دردِ جگر گیا
بالیں سے ناامید تری چارہ گر گیا

وہ آہ تیری چاند سی صورت کدھر گئی آنکھوں کا نور دل کی صباحت کدھر گئی
ہونٹوں کی لال لال وہ رنگت کدھر گئی بچپن کے مسکرانے کی عادت کدھر گئی

ہونٹوں پہ اب ہنسی ہے نہ جنبش زبان کو
کیا جانے کیا ہوا میری ننھی سی جان کو

چہرے سے آہ یوں ہے صباحت اڑی ہوئی جیسے خزاں میں پھول کی نکہت اڑی ہوئی
دل سرد جسم سے ہے حرارت اڑی ہوئی رخ سے گلاب کی سی ہے رنگت اڑی ہوئی

آنکھیں کنول سی ہیں نہ وہ چہرہ ہے پھول سا
تو گو ہے آج کچھ میرا ننھا ملول سا

پنہاں اجل کا دستِ ستم آستیں میں ہے مجھ کو خبر نہ تھی کہ یہ ظالم کمیں میں ہے

آنکھوں میں نور ہے نہ صباحت جبیں پہ ہے — قالب یہاں ہے روح بہشت بریں پہ ہے

زانو پہ سو گیا مرے سر رکھ کے آہ تو

کھولیگا آنکھ کب مرے نورِ نگاہ تو

گو مجھ سے اب نگاہ نہیں آشنا تری — مجھ کو مگر ہے آہ وہی مامتا تری

اگلی سی وہ اگرچہ نہیں ہے ادا تری — اس غم میں بھی شبیہ ہے تسکیں فزا تری

تو کوئی دم میں خاک کا پیوند ہی سہی

بوسے تو لے رہی ہوں میں لب بند ہی سہی

صبر و سکوں کا کر نہ سفینہ تباہ تو — ماں کا سمجھ کے توڑ دلِ داد خواہ تو

بے نور آنکھ ہے مری نورِ نگاہ تو — یعنی ہے مجھ غریب کا روزِ سیاہ تو

میں نے سمجھ کے خاک کا پتلا زمین کو

حافظ خدا ترا تجھے سونپا زمین کو

ایذا سے جانِ زار جو کاہش طلب رہی — دن بھر پسر کی یاد میں مضطرب رہی

جب نصف شب گذر گئی اور نصف شب رہی — دل میں نہ آہ طاقتِ رنج و تعب رہی

نیند آگئی تو طرفہ تماشا نظر پڑا

اک کنج پُر فضا لبِ دریا نظر پڑا

پچھلے پہر کا وقت تھا جاں بخش تھی ہوا — اور میرے ساتھ تھا مرا نخلِ تمنا

صورت تھی پیاری پیاری وہ معصوم دلربا — اک پھول تھا گلاب کا گویا کھلا ہوا

پھولوں کی بو سے بادِ صبا عطر بیز تھی

سر پر شعاع نور کی اک جلوہ ریز تھی

چہرے پہ نور کی جو کرن تھی چمک رہی — تھی گرد سے گلوں پہ نئی جھلک رہی

وقتِ خرام نازکمر تھی لچک رہی — شبنم اُدھر گلاب تھی رخ پہ چھڑک رہی

رخ پر جو چاندنی نے اجالا تھا کر دیا

مکھڑے کا اور حسن دوبالا تھا کر دیا

کہتا تھا ہنس کے مجھے یوں گل کہ کے پھول　　کس رنگ کے یہ گل ہیں یہ ہیں کس ادا کے پھول
کلیاں گلاب کی ہیں نہ یہ موتیا کے پھول　　دلکش عجب ہیں اس چمن دلکشا کے پھول

دنیا کی وہ ہوا نہیں چھو بھی نہیں گئی
اُڑ کر ہے اُن کی خلد سے بو بھی نہیں گئی

اس کنج دلنشیں کی ہے آب و ہوا پسند　　دنیا کی اب نہیں مجھے آب و ہوا پسند
ہو جس کو خلد کا چمن دلکشا پسند　　کانٹوں کے دہر کے وہ کرے آہ کیا پسند

دنیا سے آہ اب مجھے دلبستگی نہیں
میں شاد ہوں کہ مجھ کو غم خستگی نہیں

میں جانتا ہوں ضبط کی عادت ہے کم تمہیں　　برسوں رُلائیگا مرے مرنے کا غم تمہیں
ڈھارس بندھاؤں دل کو عبث ہے الم تمہیں　　رونا نہ اب مجھے مرے سر کی قسم تمہیں

اشکوں سے میرے غم میں نہ آنکھوں کو تر کرو
دنیا میں کچھ دنوں خوش و ناخوش بسر کرو

سرور

آہ وزاری

قسمت ہماری ان دنوں کیسی بدل گئی　　ہاتھوں میں میرے وہ پری آ کے نکل گئی
اک روز میرے یار کے ابرو جو بل گئے　　لاکھوں سپاہ کٹ گئی تلوار چل گئی
شعلہ ہماری آہ کا ایسا ہوا بلند　　بجلی تڑپ کے چرخ کہن سے نکل گئی
اے وائے انقلاب زمانہ کے جور سے　　دہلی ظفر کے ہاتھ سے پل میں نکل گئی

ظفر

چڑیا کی آہ وزاری

اے بد نہاد لڑکے اے نابکار لڑکے　　یہ کیا کیا خدا کی تجھ پر ہو مار لڑکے
نازل غضب خدا کا تجھ پر اسی گھڑی ہو　　اور موت لیکے خنجر سر پر ترے کھڑی ہو
ظالم خدا کرے تو بچپن میں جان کھوئے　　میری طرح سے تیری ماں زار زار روئے
بے رحم کیا بگاڑا ان بے پروں نے تیرا　　نقصان کیا کیا تھا ان بے گھروں نے تیرا
اب تک نہ ننھے انھوں نے سفاک پر نکالے　　میرے غریب بچے پیارے وہ بھولے بھالے

کن کن مصیبتوں سے تھا آشیاں بنایا — لالا کے تنکا تنکا تھا گھر یہاں بنایا
وہ گھر کہیں پڑا ہے بچے کہیں پڑے ہیں — دُور از مکاں ویراں بچے کہیں پڑے ہیں
وہ میرا گھر میں آنا اُن کا وہ چہچہانا — اُن کا وہ لاڈ کرنا میرا وہ صدقے جانا
کن کن دُکھوں سے ہائے بچوں کو میں نے پالا — پڑنا تھا ولے قسمت اس دُکھ سے پالا

مٹی پہ ہائے بچیاں پڑے ہوئے ہیں
کس نیند میں یہ میرے ناداں پڑے ہوئے ہیں

افسوس نسلِ انساں تجھ میں وفا نہیں ہے — کہتے ہیں اُنس جس کو تجھ میں ذرا نہیں ہے
تیغِ جفا سدا ہے تیری میاں سے باہر — جور و جفا میں تیرے حدِ بیاں سے باہر
ہمسائیگی میں آکر تیرے مکیں ہوئے تھے — لچھن تیرے مگر ہم کچھ جانتے نہیں تھے
سختی تیری ستمگر کتنی ہے بیکسوں پر — یہ ظلم بے تحاشا یہ جبر بے بسوں پر

غدار بیوفائی تیری سرشت میں ہے
تیرا یہی وطیرہ دُنیائے زشت میں ہے

نزدیک نسلِ انساں ہرگز نہ کوئی آئے — اپنے جگر پہ زخمِ تیغِ ستم نہ کھائے
اس میل جول کا گر انجام جانتی میں — کمبخت دل کا کہنا ہرگز نہ مانتی میں
جنگل میں جا کے اپنا میں آشیاں بناتی — خطرے میں [illegible] ہرگز [illegible]

میں [illegible] جنگل میں لا کے [illegible]
جبتک نہیں ہیں تیرے بچے کس میرے سینے

مجھ پر ستم ہوا ہے اے جسم و جاں کے مالک — اے داد گر زمیں کے اے آسماں کے مالک
میں بے زباں ہوں کرتی فریاد تیرے آگے — کتنی ہوں بے غم کی [illegible] آگے

اب کس طرف کو جاؤں میں بے زبان چڑیا
میں غم کی ماری چڑیا میں بے زبان چڑیا

بے اختیار رویا

میری طرح نہ اک دن ابرِ بہار رویا — وہ یک بہار رویا میں [illegible] رویا

مجنوں سے میں نے پوچھا کل حال بیخودی کا — کچھ کہہ سکا نہ منہ سے پر زار زار رویا
کیا بیکسی کا عالم میرے مزار پر ہے — جو آگیا وہ بن کر شمع مزار رویا
آواز دے رہے ہیں مقتل میں زخم بسمل — خنداں ہوا جو پہلے انجام کار رویا
پوچھی امیر سے کل میں نے جو دل کی حالت — سینے پہ ہاتھ رکھ کر بے اختیار رویا

آہ وزاری

ہائے وہ دن کہ دید ہوتی تھی — ہائے وہ دن کہ عید ہوتی تھی — تیرہ بختی سے تھی نجات مجھے — رات دن جب تھی شب برات مجھے
صدمۂ ہجر کا ملال نہ تھا — غم و اندوہ کا خیال نہ تھا — قلب رنگین تھا اک دفتر شوق — تھی میسر بہار منظر شوق
زہر آگیں وہ شکریں لب تھے — شور بختی کے یہ گلے کب تھے — انس رہتا تھا چاہ رہتی تھی — مجھ پہ اس کی نگاہ رہتی تھی
کیا ہوا اب جو التفات نہیں — وہ عنایت نہیں وہ بات نہیں — میں ہوں اور رنج تنہائی — اے خدا کیوں نہ مجھ کو موت آئی
آہ وزاری میں کچھ نہیں تاثیر — تجھ پہ پتھر پڑیں مری تقدیر — جان پر بن گئی مری مشکل — آفتوں میں پھنسا ہوا ہے دل
ہائے زندوں میں گن رہا ہوں — رات دن اس کو یاد کرتا ہوں

تیری تصویر مجھے

کس لئے کرتے ہو شرمندۂ تقصیر مجھے — کہ خطائیں ہیں مری آپ ہی تعزیر مجھے
یاد پھر آگئی وہ زلف گرہ گیر مجھے — کر لے اے موج ہوا بستۂ زنجیر مجھے
چند سطریں نظر آتی ہیں جو بالائے جبیں — کوئی سمجھائے ان آیات کی تفسیر مجھے
کلک قدرت سے رقم ہو گئے یوں نام بنام — جلوۂ حسن تجھے نالۂ شبگیر مجھے
میں کبھی روضۂ رضواں میں تھا گلچین جمال — آہ لے آئی کہاں گردش تقدیر مجھے
اس جفا جو کو لکھا تھا کبھی قسمت کا گلہ — حشر میں اس نے دکھا دی وہی تحریر مجھے
ناوک ناز نے بسمل کیا دل کو ایسا — ایک عالم نظر آنے لگا نخچیر مجھے
زندگی کا یہی حاصل ہے فنا ہو جانا — مل گئی خواب ہی میں خواب کی تعبیر مجھے
کبھی اس دیر کہن میں نہ کیا عزم قیام — شکست بنیاد نظر آئی یہ تعمیر مجھے
تیرے غصے کی ادا کھب گئی دل میں ایسی — ہر قدم پر نظر آنے لگی تقصیر مجھے
میری ہمت کبھی تقدیر کی قائل نہ ہوئی — کہ پسند آگئی ناکامی تدبیر مجھے

تپشِ دل جو بڑھی ہوش کا پردہ سرکا
بیخودی میں نظر آئی تری تصویر مجھے

ایک دنیا ہے مری نظروں میں ہر نقشِ قدم
آپ رہبر ہوں تو کیونکر نہ ہو تحیر مجھے

نہ زمیں کی ہے ہوس اور نہ زر کی خواہش
مل گئی جب سے اثر عشق کی جاگیر مجھے

آہنگِ اضطراب

نگہِ ناز کرے شوق سے برباد مجھے
ہے مرا ذوقِ نظر مانعِ فریاد مجھے

ہائے وہ عہدِ تمنا وہ مرا جذبۂ شوق
ایسا بھولا ہے کہ آتا ہی نہیں یاد مجھے

صورتِ حرف مٹائے ستم ایجاد مجھے
خوگرِ ضبط ہوں آتی نہیں فریاد مجھے

ڈھونڈتا ہوں نظر آتا نہیں اس کا جلوہ
شوقِ دیدار کئے دیتا ہے برباد مجھے

ہم نفس بس مری رودادِ دنیا ہی یہ ہے
رحم آیا انہیں جب کر چکے برباد مجھے

تیرے اقرارِ وفا کو وہ مرا دہرانا
وہ ترا ناز سے کہنا کہ نہیں یاد مجھے

سخت مجبور ہوں میں ضبطِ الم سے ثاقب
خود مری آہ نہ کر دے کہیں برباد مجھے

نہیں اعتبار ہوتا

میرے بس میں یا تو یارب وہ ستم شعار ہوتا
یہ نہ تھا تو کاش دل پر مجھے اختیار ہوتا

میں ہوں نامراد ایسا کہ بلک کے یاس روتی
کہیں پا کے آسرا بے کس امیدوار ہوتا

وہ مزہ دیا تڑپ نے کہ یہ آرزو ہے یارب
مرے دونوں پہلوؤں میں دلِ بے قرار ہوتا

میں زباں سے تم کو سچا کہو لاکھ بار کہہ دوں
اسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا

صدائے درد

بس سکا رہا ہے کوئی جینا رکھا نہ مارا
[illegible] مجھے [illegible]

سنتے ہو درد مندو یا پھر کہوں دوبارہ
دل میرود ز دستم صاحب دلا خدا را

دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

کیا ہے؟

میرے جاں نثار کیا ہی میرے غمگسار کیا ہے
تجھے کیوں ہے آج اتنی الجھن دلِ فگار کیا ہے

کوئی پھانس کیا چبھی ہے کوئی چوٹ کیا لگی ہے
کوئی گریہ سبب بھی دلِ اشکبار کیا ہے

نہ یہ کاوشیں ہیں اس میں نہ یہ سوزشیں ہیں اس میں — تیرے جوشِ غم کے آگے غمِ روزگار کیا ہے
تجھے کیوں ہے اسکی خواہش کہ وہ آئیں تیرے گھر میں — یہ بتا کسی کے دل پر تیرا اختیار کیا ہے

اضطراب و آہ وزاری

(بصورت وصیت)

رنج کرنا نہ میرا ہیں قربان — سُن لو گر اپنی جان ہے تو جہان
دل میں کڑھنا نہ مجھ سے چھُوٹ کے تم — جان دینا نہ گھونٹ گھُونٹ کے تم
آکے رو دینا میری قبر کے پاس — تا نکلجائے تیرے دل کی بھڑاس
آنسو چُپکے سے دو بہا لینا — قبر میری گلے لگا لینا
اگر آجائے کچھ طبیعت پر — پڑھنا قرآن میری تُربت پر
غنچۂ دل میرا کھلا جانا — پھُول تُربت پہ دو چڑھا جانا
رو کے کرنا نہ اپنا حال زبُوں — یُوں نہ ہو جائے دشمنوں کو جنوں
میرے مرقد پہ روز آنا تم — فاتحہ سے نہ ہاتھ اٹھانا تم
ہے یہ حاصل سب اتنی باتوں سے — مٹی دینا تم اپنے ہاتھوں سے
دل پہ کچھ آنے دیجیو نہ ملال — خواب دیکھا تھا کیجیو یہ خیال
ہے کسی جا یہ جشن شام و پگاہ — کسی جا ہے صدائے نالہ و آہ
مرگ کا کس کو انتظار نہیں — زندگی کا کچھ اعتبار نہیں
پھر ملاقات دیکھیں ہو کہ نہ ہو — آج دل کھول کے گلے مل لو
حشر تک پھر یہ ہوگی بات کہاں — ہم کہاں تم کہاں یہ رات کہاں
خاک میں ملتی ہے یہ صورتِ عیش — پھر کہاں ہم کہاں یہ صورتِ عیش
ختم ہوتی ہے زندگانی آج — خاک میں ملتی ہے جوانی آج
چین دل کو نہ آئیگا تم بن — اب کے بچھڑے ملینگے حشر کے دن

کلام الملوک

بات کرنی ہمیں مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی — جیسی اب ہے تیری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

لے گیا چھین کے اب کون ترا صبر و قرار
بیقراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

عکسِ رخسار نے کس کے تجھے چمکایا
تاب تجھ میں مہِ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی

اب کے جو راہِ محبت میں اٹھائی تکلیف
سخت ہوتی ہمیں منزل کبھی ایسی تو نہ تھی

پائے کوباں کوئی زنداں میں نیا ہے مجنوں
آتی آوازِ سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی

نگہِ یار کو اب کیوں ہے تغافل اے دل
وہ ترے حال سے غافل کبھی ایسی تو نہ تھی

چشمِ قاتل مری دشمن ہے ہمیشہ لیکن
جیسی اب ہو گئی قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی

کیا سبب ہے جو بگڑتا ہے ظفرؔ سے ہر بار
خو تری حورِ شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی

صحرا نوردی

آنکھوں کی حالت

آنکھیں ہزاروں پھوٹتی ہیں ہو کے آبلے
سر اس گلی میں ٹھوکریں کھاتے ہیں ننگے پاؤں

برہنہ پائی

سرخ ہو جائیں دشت کے کانٹے
جب مزہ ہے برہنہ پائی کا

پاؤں کی چھاگلیں

پاؤں کی چھاگلیں جو سمجھتے ہیں خارِ دشت
آتے ہیں دوڑ کر مرے چھالوں کے سامنے

پھوٹ کے رونا

چھالوں کو جہاں چھیڑتے ہیں دشت میں کانٹے
سب پھوٹ کے روتے ہیں غریبی تو کیا چیز

ٹوٹ جانا خار کا

مانے صحرا نوردی پاؤں کی ایذا نہیں
دل دکھ دیتا ہے لیکن ٹوٹ جانا خار کا

پانی چرانا

آبلوں نے پاؤں کے پانی چرایا اس قدر
تشنگی سے پڑ گئے کانٹے زبانِ خار پر

تشنگی

تا چند کریں ضبط میرے آبلہ پا
کانٹوں کی زباں خشک ہوئی دیکھ رہے ہیں

آبلو! اللہ پانی دو

فی سبیل اللہ پانی اِنکو دو اے آبلو
کانٹے اب دیکھے نہیں جاتے زبانِ خار کے

آئینہ

عشق میں آئینہ رووں کے ہوا صحرا نورد
بن گیا ہے پاؤں کا چھالہ سفر میں آئینہ

آئینے رکھ رکھ کے

کیا کیا بناؤ کرتے ہیں خارِ رہِ جنوں
رکھ رکھ آئینے مرے چھالوں کے سامنے

میں بھی آتا ہوں

کہتا ہے خضرِ دشتِ جنوں میں مجھے کہ چل
آتا ہوں میں بھی پاؤں سے کانٹے نکال کے

نالہ

روئے وہ پھوٹ پھوٹ کے پاؤں کے آبلے
نالہ سا ایک سوئے بیابان بہ گیا

کانٹوں میں گھسیٹا

ہر قدم پاؤں میں سر رکھتے ہیں خارِ سرِ دشت
اے جنوں تو نے تو کانٹوں میں گھسیٹا ہمکو

غربال

تلوے چھد چھد کے ہو گئے غربال
ہم نے صحرا کی خاک چھانی ہے

پھوٹ گیا

دشتِ وحشت میں اُسے کانٹوں نے ناحق چھیڑا
ہائے چھالا میری قسمت کی طرح پھوٹ گیا

آبلوں کی موت

آبلے ٹوٹے ہیں نوکِ خار پر
سرکشوں کی موت آئی دار پر

کانٹوں کی التجا

میں اُٹھتا ہوں تو کانٹے پاؤں پڑ پڑ کر یہ کہتے ہیں
ابھی بیٹھو بھی کیوں ویران کرتے ہو بیاباں کو

جنون

برہم مزاجی

برہم ہے میرا مزاج ساقی　　مے آگ ہے مجھ کو آج ساقی
شیشہ نہیں آبلے سے کچھ کم　　ساغر نہیں ہے یہ چشم پُر نم

اُستاد

صحرا میں مجھے دیکھ کے مجنوں یہ پکارا　　اس وقت مدد کیجیے استاد ہماری

ہوا ہے کون دیوانوں میں آرائش پسند ایسا　　کہ اُٹھو کر رہے ہیں خضر داماں بیاباں پہ

بے اختیاری

دیکھتے ہی شوق نے ایسا کیا بے اختیار　　حال دل کہنے لگے ہم یار کی تصویر سے

سختی ایام

سختی ایام دوڑی آتی ہے پتھر لئے　　کیا میرا نخلِ تمنا بار ور ہونے لگا

بیکاری

گریباں پھاڑنا گلیوں میں پھرنا پھر غنیمت تھا　　جنوں کا شغل جب سے آج چھٹ بے کار بیٹھے ہیں

جوش جنوں

زنجیر میں بھی نالۂ زنجیر کی طرح　　جوش جنوں سے رہتے ہیں جو نہ نیوں میں ہم

جنوں سے میرے مجنوں بھاگتا جیسے بگولا ہے　　کہیں صورت ہوا وحشت کی دیوانی لگ نیولا ہے

واہ رے حسن

حسن بھی آدمی ہے کچھ خفا ہوتے ہو تم جس سے　　خرابا تی جنونی باولا سودائی آوارہ

تیر اندازی

دل کو رکھ دیتے ہیں یہ کہکر کہ ہاں اندازوں میں ہم
اس نشانے کو اڑا دے جو وہ تیر انداز ہے

مزاج پرسی

دشتِ وحشت میں مجھے مجنوں نے دیکھا تو کہا
کس طرح آئے مزاج اچھا تو ہے سرکار کا

دیوانۂ دل

بیٹھے ہیں ہاں در پہ بتوں کے ہم اور دل دیوانے دو
کوئی خدا لگتی نہیں کہتا ان کو اندر آنے دو

دیوانہ پن

کسی صورت نہیں تسکین پاتے تیرے دیوانے
کچھ ان لوگوں میں بھی ہیں نے عجب دیوانہ پن دیکھا

آہ کا اثر

نہ اثر آیا کہاں سے آہ بے تاثیر میں
جھک کے وہ ملنے لگے کھینچتے تھے جو تصویر میں

کس کا نام آیا

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

شراب میں سانپ

پڑا جو سایۂ گیسو جھجک کے ساقی نے
یہ کہہ کے رکھ دیا ساغر کہ ہے شراب میں سانپ

بدحواسی

کسی کے آتے ہی ساقی کے وہ حواس اڑے
شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

عجز ندامت

سوز و گداز عشق کا لذت چشیدہ ہوں
مانند آبلہ ہمہ تن آبدیدہ ہوں

گر تو نہ ہو تو پھر کسی کافر کا دل لگے
دوزخ میں آرمیدہ ارم سے رمیدہ ہوں

نازک مزاجیوں نے مجھے تجھ سا کر دیا
اے بے خبر میں اپنے سے آپ ہی کشیدہ ہوں

پروانہ پاس شمع کے بلبل ہے گل کے پاس
اک میں کہ تیرے نام پہ خلوت گزیدہ ہوں

بیتاب درد ہوں تو دل رازدار ہوں
لبریز شکوہ ہوں تو زبان بریدہ ہوں

اے آرزو نے تازہ نہ کر مجھ سے چھیڑ چھاڑ
میں پائے شوق و دست تمنا بریدہ ہوں

اے داغ جس کے واسطے روز جزا بنا
وہ کون ہے؟ وہ میں ہی آفت رسیدہ ہوں

کلام اکبر

نہ خود رہے نہ حکومت رہی سلیمان کی
کہانی ہو گئی وہ سلطنت پرستاں کی

اسی کے سایہ میں ہوتی تھی میرے دل کی بسر
خدا دراز کرے عمر زلف پیچاں کی

خزاں میں بلبل و گل کا نشان تک نہ رہا
ہوا بدل گئی دو روز میں گلستاں کی

میں اپنی راست روی کو کبھی نہ چھوڑوں گا
حضور وضع کو سیدھی بنائیں بانکی کی

قریب میں بت کافر کے آ گیا ہوں میں
نظر نہیں ہے خرابی پہ دین و ایماں کی

عجب ہے مجھ کو وہ کیوں گردنیں نہیں جھکتیں
جو گردنیں تھیں دبی بار احساں کی

غذائے خون جگر عاشقوں کو کافی ہے
ہوس نہیں مجھے اے چرخ خوان الواں کی

ہمیں نہیں ہیں ہوا خواہ اس چمن میں ترے
صبا بھی ایک تو صاحب ہے تیرے داماں کی

وہ چشم ہوں کہ جو ہے محو جلوۂ توحید
وہ دل ہوں جس پہ تجلی ہے نور ایماں کی

وہ حال ہوں کہ بیاں جس کا دل دکھاتا ہے
وہ شکل ہوں کہ نشانی ہوں [illegible] کی

وہ ذرہ ہوں کہ بیاباں ہے گرد جس کی ہنوز
وہ نقطہ ہوں کہ حقیقت [illegible] کی

وہ درد ہوں جو پیام اجل ہو دل کے لئے
خلش ہوں وہ [illegible] کی

اکبر — سکوت کیوں نہ ہو مہرِ لبِ سخن اکبر	زمانہ میں نہ رہی قدر اب سخنداں کی

تیرے نثار ہوں میں

جہانِ فقر و گدائی کی شہریار ہوں میں	فلک کے گرد نظر میں وہ خاکسار ہوں میں
نگاہِ لطف کی یارب امیدوار ہوں میں	کرم کرم ہمہ تن چشمِ انتظار ہوں میں
نہاں ہے دل میں مرے سوزِ شمع و پروانہ	تعلقِ گل و بلبل کی رازدار ہوں میں
جو میں نے بزم میں کی شرحِ رازِ قربانی	اثرِ سخن سے یہ بولا تیرے نثار ہوں میں
مکینِ عرش پکارا کہ "خانہ خانہ تست"	کہا جو فکر نے "رفعت کی خواستگار ہوں میں"
جدا ہے شیخِ ریائی سے اپنی شانِ گناہ	کہ منفعل ہوں مُقر ہوں گنہگار ہوں میں
مُقرِ جبر ہیں طفلی و شیب مجبوراً	مگر ہے شورِ شباب اہلِ اختیار ہوں میں
مخ علیگڈھ — جو دیکھ لے دلِ حاسد کی آگ اے زرخ	زبانِ شعلہ سے دوزخ کہے نثار ہوں میں

مرتبۂ انکساری

اسفل بھی انکسار سے پاتا ہے مرتبہ	گر کر بڑھا نہال سے سایہ نہال کا

فردِ گناہ

حامد — اک حرف بھی رہیگا نہ اے کاتبِ عمل	دھوتا ہوں آبِ اشک سے فردیں گناہ کی

خراب غلام

داغ ہے بدچلن تو ہونے دو	تو بیں ہوتا ہے اک غلام خراب

اللہ کی پناہ

ایسے گناہ کیئے ہیں کہ اللہ کی پناہ	لکھنے سے جس کے کاتبِ اعمال تنگ ہے

عالمِ مستی

بادۂ حُسن

ایسے ہیں مست بادۂ حسن و جمال کے
میری خبر کہاں انہیں اپنی خبر نہیں

شیخ حرم میں برہمن ہے دَیر میں
ہم کس جگہ ہیں کچھ ہمیں اپنی خبر نہیں

دُنیا ہے طرفہ میکدۂ دہر میں امیر
سب مست ہیں کسی کو کسی کی خبر نہیں

دیدۂ بیہوش

نگاہِ دیدۂ بیہوش ہیں ہم
صدائے نالۂ خاموش ہیں ہم

اپنی تلاش

زر کے خیال میں ہوں نہ فکرِ معاش میں
رہتا ہوں صبح و شام میں اپنی تلاش میں

ساغر واژوں

عالمِ مستی میں جب مجھ کو نظر آئے جناب
میں یہ سمجھا ساقیا، واژوں ہے ساغر آب میں

مستئ حُسن

تکلیف ہوئی کسی جو چولی
سسکی بھر کر ادا سے بولی

آنسویا بہن ذرا اِدھر آ
ڈھیلے میرے بند کر خدارا

ملتا نہیں چین ایک ساعت
دم رکتا ہے دل پہ ہے اذیت

محرم یہ سُن کے اُس نے کھولی
جھنجھلا کے پریم بدا یہ بولی

تھا اُسکو بھی شاق واں سے جانا
کرتی تھی ٹھہرنے کا بہانہ

تھم کر کبھی بالوں کو سنوارا
انگڑائی سے گر خمار اُتارا

آنچل کبھی ساری کا سنبھالا
کانٹا کبھی پاؤں سے نکالا

بِن تال پکھاوج ناچے ہیں

کیا علم انہوں نے سیکھ لیا جو بِن لکھے کو باںچے ہیں
اور بات نہیں منہ سے نکلی بن ہونٹ ہلائے جانچے ہیں

دل اُن کے تار ستاروں کے تن اُن کے طبل طنبچے ہیں
منہ چنگ زباں دل سارنگی پا گھنگرو ہاتھ کمانچے ہیں
ہیں راگ انہیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انہیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

کل بلنے جب بجکر ٹوٹ گئے آواز لگی جب بھرّانے
اور جھم جھم گھنگرو بند ہوئے تب گت کا انت لگے پانے
. . . .
یہ ناچ کوئی کیا پہچانے اس ناچ کو ناچے سو جانے
ہیں راگ انہیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انہیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

جب ہاتھ کو دھویا ہاتھوں سے تب ہاتھ لگے تھرکانے کو
اور پاؤں کو کھینچا پاؤں سے جب پاؤں لگے گت پانے کو
جب آنکھ اُٹھائی ہستی سے جب نین لگے مٹکانے کو
سب کاچھ کچھے سب ناچ نچے اُس رسیا چھیل رجھانے کو
ہیں راگ انہیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انہیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

جو آگ جگر میں بھڑکی ہے اُس شعلے کی اُجیالی ہے
جو منہ پر حسن کی زردی ہے اُس زردی کی سب لالی ہے
جس گت پر اُن کا پاؤں پڑا اُس گت کی چال نرالی ہے
جس مجلس میں وہ ناچے ہیں وہ مجلس سب سے عالی ہے
ہیں راگ انہیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انہیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

سب گھٹنا بڑھنا پھینک اِدھر اور دھیان اُدھر سے پھیرے ہیں
بن تاروں تار ملاتے ہیں جب نٹ نرالا کرتے ہیں
بن گہنے چھب دکھلاتے ہیں بن جوڑے من کو ہرتے ہیں
بن ہاتھوں بھاؤ بتاتے ہیں بن پاؤں ٹھمک گت بھرتے ہیں
ہیں راگ انہیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انہیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

تھا جن کی خاطر ناچ کیا جب صورت اُن کی پائے گئی
کہیں تھاپ پکا کہیں ناچ کیا اور تان کہیں ٹھہرائے گئی
جب چنچل چھبیلے سُندر کی چھب نین کے اندر چھائے گئی
اک مورت چھب کے آگے گئی اور جوت میں جوت سمائے گئی
ہیں راگ انہیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انہیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

سب ہوش بدن کا دور ہوا جب گت پہ کمر ڈنگ بجی
تن بھنگ ہوا دل دنگ ہوا سب آن ہوئے ست بھج

ہیں راگ انہیں کے رنگ بھرے اور بھاؤ انہیں کے سانچے ہیں
جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

کلام مصحفی

معشوق ہوں یا عاشق معشوق نما ہوں
معلوم نہیں مجھ کو کہ میں کون ہوں کیا ہوں

ہوں شاہد تنزیہہ کے رُخسار کا پردہ
یا خود ہی میں شاہد ہوں کہ پردہ میں چھپا ہوں

یہ کیا ہے کہ مجھ پر یہ مرا عقدہ نہیں کھلتا
ہر چند کہ خود عقدہ و خود عقدہ کشا ہوں

مُفلسی

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مُفلسی
کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مُفلسی

پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مُفلسی
بھوکا تمام رات سلاتی ہے مُفلسی

یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مُفلسی

جو اہل علم عالم و فاضل کہاتے ہیں
مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں

پوچھے کوئی الف تو اُسے ب بتاتے ہیں
اور جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں

اُن کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مُفلسی

مُفلس کرے جو آن کے محفل کے بیچ حال
سب جانیں روٹیوں کا یہ ڈالا ہے اُس نے جال

گر گر پڑے تو کوئی نہ لیوے اُسے سنبھال
مفلس میں ہوویں لاکھ اگر علم اور کمال

سب خاک بیچ آ کے ملاتی ہے مُفلسی

جب روٹیوں کے بٹنے کا آ کر پڑے شمار
مفلس کو دیویں ایک تو اوروں کو دیویں چار

گر اور مانگے وہ تو اُسے جھڑکیں بار بار
مفلس کا حال آہ بیاں کیا کروں میں یار

مفلس کو اس جگہ بھی چباتی ہے مُفلسی

مُفلس کو کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر — دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر — جس طرح کتے لڑتے ہیں اک استخوان پر
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مفلسی

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی وہ کام آہ — مُفلس کرے ہے اسکے تئیں انصرام آہ
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانے حرام آہ — کہتے ہیں جس کو شرم و حیا ننگ و نام آہ
وہ سب حیا و شرم اڑاتی ہے مفلسی

نقاش پر بھی زور جب یہ مفلسی کرے — سب رنگ دم میں کر دے مصور کے کرکرے
صورت بھی اسکی دیکھ کے منہ کھینچ لے پرے — تصویر اور نقش میں کیا رنگ وہ بھرے
اس کے تو منہ کا رنگ اڑاتی ہے مفلسی

بیٹے کا ہو بیاہ تو نہ بھائی نہ ساتھی ہے — نے روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے
ماں پیچھے ایک میلی چدر اوڑھے جاتی ہے — بیٹا بنا ہے دُولہا تو باوا براتی ہے
مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

کیسا ہی آدمی ہو پر افلاس کی طفیل — کوئی گدھا کہے اُسے ٹھیرا دے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام بڑھے بال پھیل پھیل — منہ خشک دانت زرد بدن پر جما ہے میل
سب قیدیوں کی شکل بناتی ہے مفلسی

جب مفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی — وہ قدر ذات کی وہ نجابت کہاں رہی
کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی — تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی
مجلس میں جوتیوں میں بٹھاتی ہے مفلسی

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو — سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو
سو محنتوں میں اسکی کھپاتی ہے جان کو — چوری پہ آکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو
آخر ندان بھیک منگاتی ہے مفلسی

دُنیا میں لیکے شاہ سے اے یارو تا فقیر — خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے اک آن میں حقیر — کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کروں نظیر
وہ جانے جسکے دل کو جلاتی ہے مفلسی

نوحہ و مراثی

نوحۂ سرور

آہ اے ماتم سرا اے کشورِ ہندوستاں — تو بنا رہتا ہے اکثر رنج اور غم کا مکاں
لوگ دنیا کے تجھے کہتے ہیں گو جنت نشاں — پھول تیرے گلستاں کے ہوتے ہیں وقفِ خزاں

غم لکھا ہے تیری قسمت میں نہیں شادی لکھی
ہے سراپا خامۂ قدرت نے بربادی لکھی

شیشۂ دل ہو گیا ہے سنگِ غم سے چور چور — شادمانی رہتی ہے تیرے مکاں سے دور دور
آسماں کرتا ہے نازل آفتیں تجھ پر ضرور — اک اضافہ ہو گیا ان پر غمِ مرگِ سرور

چاک کرتی ہے کلیجہ میرا یہ حالت تیری
اشک بھر لاتی ہیں آنکھیں دیکھ کر صورت تیری

جس کے ہونٹوں پر رہا کرتی تھی آہ جانگزا — ہند میں تھا شورِ محشر جس کے نالوں سے بپا
اب نہ آئے گی کبھی کانوں میں اس کی پھر صدا — پیکرِ تصویر کے مانند بے لاشہ پڑا

دونوں جانب ہو رہی ہے ویرے نوحہ گری
اک طرف اردو زباں ہے اک طرف ہے شاعری

جو کہ خود ہو آتشِ سوزِ نہاں سے جل گیا — اس کو اے آتش اگر تو نے جلایا بھی تو کیا
پر سنبھل کر پاس دل کے تو قدم رکھیو ذرا — ہائے دل کہتے ہوئے خود کانپتا ہے دل مرا

دل بہت نازک ہے میرا کچھ تو اس پر دھیان ہو
آہ او ظالم نہ اتنی بات سے انجان ہو

موت تجھ کو آ گئی گو اے سرورِ نکتہ داں — خون کے آنسو بہا کر رو چکا ہندوستاں
ملک میں جب تک کہ قائم ہے یہ اردو زباں — تیرے پھولوں پر نہیں ممکن کبھی آئے خزاں

بنت حنیف اللہ صاحبہ
از تسری

پرورش جس کو کیا ہو خونِ دل سے سینچ کر
ایسے گلشن میں خزاں کا ہو نہیں سکتا گزر

سرورِ مغفور

آہ اے مسند نشینِ محفلِ شعر و سخن — تیری چپ سے آہ پژمردہ ہے ساری انجمن
کیا ہوئے وہ آہ تیرے نغمہ ہائے دلنواز — دلفریبانہ تھا جن سے رنگِ سوز و ساز
آہ خاموشی تیری کیسی قیامت خیز ہے — ہے اداسی انجمن میں بزم حسرت خیز ہے
موجدِ طرزِ جدیدِ شاعری تو ہے کہاں — محشرستاں آہ تیرے غم میں ہے سارا جہاں
خوش نوایانِ گلشن مہر بلب ہو گئے — اک خموشی سے تیری خاموش یہ سب ہو گئے
ہمصفیروں کے بدن پر ہے لباسِ ماتمی — تیری فرقت میں ہوا قائم اساسِ ماتمی

آہ اے شانہ کشِ گیسوئے لیلائے سخن
آہ اے رونق فزائے روئے زیبائے سخن

بلبل و گل کی سنائیگا کہانی کون اب — عشق و الفت کی دکھائیگا نشانی کون اب
تیرا اک اک نقطہ تھا برقِ تجلی کا شرر — شوخیِ گفتار تیری تھی نمک پاشِ جگر
لذتِ تقریر میں سوز و گدازِ عشق تھا — تیرے ہر مصرع میں پنہاں آہ رازِ عشق تھا
آہ بزمِ شعر میں وہ جلوہ افشانی تیری — آہ وہ ذہنِ رسا وہ فکرِ نورانی تیری
آہ وہ کانِ فصاحت نظمِ برجستہ کہاں — طبعِ رنگیں آہ وہ پھولوں کا گلدستہ کہاں
آہ وہ شانِ تکلم وہ ادائے گفتگو — طبعِ روشن سے ہوئی کیا کیا جلائے گفتگو
پیاری پیاری وہ زبان دلکش وہ اندازِ بیاں — تیرے دم سے تھی زمینِ شعر رشکِ آسماں
دے دیا اپنا عمل ہوئی عظمت جہاں آباد کو — فخر تجھ پہ ہے بجا اس عالمِ ایجاد کو

تیری ذاتِ مغتنم سے تھا کمالِ شاعری
حق یہ ہے اچھا ہوا آخر مآلِ شاعری

تیری باتیں مرنے والے یاد آئینگی بہت — خون کے آنسو تیرے غم میں رلائینگی بہت

تو نہیں دنیا میں لیکن یاد تیری دلنشیں ہے
شمعِ روشن یعنی اس اجڑی ہوئی محفل میں ہے

مرثیہ

میر انیس

جب جاں نثارِ سبطِ پیمبر ہوئے شہید　　مظلوم کے غریب کے یاور ہوئے شہید
عباسؑ قتل ہو گئے اکبر ہوئے شہید　　یاں تک کہ تیر سے علی اصغر ہوئے شہید

جانباز اپنی اپنی شجاعت دکھا گئے
تنہا امام نرغۂ اعدا میں آ گئے

جب قتل رن میں ہو چکا لشکر حسینؑ کا　　باقی رہا نہ یار نہ یاور حسینؑ کا
دشمن جو تھا ہر ایک ستمگر حسینؑ کا　　غل پڑ گیا کہ کاٹ لو اب سر حسینؑ کا

پیاسے پہ ابر شام کے لشکر کا چھا گیا
مظلوم اہلِ ظلم کے نرغے میں آ گیا

کہتا تھا کوئی تیر لگاؤ حسینؑ کو　　تلواروں سے لہو میں ڈباؤ حسینؑ کو
کہتا تھا کوئی گھیر کے لاؤ حسینؑ کو　　گھوڑے سے نیچے جلد گراؤ حسینؑ کو

کیا چپ کھڑے ہو دیکھتے ہو منہ اس تشنہ کام کا
سر کاٹ لو حسین علیہ السلام کا

یہ سنتے ہی برسنے لگے شاہ پہ تیر کین　　زخمی ہوئی امام کی وہ چاند سی جبین
چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے سیکڑوں لعین　　قبضے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے امام دین

تم نے بہت ستایا ہے مجھ دلفگار کو
لو اب حسینؑ کھینچتا ہے ذوالفقار کو

چمکا جو برق تیغ شاہ سروں سے گذر گئی　　سب دیکھتے رہے کدھر آئی کدھر گئی
جس جس کو چھو گئی لب اسے خوں میں بھر گئی　　اک دو ہوئے جو دو تھے نہیں پتا چل گئی

اک دم میں شاہ نے خون کے دریا بہا دیئے
حیدر کی ذوالفقار کے جوہر دکھا دیے

بہرِ مدد فرشتے بھی آئے تھے بے شمار — اور قومِ جن بھی حرب کی تھی بس امیدوار
سب کہتے تھے کہ اے خلفِ شیرِ کردگار — گر حکم ہو تو آپ پہ ہو جائیں ہم نثار
شہ کہتے تھے کہ گو مرا تن زخم دار ہے
فرزندِ مرتضےٰ کو مدد ناگوار ہے

یہ کہکے ظالموں کو پکارے امامِ دیں — کیوں بھاگتے ہو آؤ کہ لڑنے کے ہم نہیں
تن پر لگائے نیزہ و شمشیر و تیرِ کیں — حاضر ہے سر کٹانے کو زہرا کا نازنیں
اب رحم بھی نہ مجھ پہ کوئی مطلقاً کرے
قاتل کہاں ہے آکے مرا سر جدا کرے

سنکر سخن یہ ٹوٹ پڑی فوجِ نابکار — نورانی جسم برچھیوں سے ہو گیا فگار
تیرِ ستم گذر گئے سینے سے بیشمار — نیزوں سے چار سو سے کئی ظالموں نے وار
تیغوں سے پیچ سارے عمامے کے کٹ گئے
گیسو لہو میں ڈوب کے رخ سے لپٹ گئے

تھے دو ہزار جسمِ شہ بحر و بر پہ زخم — ماتھے پہ زخم تیر کے تیغوں کے سر پہ زخم
گھوڑے پہ کب سنبھلتے تھے گہ ڈگمگاتے تھے
غش آتا تھا تو ہرنے پہ سر کو جھکاتے تھے

گھوڑے پہ جب سنبھلنے کی باقی رہی نہ تاب — ہاتھوں سے باگ چھوٹ گئی پاؤں سے رکاب
گرنے لگا زمیں پہ وہ آسماں جناب — مرقد میں بیقرار ہوئی روحِ بوتراب
غل تھا کہ خاک پر شہِ کون و مکاںؑ گرا
بس اب زمین الٹ گئی اور آسماںؑ گرا

ہرگز ہجومِ زخم سے تن میں رہی نہ تاب — بیٹھا زمیں پہ جھومتا تھا ابنِ بوتراب
ہونٹوں پہ پھیرتا تھا زباں کو بغیرِ آب — چلاتی تھی ڈیوڑھی سے زینب جگر کباب
ہے ہے ترس حسینؑ پہ کھاتا نہیں کوئی
مرتا ہے میرا بھائی بچاتا نہیں کوئی

ظالم کھڑے تھے گرد وہ بیٹھا تھا خاک پر — ڈوبا ہوا تھا خون میں ملبوس سر بسر
آنے لگا جو غش تو جھکایا زمیں پہ سر — سجدے میں عرض کی یہ خدا سے بچشم تر
یارب تو میرے نانا کی اُمت کو بخشدے
اور میرے بھی قصور عبادت کو بخشدے

رو رو دعا یہ حق سے ابھی کرتے تھے امام — جو ظالموں نے شہ پہ کیا اور اژدحام
اسوقت شمر سے یہ عمر نے کیا کلام — ہاں جلد کاٹ تن سے سر سید امام
ڈریو نہ سُنکے فاطمہ زہرا کی آہ کو
گُل کردے شمع قبر رسالت پناہ کو

یہ سُن کے مستعد ہوا شقی وہ قتل پر — زانو رکھا حسینؑ کی چھاتی پہ بے خطر
گردن پہ پھیرنے لگا خنجر وہ کینہ ور — آئی صدا علیؑ کی کہ ہے ہے مرا پسر
زہراؑ پکاری کچھ بھی نبی سے حجاب ہے
ظالم یہ بوسہ گاہ رسالت مآب ہے

بانو پکارتی تھی یہ کیا کرتا ہے لعین — پیاسا ہے تین روز سے زہرا کا نازنین
چلاتی تھی سکینہ کہ جینے کی میں نہیں — بابا کو ذبح کرتا ہے کیوں اے عدوئے دین
خنجر نہ پھیر شاہ کی گردن پہ رحم کر
بابا کو چھوڑ دے مرے بچپن پہ رحم کر

زخموں سے چور چور ہے زہرا کی یادگار — جس چھاتی پر میں سوتی تھی اس پر تو ہے سوار
بابا کے حلق پر تو نہ پھیر اب چھری کی دھار — بدلے پدر کے سر مرے سر کو تو اُتار
سیدؑ یہ تشنہ لب پہ ستم اس قدر نہ کر
پوتی ہوں فاطمہؑ کی مجھے بے پدر نہ کر

رو کر بیان کرتی تھی بچی وہ تشنہ کام — دے کر دہائی چیختی تھیں بیبیاں تمام
کرتا تھا ذبح شاہ کو وہ نطفۂ حرام — سوکھی زباں دکھا کے یہ فرماتے تھے امام
خنجر ابھی نہ حلق پہ دھرنا تو خوب تھا

پانی پلا کے ذبح جو کرتا تو خوب تھا

یہ کہتے تھے حسینؑ کہ بس حلق کٹ گیا　　　　نورانی جسم ریگِ بیاباں میں لٹ گیا
ننھا سا دل سکینہ کے سینے میں پھٹ گیا　　　　اک شور تھا کہ دفترِ عالم الٹ گیا

فوجِ لعیں تو فتح کے باجے بجاتی تھی

فریادِ فاطمہ کی صدا ان سے آتی تھی

تیئیسویں

مدح

در مدحِ سلطان بہادر شاہ بادشاہ ہند رحمتہ اللہ علیہ

سریر آرائے گردوں جب تلک سلطانِ خاور ہو　　　　قمر دستورِ اعظم صدرِ اعلیٰ سعدِ اکبر ہو
عطارد میر منشی زہرہ ناظر آسماں پر ہو　　　　زحل میرِ عمارت ترکِ گردوں میرِ لشکر ہو

سرِ ہفت آسماں جب تک کہ دورِ ہفت اختر ہو

الٰہی یہ بہادر شاہ شاہِ ہفت کشور ہو

رہے نام سلیماں تا نگینِ حکمرانی سے　　　　رہے نام فریدوں تا درفشِ کاویانی سے
رہے دارا کو تا نام آوری تاجِ کیانی سے　　　　سکندر تا ہو نامی سکۂ کشور ستانی سے

ترا اے خسروِ والا حشم عالم مسخر ہو

سرِ سلطنت پر تو ہمیشہ داد گستر ہو

بخارِ ارض سے تا ابر ہو اور ابر میں پانی　　　　رواں پانی سے تا دریا ہو اور دریا میں طغیانی
زمیں میں تا ہو کان اور کان میں ہو گوہر کانی　　　　ہے جوہر ہو قیمت اور قیمت کو فراوانی

تری شمشیر جوہر دار میں نصرت کا جوہر ہو

تیرے قبضے میں بحر پُر گہر ہو کانِ پُر زر ہو

رکھیں تا عود کو آتش میں اور آتش کو مجمر میں　　　　گلِ تر تا ہو گلداں میں تری ہو تا گلِ تر میں
رہے نافے میں مشکِ اذفر اور بو مشکِ اذفر میں　　　　صدف میں تا ہو گوہر جب تلک ہو آب گوہر میں

تیرے ابرِ کرم سے باغِ عالم تازہ و تر ہو
شمیمِ خُلق سے تیرے جہاں یکسر معطر ہو

طریقِ رہبری میں خضر ہو جب تک ہدایت فن — سہارا ہووے تا بحرِ غریق الیاس کا دامن
رہے ادریس تا قطعِ تعلق سے جناں مسکن — مسیحا کا ہو بالاخانہ تا خورشید سے روشن

چراغِ عمر سے تیری جہاں سارا منور ہو
فروغِ اسلام کو ہو رونقِ دینِ پیمبر ہو

شفق گلگونہ ہو جب تک سحر کے روئے نیکو کو — کرے آراستہ تا شام اپنے موئے گیسو کو
ثریا نورتن تا گلستاں کے ہوئے بازو کو — کرے وسمے سے تا قوسِ قزح سبز اپنے ابرو کو

لبِ پاں خوردہ دشمن کے لہو سے تیرا خنجر ہو
سرِ بدخواہ فندق تیری انگشتِ سناں پر ہو

گلستاں میں ہو تا گل اور گل سے شاخ ہو پیدا — نیستاں میں ہو تا نے اور نے سے نغمہ ہو پیدا
نہال تاک میں انگور ہو انگور میں صہبا — نشہ صہبا میں ہو اور ہو نشہ جب تک نشاط افزا

شرابِ عیش سے خالی کبھی تیرا نہ ساغر ہو
ہمیشہ جشنِ جمشیدی سے تیرا جشن بہتر ہو

رہے تا کام دینداروں کو احکامِ شریعت سے — خوشی تا حاجیوں کو ہو سدا کعبے کی زیارت سے
رہے تا عابدوں کو شوق محرابِ عبادت سے — نمازِ اہلِ سنت تا ہو مسجد میں جماعت سے

ترا خطبے میں ہو نام اور خطبہ زیبِ منبر ہو
ترا حامی ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ ہو

قلم تا راستی پیشہ ہو اور کاغذ صحیفہ آئیں — قلمزن تا ہو مشک افشاں و کاغذ خود مشک آگیں
زباں پر تا سخن ہو اور سخن میں معنی رنگیں — سخن تا داد چاہے اور تا اہلِ سخن تحسیں

ترا مداح و اعلم خسرواں ذوقِ سخنور ہو
ہمیشہ تہنیت خواں ہو دعا گو ہو ثنا گر ہو

ذوق

سوامی رام تیرتھ

ہم بغل دریا سے ہو اے قطرۂ بے تاب تو — پہلے گوہر تھا بنا اب گوہرِ نایاب تو
آہ کھولا کس ادا سے تو نے رازِ رنگ و بو — میں ابھی تک ہوں اسیرِ امتیازِ رنگ و بو
مٹ کے غوغا زندگی کا شورشِ محشر بنا — یہ شرارہ بجھ کے آتش خانۂ آذر بنا
نفیِ ہستی اک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا — لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا
چشمِ نابینا سے مخفی معنیِ انجام ہے — تھم گئی جس دم تڑپ سیماب سیمِ خام ہے
توڑ دیتا ہے بتِ ہستی کو ابراہیمِ عشق — ہوش کا دارو ہے گویا مستیِ تسنیمِ عشق

کیا کہوں زندوں سے میں اُس شاہدِ مستور کی
دار کو سمجھے ہوئے ہیں جو سزا منصور کی

اقبال

شہریارِ دکن کو مبارک

فلک مرتبت میر عثمان علی خاں — مبارک تمہیں مسندِ شہریاری
مبارک ہو تم کو وہ دشوار منزل — جہاں چپے چپے پہ ہے ذمہ داری
مبارک بزرگوں کی میراث تم کو — جنہوں نے کہ جھیلی ہیں کڑیاں یہ ساری
اب اُن کی جگہ آپ کو ہے اُٹھانا — خدا کی امانت کا یہ بوجھ بھاری
جو بے بس ہیں دینا ہے اُنکو سہارا — جو بے یار ہیں ان کی کرنی ہے یاری
نکمے جو ہیں اُن کو کامی بنانا — بڑھانا دل اُن کا جو ہیں کار د باری
جگانا انہیں نیند سے جو ہیں ماتے — پڑھانا انہیں علم سے جو ہیں عاری

حالی

ہمارا تاج پوش

ہمائے اوجِ سعادت ہو آشکار اپنا — کہ تاج پوش ہوا آج تاجدار اپنا
اُسی کے دم سے ہے عزت ہماری قوموں میں — اُسی کے نام سے قائم ہے اعتبار اپنا
اُسی نے عہدِ وفا ہندیوں سے باندھا ہے — اُسی کے خاکِ قدم پر ہو دل نثار اپنا

اقبال

بادۂ انگور

پیرِ میخانہ ہے تسکیں برق اس کا جرعہ کش — ہے مزا اُس کے سخن میں بادۂ انگور کا

برق

تاریخ وفات حضرت اکبر

ہم رو رہے تھے حالی و شبلی کی موت کو | اکبر بھی اُن سے ملنے کو افسوس چل دیے
حاصل نہ شاعری میں ہی اُن کو کمال تھا | بے مثل بے نظیر وفا صح تھے قوم کے
اُن کے کلام میں تھی ظرافت کی چاشنی | باتوں کا اُن کی لوگ بُرا مانتے نہ تھے
المختصر کہ سید اکبر حسین میں | بہتیری خوبیاں تھیں خدا مغفرت کرے
رنجور اس زمانۂ قحط الرجال میں | ممکن نہیں کہ اُن کا کوئی جانشیں ملے
سالِ وفات مجھ سے یہ دل نے کہا کہ آج ۱۹۲۱ء | اکبر حسین خان بہادر بھی چل بسے

عورت کی فطرت

اے دخترِ آدم یہ تو بتا کیوں تیری نرالی ہی سرشت | تو ناک چڑھائے پھرتی ہے جب گھر ہوتا ہے رشکِ بہشت
جب دَور ہو ہر آسائش کا بےفکری اور خوشحالی کا | خوش کرنا کتنا مشکل ہے تجھے ناز و نخرے والی کا
پر بھائی بیٹے شوہر پر جب مشکل آ کر پڑتی ہے | تب جوہر تیرے کھلتے ہیں تو موت سے کشتی لڑتی ہے
اُس وقت پتہ یہ لگتا ہے کیا پریم کا محکم رشتہ ہے | تو عورت ہے یا دیوی ہے یا سچ مچ کوئی فرشتہ ہے

سر سید کی وفات

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا | نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے کرنے والے میں
کہے جو چاہے کوئی میں تو یہ کہتا ہوں اے اکبر | خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

ہجو

پہلا بند در ہجو مرزا عظیم بیگ عظیم

گر تو مشاعرہ میں صبا آج کل چلے | کہیو عظیم سے کہ ذرا وہ سنبھل چلے
اتنا بھی حد سے اپنے نہ باہر نکل چلے | پڑھنے کو شب جو یار غزل در غزل چلے
بحرِ رجز میں ڈال کے بحرِ رمل چلے

در ہجو سید انشا

وہ فاضل زمانہ ہو تم جامع علوم
تحصیل صرف و نحو سے جنکی مچی ہے دھوم
رمل و ریاضی حکمت و ہیئت جفر نجوم
منطق بیان معانی گئیں سب ہیں کو چوم
تیری زباں کے آگے نہ سحباں کا بل چلے

اک دو غزل کے کہنے سے بن بیٹھے اپنے طاق
دیوان شاعروں کے نظر سے رہے بہ طاق
ناظر علی نظیری کی طاقت ہوئی ہے شاق
ہر چند ابھی نہ آئی ہے فہمید جفت و طاق
شاگردی تمھی سے عرفی و قدسی نکل چلے

تمھارو ز فکر میں کہ کہوں معنی و مثال
تجنیس و ہم رعایت لفظی و ہم خیال
فرق رجز رمل نہ لیا ہیں نے گو سنبھال
نادانی کا مرے نہ ہو دانا کو احتمال
گو تم بقدر فکر ہی کر حمل سے چلے

نزدیک اپنے آپ کو کتنا ہی سمجھو دور
پر خوب جانتے ہیں مجھے جو ہیں ذی شعور
وہ بحر کون سی ہے نہیں جس پہ یاں عبور
کب میری شاعری میں پڑے شبہ سے قصور
بن کر تمہی نکالنے کو تم خلل سے چلے

موزونی و معانی میں پایا نہ تم نے فرق
تبدیل بحر سے ہوئے بحر خوشی میں غرق
روشن ہے مثل مہر یہ از غرب تا بہ شرق
نے زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق
وہ طفل کیا کریگا جو گھٹنوں کے بل چلے

کم ظرفی سے تمھیں تو یہی آئی ہے امنگ
کیجے نمو و خلق میں اب کہ سخن کی جنگ
اپنے تئیں تو بحث سے آتا ہے یاں ننگ
اتنا بھی رکھیے حوصلہ فوارہ ساں نہ تنگ
چلو ہی بھر جو پانی میں گر پھر اچھل چلے

کیوں جنگ گفتگو یہ تم اٹھ دوڑے اس تلاش
کرتے جو بھاری پاچہ ہوتا نہ پردہ فاش
پر سمجھیں کب یہ بات جو کہتے ہوں ناتراش
تیغ زباں کو میاں میں رکھتے تم اپنے کاش
ناحق جو تم آزار سے باہر نکل چلے

قطعہ ہجو مشتمل بر اعتراضات غزل مصحفی

سن لیجے گوشِ دل سے مری مشفقا عرض
مانند بید غصے سے نہ تھرتھرائیے

بلور گو درست ہو لیکن ضرور کیا
خواہی نخواہی اسکو غزل بیچ کھپائیے

دستور و نور و طور یہ ہیں قافیے بہت
اس میں جو چاہیے تو قصیدہ بنائیے

یہ تو غضب ہے کہیے غزل آٹھ بیت کی
اس میں حروف ایسے اٹکتے سنائیے

کیا لطف ہے کہ گردن کافور باندھ کر
مُردے کی بات ہندوؤں لاکر سنائیے

یوں خاطرِ شریف میں گزرا کہ بزم میں
کچلا ہوا شریفہ غزل کو بنائیے

ایسے نجس کثیف قوافی سے نظم میں
دندانِ ریختہ پہ پھپھوندی جمائیے

گردن کا دخل کیا ہے سقنقور میں بھلا
سانڈے کی طرح آپ گردن ہلائیے

مشفق کڑی کمان کو کڑی نہ بولیے
چلّے کے مفت تیرِ ملامت نہ کھائیے

جھٹ لکھیے روپ رام کٹارا کو ایک خط
بھلو کی مہر سے سند اسکی منگائیے

اپنی کمک کے واسطے جا بھرت پور میں
رنجیت سنگھ جاٹ کو ہمراہ لائیے

یہ گردو پیش کے قصباتی جو لوگ ہیں
اک بوا باندھئے انہیں جلدی بلائیے

سرکار کی یہاں نہیں گلنے کی دال کچھ
رزق جو کھانی ہوئے تو پنجاب جائیے

ستلج بیاس راوی و جہلم کی سیر کو
چناب والے لوگوں کو کچھ سنائیے

خشکہ گدھوں کو دیجیے تو ریتہ گاؤ کو
واں جاکے بیچ بھینس کے گھی کھائیے

اس رمز کا یہاں شنوا کون ہے بھلا
اب بھیرویں کا ٹپہ کوئی آپ گائیے

جواب مصحفی در ہجو انشا

اے آنکہ معارض ہو مری تیغ زباں سے
تو نے ہی پھیر عمد میں مستور کی گردن

ہے آدمِ خاکی کا بنا خاک کا پتلا
گر نور کا سر ہوئے تو ہو نور کی گردن

ہیں لفظ سقنقور مجسم تو نہیں دیکھا
ایجاد ہے تیرا یہ سقنقور کی گردن

لنگور کو شاعر تو نہ باندھے گا غزل میں
کس واسطے باندھے کوئی لنگور کی گردن

گردن کی صراحی کیلئے وضع ہے ناداں
بیجا ہے خم بادۂ انگور کی گردن

اس سے بھی ہیں گزرا غلطی اور یہ سنیئے — باندھے ہے کوئی خوشۂ انگور کی گردن

کافور سے مطلب ہے مرا اسکی سفیدی — ٹھنڈی تو ہیں باندی نہیں کافور کی گردن

یہ لفظ مشدد بھی درست آیا ہے تجھ سے — خم ہوتی ہے کوئی مے بلور کی گردن

اتنی نہ تمیز آئی تجھے ربط بھی تجھ سے — ہر قافیہ میں تو نے جو منظور کی گردن

یوں سینکڑوں گردن تو گیا باندھ تو کیا ہے — سوجھی نہ تجھے حیف کہ مزدور کی گردن

جو کر دیں باندھی ہیں لا تجھ کو دکھاؤں — تو مجھ کو دکھائے شب دیجور کی گردن

گردن کے نہیں چاہیئے اک شکل کشیدہ — خم کر کے سمجھ تک سر مغرور کی گردن

مضمون تو میرا ہی ہے گو اور طرح سے — باندھے تو گماں اپنے ہیں رنجور کی گردن

گر قافیہ پیمائی ہی منظور تھی تجھ کو — تو باندھی نہ کس واسطے مقدور کی گردن

لاکھوں ہی معانی کو کیا قتل پر افسوس — سوجھی نہ تجھے دشنہ و ساطور کی گردن

منصف ہو تو پھر نام نہ لے دعوے کا ہرگز — یہ بوجھ اٹھا سکتی نہیں مور کی گردن

ٹوٹے ہوئے پنجے کی طرح میرے قلم سے — جاتی ہے پچک شاعر مغرور کی گردن

انصاف تو کر دل میں کہ اک تیغ نے کیسی — ہیں کاٹ دی دعوے کی ترے زور کی گردن

سوجھا نہ تجھے ورنہ بتاتا تو اسی دم — ناسور کی ہی تو بھی ناسور کی گردن

انصاف کیا اس کا ہیں اب شاہ کے حوالے — جھکتی ہے جہاں بار سے لے مور کی گردن

وہ شاہ سلیماں کہ اگر تیغ عدالت — ٹک کھینچے تو ہو دو وہیں فغفور کی گردن

جس سر پہ پلک اپنا رکھے دست نوازش — اس سر کے لیے تکیہ ہو پھر حور کی گردن

اس در کا جو سجدہ انہیں منظور نہ ہوتا — ملتی نہ فرشتوں کو کبھی نور کی گردن

اے مصحفی خاموش سخن طول نہ کھینچ جا — یاں کو تو ہے بہتر سر پر شور کی گردن

کلام لقا

میر و میرزا کی شعر خوانی نے — بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی

کھول دیوان دونو صاحب کے — اے لقا ہم نے جب زیارت کی

کچھ نہ پایا سوائے اسکے سخن — ایک تو تو ہی ایک ہی تی ہی

کلامِ بقاؔ

میر نے گر ترا مضمون دو اپنے کا لیا
اے بقاؔ تو بھی دعا دے جو دعا دینی ہو

یا خدا میرؔ کی آنکھوں کو دوا یہ کر دے
اور بینی کا یہ عالم ہو کہ تر بینی ہو

لٹورا

کچھ کٹ گئی ہے پٹی کچھ کٹ گیا ہے ڈورا
دم داب سامنے سے وہ اُڑ چلا لٹورا

کلامِ سوداؔ

نہ پڑھیو یہ غزل سوداؔ تو ہرگز میرؔ کے آگے
وہ ان طرزوں سے کیا واقف وہ یہ انداز کیا جانے

سوداؔ تو اس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ
ہونا ہے تجھ کو میرؔ سے استاد کی طرف

کلامِ میرؔ

طرف ہونا مرا مشکل ہے میرؔ اس شعر کے فن میں
یونہیں سوداؔ کبھی ہوتا ہے سو جاہل ہے کیا جانے

ہمّت و جرأت

کوشش کئے جاؤ

دُکان بند کر کے رہا بیٹھ جو
تو دی اس نے بالکل ہی لٹیا ڈبو

نہ بھاگو کبھی چھوڑ کے کام کو
توقع تو ہے خیر جو ہو سو ہو

کئے جاؤ کوشش مرے دوستو

جو پتھر پہ پانی پڑے متّصل
تو گھس جائے بے شبہ پتھر کی سل

رہو گے اگر تم یونہیں مستقل
تو اک دن نتیجہ بھی جائیگا مل

کئے جاؤ کوشش مرے دوستو

اگر طاق میں تو نے رکھدی کتاب
تو کیا دو گے کل امتحاں میں جواب

نہ پڑھنے سے بہتر ہے پڑھنا جناب
کہ ہو جاؤ گے ایک دن کامیاب

کئے جاؤ کوشش مرے دوستو

نہ تم ہچکچاؤ نہ ہرگز ڈرو　　جہاں تک بنے کام پورا کرو
مشقت اٹھاؤ مصیبت بھرو　　طلب میں تگ و جستجو میں مرو

کئے جاؤ کوشش مرے دوستو

جو تم شیر دل ہو تو مارو شکار　　کہ خالی نہ جائیگا مردوں کا وار
مشقت میں باقی نہ رکھنا ادھار　　جو ہمت کروگے تو بیڑا ہے پار

کئے جاؤ کوشش مرے دوستو

جو بازی میں سبقت نہ لیجاؤ تم　　خبردار ہرگز نہ گھبراؤ تم
ٹھٹکو نہ جھجکو نہ پچھتاؤ تم　　ذرا صبر کو کام فرماؤ تم

کئے جاؤ کوشش مرے دوستو

مقابل میں خم ٹھونک کر آؤ ہاں　　پچھڑنے سے ڈرتے نہیں پہلواں
کرو پاس تم صبر کا امتحاں　　نہ جائیگی محنت کبھی رائگاں

کئے جاؤ کوشش مرے دوستو

تردد کو آنے نہ دو اپنے پاس　　ہے بیہودہ خوف اور بیجا ہراس
رکھو دل کو مضبوط قائم حواس　　کبھی کامیابی کی چھوڑو نہ آس

کئے جاؤ کوشش مرے دوستو

کرو شوق ہمت کا جھنڈا بلند　　کہ ادا اولو العزمیوں کا سمند
اگر صبر سے تم سہوگے گزند　　تو کہلاؤگے ایک دن فتحمند

کئے جاؤ کوشش مرے دوستو

مولوی محمد اسمٰعیل

ہمت

جس دریہ ہو مشکلات کی طغیانی　　ہو اہل ہمم کو اور بھی آسانی
تیراک اپنا ہنر دکھاتا ہے خوب　　ہوتا ہے جب اسکے سر سے اونچا پانی

ذوق

اُولوالعزمی

ہے سامنے کھلا ہوا میداں چلے چلو — باغِ مراد ہے ثمر افشاں چلے چلو
دریا ہو بیچ میں کہ بیاباں چلے چلو — ہمت یہ کہہ رہی ہے کھڑی ہاں چلے چلو
چلنا ہی مصلحت ہے مری جاں چلے چلو

ہیں کوہ و دشت جیسے کہ پھولا پھلا چمن — دامن میں ہیں بھرے ہوئے نسرین و نسترن
نہریں اِدھر اُدھر ہیں امیدوں کی موجزن — اس دشت میں نہ دوڑ سکوگے کہ گر ہرن
کبکِ دری کی طرح خراماں چلے چلو

آؤ کہ کھوئے اپنے نشانِ ننگ و نام نے — باندھی کمر ہے کس کے ہر اک شادکام نے
کیوں اس طرح کمر کو لگے تھک کے تھامنے — دیوارِ باغ وہ نظر آتی ہے سامنے
سروِ سہی کے سر ہیں نمایاں چلے چلو

یارو چلو چلو! نہ کرو انتظار تم — کرتے ہو کیا امیدِ یمین و یسار تم
میدانِ عزم و جزم کے ہو شہسوار تم — بڑھ جاؤگے کروگے اگر مار مار تم
چلا رہی ہے ہمتِ مرداں چلے چلو

آئینہ دل کا گردِ سفر سے اُجال دو — پوچھے کوئی ارادہ کدھر ہے تو ٹال دو
شیطاں جو شبہ ڈالے تو سر سے نکال دو — ہو خوف کا خیال تو یزداں پہ ڈال دو
اور آپ بن کے شیرِ نیستاں چلے چلو

آگے بڑھو کہ اب نہیں تابِ قرار ہے — کرنا ہے جب کہ کام تو کیا انتظار ہے
جو کچھ کہ معرکہ تھا لیا تم نے مار ہے — ہو تم بھی خوش کہ آئی خوشی کی بہار ہے
فتح و ظفر نے لے لیا میداں چلے چلو

رکھو رفاہِ قوم پہ اپنا مدار تم — اور ہو کبھی صلہ کے نہ امیدوار تم
عزت خدا جو دیوے تو پھر کیوں ہو خوار تم — دو رخ کو آبِ فخر سے رنگِ بہار تم
گلشن میں ہو کے بادِ بہاراں چلے چلو

یارو چلو فلک پہ ستارے ہیں چل رہے — آبِ رواں ہیں چشموں سے بہ کر نکل رہے

جنگل میں کارواں بھی ہیں منزل بہل رہے — جو تھم رہے یہاں وہی فرداو کل رہے
تھمنے کا یہ مقام نہیں ہاں سے چلے چلو

آؤ سیاہ سفید کا فیصل حساب ہے — چمکایا چہرہ صبح نے باآب و تاب ہے
ظلمت پہ نور ہونے لگا فتحیاب ہے — اور شب کے پیچھے تیغ بکف آفتاب ہے
تم بھی ہو آفتاب درخشاں چلے چلو

نیکی بدی کے دیر سے باہم تھے معرکے — اب خاتموں پہ آگئے ہیں اُنکے فیصلے
قسمت کے یہ نوشتے نہیں جو نہ مٹ سکے — وہ گونجا طبل فتح کہ میدان لے لئے
ہے گرنائے جنگ کی الحاں چلے چلو

آزاد

شاعرانہ تعلّی
یا
خودپسندی

شاعرانہ تعلّی

اک طفلِ دبستاں ہے فلاطوں میرے آگے — کیا منہ ہے ارسطو جو کرے چُوں میرے آگے
کیا مال بھلا قصرِ فریدوں میرے آگے — کانپے ہے پڑا گنبدِ گردوں میرے آگے
مُرغانِ اُولی اَجنحہ مانندِ کبوتر — کرتے ہیں سدا عجز سے غوں غوں میرے آگے
منہ دیکھو جو نقارچی پیل فلک بھی — نقارے بجا کر کہے دُوں دُوں میرے آگے
ہوں وہ جبرُوتی کہ گروہِ حکما سب — چڑیوں کی طرح کرتے ہیں چُوں چُوں میرے آگے
بولے ہی یہی خامہ کہ کس کو میں باندھوں — بادل سے چلے آتے ہیں مضموں میرے آگے
مجرے کو مرے خسرو پرویز ہو حاضر — شیریں بھی کہے آکے بلاؤں میرے آگے

وہ مارِ فلک کہکشاں نام ہے جس کا — کیا دخل جو بل کھا کرے فوں میرے آگے

غزل فخریہ

مُدّت سے ہوں میں سرخوشِ صہبائے شاعری — ناداں ہے جسکو مجھ سے ہے دعوائے شاعری

ہیں لکھنؤمیں زمزمہ سنجانِ شعر کو — برسوں دکھا چکا ہوں تماشائے شاعری

پھبتا نہیں ہے بزمِ امیرانِ دہر کو — شاعر کو مرے سامنے غوغائے شاعری

اک طرفہ خر سے کام پڑا ہے مجھے کہ ہے — سمجھے ہے آپ کو وہ مسیحائے شاعری

ہے شاعروں کی اب کے زمانہ کی یہ معاش — پھرتے ہیں بیچتے ہوئے کالائے شاعری

لیتا نہیں جو مول کوئی مفت بھی اُسے — خِفّت اُٹھا کے آتے ہیں گھر وائے شاعری

اے مصحفی ز گوشہ خلوت بروں خرام — خالی ست از برائے تو خود جائے شاعری

ہر سفلہ را زبان و بیان تو کے رسد — آرے توئی فغانی و بابائے شاعری

مجنوں منم چرا دگرے رنج مے برد — در حصۂ من آمدہ لیلائے شاعری

کیا کردوں؟

ہے دل میں انجمن کو آج رشکِ گلستاں کر دوں — دہانِ غنچہ سے رازِ دلِ بلبل بیاں کر دوں

صریرِ خامہ سے ایسا جگاؤں آج میں جادو — کہ ہر برگِ شجر سے دفترِ معنی عیاں کر دوں

شبیہِ غنچۂ سر بستۂ معنی وہ کھینچوں میں — کہ حیرت سے قلم مانی کا انگشت بدہاں کر دوں

حسینانِ چمن سے سبزہ کو بخشوں ہم آغوشی — کروں وا چشمِ نرگس بند سوسن کی زباں کر دوں

چکوروں کی لگن کا داغ دل میں چاند کے ڈالوں — گدازِ شمع سے میں سوزِ پروانہ عیاں کر دوں

پنہاؤں گردنِ سروِ سہی میں طوق قمری کا — دہانِ غنچہ میں پیدا عنادل کی زباں کر دوں

سمن کے سینۂ صافی میں ڈالوں داغ لالہ کا — رگِ گل سے مرتب بلبلوں کا آشیاں کر دوں

بھروں وصفِ شامہ کی مرلی کی کوئل کے ترنم میں — حسینانِ چمن کو بیخودی میں گو بیاں کر دوں

نظر کی حد مٹا کر اُس کو لا محدود کر دوں میں — فلیاں اس زمیں پر اک نوکھا آسماں کر دوں

میں کر دوں بند اک کوزہ میں ان ساتوں سمندر کو — حبابوں سے میں جوئے شیر کا چشمہ رواں کر دوں

ہر اک کو خود فراموشی کے گہرے رنگ میں رنگ دوں — یہاں گر زاہدِ خشک آئے تو پیرِ مغاں کر دوں

مٹا کر عالمِ احداث کے وہمی کرشموں کو | تمہارے واسطے تیار اک تازہ جہاں کر دوں
اُٹھے فانوسِ شمعِ طور پر سے لن ترانی کا | مثالِ مہر روشن آج رازِ کن فکاں کر دوں
وہ کھینچوں شاہدِ معنی کی رنگا رنگ تصویریں | کہ بے رنگ اُنکے آگے سب نیرنگِ جہاں کر دوں

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی

لگا دوں چار چاند اس چرخ کو نورِ مضامیں سے
جبینِ کہکشاں کو رنگ دوں کلکِ نگاریں سے

نام کی تاثیر

یکتا رامپوری

اللہ نے بخشی ہے زباں کو مری تاثیر | اللہ کے مضموں ہیں اعجاز کی تقریر
سلطانِ فصاحت ہوں شہنشاہِ بلاغت | باتیں مری جوہر ہیں زباں ہے مری شمشیر
ہمنام ہوں اُسکا جو ہے اژدر کا درندہ | گردوں کو ہلاتی ہے مرے نام کی تاثیر

نابینا شاعر

طباع ہوں ذہین ہوں روشن دماغ ہوں | خود کور ہوں پہ اہلِ نظر کا چراغ ہوں
مانندِ لالہ گو ہمہ تن داغ داغ ہوں | یعنی میں طرفہ نرگسِ مضموں کا باغ ہوں
میرا وہ قدرداں ہے جو اہلِ شعور ہے | آنکھوں میں گرچہ نور نہیں دل میں نور ہے
دنیا پر اس حقیر کی جمتی نہیں نگاہ | کُل پر نظر ہو جس کی نہیں اسکو جُز کی چاہ
شاہد مرا ہنر ہے نہیں حاجتِ گواہ | ہے اپنے حسبِ حال یہ تمثیل واہ واہ
آنکھیں ہیں بند در ہیں کشادہ دماغ کے | سچ ہے اندھیرا رہتا ہے نیچے چراغ کے
گو خستہ حال ہوں مگر اہلِ کمال ہوں | بے مثل ہوں میں آپ ہی اپنی مثال ہوں
دنیائے دوں سے کور بشوقِ وصال ہوں | اس حسنِ لازوال کا محوِ جمال ہوں
بینا ہوں اور فضلِ خدا سے بصیر ہوں | نابینا کون کہتا ہے روشن ضمیر ہوں
سینہ مرا ہے صدق و صفا سے بھرا ہوا | ذہنِ رسا ہے فہم و ذکا سے بھرا ہوا
گویا دہن ہے حمد و ثنا سے بھرا ہوا | آنکھوں کا خانہ نورِ خدا سے بھرا ہوا
جلوہ فضا جن آنکھوں میں خالق کا نور ہے | اُن میں نظر کا ہونا بھلا کیا ضرور ہے
میں نادر البیان ہوں اور نادر الکلام | مانے ہوئے ہیں اپنی فصاحت کو خاص و عام

مضمون ہے بلاغت و معنی سے پُر تمام — اس کمتری پہ اپنے مجھے ناز ہے مدام
معجز بیانی آئی ہے اپنے بیان میں — بینائی منتقل ہوئی گویا زبان میں

حلاوتِ سخن

کس منہ سے کہوں لائقِ تحسین میں ہوں — یہ کیا کہ جو گل خود کہے رنگین میں ہوں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر — کہتی ہے کہیں شکر شیریں میں ہوں

لاگ

کیا تاب دل جلوں سے جو برق لاگ رکھے — دوزخ بھی ہو تو اپنی چلموں پہ آگ رکھے

تعلّی

آدمی تو کیا خدا کو بھی نہ ہم سجدہ کریں — گر نہ خم تعظیم کو پہلے سرِ محراب ہو

اثر

تم ہی نہیں ہو میرا اثر اس دیار کے — راسخ بھی تیر وقت کبھی تھے بہار کے

عید

عید اور انتظار یاں

کہتے ہیں عید ہے آج اپنی بھی عید ہوتی — ہم کو اگر میسر جاناں کی دید ہوتی
قیمت میں دیدِ رُخ کے ہم نقد جاں لگاتے — بازار ناز لگتا دل کی خرید ہوتی
کچھ اپنی بات کہتے کچھ میرا حال سُنتے — ناز و نیاز کی یوں گفت و شنید ہوتی
جلوے دکھاتے جاتے وہ طرزِ دلبری کے — اور دل میں یاں ہوائے نا مزید ہوتی
ابروے اُن کا غمزہ تیر ادا لگاتا — یہ دل قتیل ہوتا یہ جاں شہید ہوتی
تیغِ نظر سے دل پر وہ وار کرتے جاتے — اور لب پہ یاں صدائے ہل من مزید ہوتی
کچھ حوصلہ بڑھاتا اندازِ لطفِ جاناں — کچھ وعدہ فرسا ہوتا کچھ کچھ اُمید ہوتی
لیکن یہاں تو حرماں ہے ثمرۂ تمنا — کیوں قفلِ آرزو کی پیدا کلید ہوتی

نیرنگ — آنکھیں ترس رہی ہیں جب اسکی اک جھلک کو ... نیرنگِ منتظر کی کیا خاک عید ہوتی

عید مبارک

ہے جوشِ طرب دل کو سوا عید مبارک ... وہ مایۂ عیش آج ملا عید مبارک
کہتی ہے یہی اس گلِ خنداں کی جوانی ... اے ہوش رُبا ماہ لقا عید مبارک
گلشن میں ہنسا جب وہ بہارِ چمنِ حُسن ... دی خندۂ گل نے یہ صدا عید مبارک
وہ مایۂ عشرت جو نظر آیا ہمیں آج ... خوش ہو کے یہ دی دل نے صدا عید مبارک
ہے عید گلے آج ہمیں بھی تو لگا لو ... پھر ہم سے کہو ہنس کے ذرا عید مبارک
کیا آج ملیگا وہ گل اندام ہمارا ... آتی ہے یہ کانوں میں صدا عید مبارک
کہتی ہے یہ میرے گلِ خنداں کی جوانی ... اے شانِ خدا حور لقا عید مبارک
مل مل کے گل اندام حسینوں سے صفیر آج ... ہنس ہنس کے کہو صلِ علےٰ عید مبارک

ناگوار عید

لائی ہے ساتھ وصلِ صنم کی بہار عید ... کیسی شفیق میری ہے کیا غمگسار عید
آؤ گلے تو جوشِ مسرت میں اب ملو ... ہو ساری عمر میں تو بھلا ایک بار عید
پہلو میں وہ صنم ہو نشاط و سرور ہو ... ایسی دکھائے یہ ہمیں پروردگار عید
شوقِ دلی نے میرے ابھارا کچھ اس طرح ... مجھ سے منائی یار نے بے اختیار عید
مجھ کو نصیب ہو جو وہ ماہِ کمالِ حُسن ... اس عید پر نثار کروں میں ہزار عید
جوشِ طرب میں آج وہ گل مہرباں ہے ... احسان ہے یہ تیرا میں تجھ پر نثار عید
گن گن کے آج کاٹی ہیں گھڑیاں فراق کی ... اللہ کیسی آئی ہے یہ اب کی بار عید
وہ مل کے مجھ سے ہار گلے کا جو بن گئے ... کس درجہ دشمنوں کو ہوئی ناگوار عید
گردآج ہے صفیر کے پریوں کا جھمگٹا ... لائی ہے اپنے ساتھ نرالی بہار عید

تیرے پروانوں کی عید

کیا ہوا کرتی تھی ایسی ہی مسلمانوں کی عید ... ہو رہی ہے جس طرح ہم سوختہ جانوں کی عید
اے زمینِ ہند تجھ کو یاد ہے اپنا عروج ... تو نے بھی دیکھی تھی پہلے اپنے مہمانوں کی عید

ایکدن وہ تھا کہ تھے سارے مسلماں شادماں ایکدن یہ ہے کہ ہے غم میں مسلمانوں کی عید

تیرے ہوتے ہی غضب ایسی پریشانی سے ہو اے چراغ بزم وحدت تیری بزانوں کی عید

بیشک قابل تعظیم ہیں وہ ہستیاں جن بزرگوں نے منائی آج رندانوں کی عید

ہلال عید

زہے نمود مہ عید و چرخ مینائی لب قدح کو ہی شیشے میں عکس آرائی

ہلال و چرخ و شفق دیکھ کر بہم کیونکر نہ ہوں طراوت چشم و دل تماشائی

کشاد عقدۂ کار جہاں مبارک ہو دیا ہے ناخن دست سپہر دکھائی

بنے تو کاتب قدرت کے ہاتھ لیجے چوم عجب ہے خوش رقمی و شگرف افشانی

کہ آب نقرہ سے ہی صفحۂ زمرد پر دقیق مصرعۂ روشن لکھا بہ زیبائی

چشم انتظار

آنکھ بغیر دل کا دیا ہے بجھا ہوا ظلمت سرا یہ گھر ہے سراپا بنا ہوا

سو عید مجھ کو جان جہاں تیری دید ہے آ چشم انتظار کا در ہے کھلا ہوا

حرام عید

پہلو میں وہ رہیں تو محرم تمام عید ان سے جدا رہوں تو ہے مجھ پر حرام عید

قسمت اگر انہیں سے نہ ملنے دے اے مذاق عیدیں ہزار ہوں نہ رکھوں انکا نام عید

دامن امید

بھولنے والے مرے تجھکو مبارک عید ہو عید کی خوشیاں ہوں تیرا دامن امید ہو

اکبر محزوں ہے زندہ اور کرتا ہے دعا چاہتا ہے تو جسے اس کی میسر دید ہو

کمبخت کی بھی عید ہو

غم نصیبان جہاں تک شاد ہیں عید ہو کیوں کوئی نا امید ہو

آؤ لگ بھی جاؤ اکبر کے گلے آج اس کمبخت کی بھی عید ہو

عید میں کیا ہے؟

نہ امنگیں نہ ترنگیں نہ مسرت نہ خوشی اب ہمارے دل نومید میں کیا رکھا ہے

حکیم لطافت حسین آزاد

کے دیکھیں کسے چھاتی سے لگا کر خوش ہوں
عید آیا کرے اب عید میں کیا رکھا ہے

عید ہو گی

خوشی کے ترانے مزے دے رہے ہیں
سحر جلوہ بخش جہاں عید ہو گی
مگر جن کے دل مر چکے ہیں انہیں کیا
جہاں عید ہو گی وہاں عید ہو گی

مبارک عید

حمید

عجب شان سے عید آئی ہوئی ہے
خوشی جن کے دل میں سمائی ہوئی ہے
مفید تھے دل میں جو اندوہ و حرماں
حمید آج ان کی رہائی ہوئی ہے

جمال عید

بیکس

دیکھا ہے صبح اٹھ کے جو ہم نے جمال عید
گزرینگے روز عیش کے نکلی یہ فال عید
شاخ مراد پھولتی پھلتی رہے مدام
ہر دم ہرا بھرا رہے یونہی نہال عید

کوئی ملال نہیں

نظر

ہے روز عید کدورت ہوئی دلوں سے دُور
کسی کو آج کسی سے کوئی ملال نہیں
بڑے خلوص سے آپس میں سب ملینگے گلے
ہے مہر عید رفاقت نظر ملال نہیں

حسرت عید

عشرت

مقدر کا جو لکھا تھا وہ ان آنکھوں سے سب دیکھا
کوئی حسرت سے مرتا ہے کسی کی عید ہوتی ہے
بغل میں جس کے دلبر ہو چمن ہو دور ساغر ہو
جو سچ پوچھو تو دنیا میں اسی کی عید ہوتی ہے

یاروں کی عید

ناظم

میرے یاروں کو مبارک عید ہو
غمگساروں کو مبارک عید ہو
عاشق و معشوق رندو پارسا
آج یاروں کو مبارک عید ہو

حسینوں کی عید

مہ جبینوں کو مبارک عید ہو
نازنینوں کو مبارک عید ہو
آب عصمت کر دے صیقل حسن پر
سب حسینوں کو مبارک عید ہو

مسلمانوں کی عید

اہلِ قرآں کو مبارک عید ہو　　اہلِ ایماں کو مبارک عید ہو
صدقِ دل سے ہے یہی میری دُعا　　ہر مسلماں کو مبارک عید ہو

عاشقوں کی عید

کی ابروؤں کی دید تو دیکھا ہلالِ عید　　ہر ماہ ماہِ عید ہے ہر سال سالِ عید
ہر شب شبِ برات ہے ہر روز روزِ عید　　انجام کارِ دل کی خوشی ہے مآلِ عید

نامراد کی عید

عید کے روز بھی نہ یاد کیا　　بھیجکر ایک خط نہ شاد کیا
دشمنوں نے مرے بڑھا یا ربط　　مجھ کو صد حیف نامراد کیا

بیقرارِ عید

عید کے روز بے قرار رہا　　تم نہ آئے تو انتظار رہا
تم رہے دور میری آنکھوں سے　　اس لئے مجھ کو انتشار رہا

فضائے دید

اے نگارِ خوش جمال اے منظر آرائے نگر　　پرتوِ رُخ سے تیرے آج گھر گھر عید ہے
دیکھ پاؤں کاش! اس محبوب کی میں بھی جھلک　　عید میرے واسطے جس کی فضائے دید ہے

روزِ سعید

کہتے ہیں جس کو اہلِ جہاں ماہِ عید ہے　　ایوانِ عیش کی یہ فلک پر کلید ہے
ہوتا ہے جس میں رحمتِ حق کا نزولِ خاص　　فضلِ خدا سے عید وہ روزِ سعید ہے

شبِ فراق

کب سے شبِ فراق ہوں مشتاق دید کا　　خورشید ہو گیا ہے مجھے چاند عید کا

رندوں کی عید

ساقی عرق پلا سے مجھے اگلی کشید کا　　سمجھا مہِ صیام کو میں چاند عید کا

حاسد کی عید

ہونے نہ پائے غیر بغلگیر یار سے — اللہ یونہیں روز گذر جائے عید کا — امیر مینائی

فراق

پیش نظر ہمارے ہے شام شب فراق — اگلی سحر جو ہو تو ہماری بھی عید ہو — اکبر

حسرت زدہ کی عید

کیونکر لگیں نہ دل میں مرے حسرتوں کے تیر — دن عید کے بھی مجھ سے ہوا وہ کنارہ گیر — ظفر

رنجور کی عید

بے تیرے کب ہمیں خوش آتی ہے عید — رنج دونا ہم کو دکھلاتی ہے عید

قاتل کی عید

کھینچا نہ ہاتھ قتل سے قاتل نے شام تک — تکبیر کہتے کہتے کٹا روز عید کا — امیر

خوب عید

نصیب جن کو ترے رخ کی دید ہوتی ہے — وہ خوش نصیب ہیں خوب انکی عید ہوتی ہے — [illegible]

رشک

تہنیت عید کی لکھتا ہوں تو رشک آتا ہے — میں تو پہنچوں نہ در دوست پہ پہنچے کارڈ

جنٹلمین کی عید

پہنچے ہوٹل میں تو پھر عید کی پرواہ نہ رہی — کیک کو چکھ کے سوئیوں کا مزا بھول گیا

جھگڑے کی عید

عید کے دن تو گلے لگ جایئے — دن پڑے ہیں اور ان بن کیلئے

قربانی

عید کے دن جسنے دیکھا انکو قرباں ہو گیا — عید سی عید اب کے قربانی سی قربانی ہوئی

مبارک

مرحبا اے صبح عید اے رشک رخسار پری — چرخ مینائی سے ہے تیرا شیشۂ جلوہ گری

اخبار فتح

حسرت

اپنی تصویریں کھچوا کے روانہ کر دو ہم بغل ہونیکی حسرت نہ رہے عید کے دن

عید مبارک

ہر لب پہ ہے یہ آج سخن عید مبارک ہو تجھ کو بھی اے مشفق من عید مبارک

جدائی

جس میں ہمدم نہ پاس ہو تم سا عید بر تر ہے وہ محرّم سے

عید مبارک

اے مونس و دمساز مرے عید مُبارک اے ہمدم و ہمراز مرے عید مُبارک

اُداسی

آپ سا محرم نہ ہو جب میرے پاس کیوں نہ ہو پھر عید کے دن جی اُداس

فراق

زدہ فرحت اثر ہر شخص کو لائی ہے عید تم بھی آجاؤ تو میں جانوں کہ اب آئی ہے عید

حسرت

اری عید تو جب ہے کہ دیکھیں تیرے ابرو کو ہلال عید کو اے مہ جبیں دیکھا تو کیا دیکھ

ہوتی اگر نصیب تیری دید کی خوشی کس دھوم سے مناتے ہم اس عید کی خوشی

مایوسی

سنتے ہیں پھر جہان میں عید سعید آئی لیکن نہ تم سے کچھ بھی گفت و شنید آئی

آرزوئے دید

خوشیاں منانے پھرتے ہیں سب لوگ عید کی اور مجھ کو آرزو ہے فقط تیری دید کی

حسرت

گلے عیدگاہ میں لو جب کسی سے تصور میں مجھ کو جگہ دیجئے گا

حسرت

یوں ہوئی عید تو کیا! عید تو ہاں جب ہوتی
کہ گلے ملتے مرے وہ آ کر میرا پیارا ملتا

بے چین عید

لگائیں ہم گلے کس کو منائیں عید کیا ہمدم!
نہ بلواتے ہیں واں مجھ کو نہ خود تشریف لاتے ہیں

رندی

عید کے دن منہ چھپانا منصفی سے دور ہے
آ گلے لگ جا پیارے عید کا دستور ہے

پردیسی کی عید

عید کی سچی خوشی تو دوستوں کی دید ہے
جو وطن سے دور ہیں کیا خاک انکی عید ہے

فراق

بے یار روزِ عید شبِ غم سے کم نہیں
جامِ شراب دیدۂ پُرنم سے کم نہیں

پردیسی کی عید

ہماری شامِ غربت پر بھی دو آنسو بہا لینا
یہ صبح عید یارانِ وطن تم کو مبارک ہو

عید

یسّر جس کو اپنے دلربا کی دید ہوتی ہے
جو سچ پوچھو تو دنیا میں اُسی کی عید ہوتی ہے

نرالی عید

نرالی ابروئے جاناں نے پھیرا حلق پر خنجر
نئی قربانی ہوتی ہے نرالی عید ہوتی ہے

عید

عید کے دن ہجر کی ساری شکایت مٹ گئی
تم کلیجے سے لگے دل کی کدورت مٹ گئی

مذاق

مذاق حضرت احمق

ہم اور عرض مطالب اُن سے عدو کے گھر میں
دیکھیں تو بال کتنے رہتے ہیں آج سر میں

ہیں یاس و حسرت و غم اپنے دل و جگر میں
ان بو لشیوکوں سے ہی ملک جاں خطر میں

ہر دم یہی تماشا ہے اُن کی رہ گذر میں،
نکلا اک اُن کے گھر سے پہنچا اک اُنکے گھر میں

وُہ زخم ہے بدن پر یہ گھاؤ ہے جگر میں
جو بات ہے نگاہ میں کب ہے مدوا لوہ میں

اپنی طرح اُسے بھی اُلّو بنا کے چھوڑا
کس قسم کا ہے جادو احمق تیری نظر میں

خیالِ یار کو درکار ہے یکسوئیِ نظر
سمجھ لیتے ہیں جو یہ فلسفہ افیون کھاتے ہیں

کچھ ایسی سربازاری ہوئی جنس محبت کی
کہ اب بھیاں میں سیٹھوں کی دکانوں میں بکاتے ہیں

ہمیں تو قہر ہے ہنسنا بھی اُن کا اور رونا بھی
وُہ یوں طوفاں اُٹھائینگے جو یُوں بجلی گراتے ہیں

بھلا دیکھوں تو وُہ کیونکر نہ مانینگے میرا کہنا
مثل مشہور ہے لکڑی کے بل بندر نچاتے ہیں

جاتے ہیں بزم وعظ میں واعظ مگر خیال
بریانی و پلاؤ و مزعفر کے ساتھ ہیں

مدت سے جستجوئے کمر میں جنابِ دل
خفیہ پولیس کے ایک آفیسر کیساتھ ہیں

پیری میں سب یہ چوکڑیاں طبع شیخ کی
اسپند و موصلی دستاور کیساتھ ہیں

یہ اکثر مانعِ نظارہ مشتاق ہوتا ہے
مزا آئے جو کوئی پھوڑ دے آنکھیں حجاب کی

مریضِ علتِ "کو" اپریشن کو ضرورت کیا
مسیح الملک کے عنابِ خطمی و سپستاں کی

یہ سنت ہے کہ بدعت یہ تو وُہ جانیں مگر سنت
میاں اشرف علی سے مل گئی احمد رضا خاں کی

ہر وقت نئے جھانسے ہر روز نئے وعدے — اتوار کو منگل ہے منگل کو سنیچر ہے
پوچھو نہ رہ الفت میں حالت مرے دل کی — اس سست روی پر بھی غیرت دہ موٹر ہے
معشوق زمانے کے ہوتے ہیں جواں لیکن — مد نظر احمق کو اک پیر معمّر ہے

احمق

جو تھکرا دے ادا سے وہ بنت شوخ فرانسیسی — دکھا دے عاشق مردہ کو اعجاز قم عیسیٰ
زیادہ ہر کسی سے تین پانچ اچھی نہیں ہوتی — کوئی چانٹا جما دے گا تو گر جائیگی بتیسی
جناب شیخ بھی آوارۂ کوئے بتاں نکلے — یہ دستار مقدّس اور یہ اطوار ابلیسی
سر بزم عدو کچھ غیب سے کہ کر اشاروں میں — وہ ہنس دیتے ہیں جب گرتی ہے میرے دل پہ بجلی سی
کجا مکتب کجا کالج کجا ملّا کجا مسٹر — الف بے تے پرانی ہو گئی ہے اب تو اے بی سی
خوش الحانی پھر اس پر شین قاف انکا معاذ اللہ — کہ قارورہ ہوا کارورہ اور شیشی ہوئی سیسی

احمق

خاک اڑا دی پائمال شوخیٔ رفتار کی — اللہ اللہ موٹر انداز ی خرام یار کی
شیخ جی دو دن کو بھی ہو آئینگے شملے اگر — کم سے کم دو گز تو ہو جائیگی دم دستار کی

کسی کے حسن و جمال و خوبی کے ہر طرف گا رہے ہیں ترانے — ہزاروں لوٹے ہزاروں لنگڑے ہزاروں اندھے ہزاروں کانے
بتوں سے ترک تعاون اے دل پھر آرزوئے خطاب و کونسل — جسے ہو مٹی خراب کرنی جناب ناصح کی بات مانے

جو کانے ہیں تو ان کا چاہنے والا بھی اندھا ہے — تناسب حسن و الفت میں یہ احمق کس مزے کا ہے
نہایت سخت ہیں دفعات آئین وفاداری — جو سچ پوچھو تو یہ بھی اک طرح کا مارشل لا ہے

یہ ہٹلر اس قدر ہٹر لو بنگ اتنی چپقلش توبہ — تیری محفل میں ہوں یا میں کسی بھٹیارخانے میں
نئی حد بندیاں ہونے کو ہیں آئین گلشن کی — کہو بلبل سے اب انڈے نہ رکھے آشیانے میں
خدا جانے میاں احمق کہاں ڈال آئے ہیں ڈاکہ — کہ آدھی رات سے جکڑے ہوئے بیٹھے ہیں تھانے میں

احمق

مولوی صاحب ہیں نازاں جبّہ و دستار پر
محو پنڈت جی بھی ہیں زنار کے دس تار پر
یہ گدا کر اور سادھو ہیں فدا تارے پر نثار
ہم سو جنٹلمین بھی قربان ہیں اک تار پر

درِ مے خانہ چوپٹ ہے تہجد کو ہوئی چوری
ترے ٹوٹے ہوئے ساغر فقط جھوٹے پیالے ہیں
گماں کس پر کریں صوفی ادھر ہیں اُس طرف واعظ
خدا رکھے محلے میں سبھی اللہ والے ہیں

سائل دہلوی

بوقت ختنہ میں چیخا تو نائی ہنس کے یوں بولا
مسلمانی میں طاقت خون کے بہنے سے آتی ہے

اکبر الہ آبادی

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اکبر الہ آبادی

کہہ مکرنیاں اور پہیلیاں

چاند

اونچی اٹاری پلنگ بچھایا
میں سوئی میرے سر پر آیا
کھل گئی انکھیاں بھئے آنند
کیا سکھی ساجن؟ نہ سکھی چند

آم

برس برس وہ دیس میں آوے
منہ سے منہ لگا رس پیاوے

واکی خاطر خرچے دام ؛ کیا سکھی ساجن ؟ نہ سکھی آم

طوطا

سبزہ رنگ اور مکھ پر لالی وا بیتم گل کنٹھی کالی ؛
بہت خوبصورت قد میں چھوٹا کیا سکھی ساجن ؟ نہ سکھی طوطا

ہار

سگری رین چھتین پہ راکھا روپ رنگ سب واکا چاکھا
ہور بھئی جب دیا اُتار کیا سکھی ساجن ؟ نہ سکھی ہار

دِیا

سگری رین موئے سنگ جاگا ہور بھئی جب بچھرن لاگا ،
اس کے بچھڑت پھٹت ہیّا کیا سکھی ساجن ؟ نہ سکھی دیا

پنکھا

آپ ہلے اور موہے ہلائے ہلنا واکا موئے من بھائے
ہل ہلا کے ہوا نسنکھا کیا سکھی ساجن ؟ نہ سکھی پنکھا

نمک

سُرب سلونا سب گن نیکا وا بن سب جگ لاگے پھیکا
واکے سر پر ہووے کون ؛ اے سکھی ساجن ؟ نہ سکھی لون

ڈھول

وُہ آوے تب شادی ہووے اُس بن دوجا اور نہ کوئے
میٹھے لاگیں واہ کے بول اے سکھی ساجن ؟ نا سکھی ڈھول

پہیلیاں

موم بتی

رشتہ مری حیات کا بالشت بھر کا ہے
اور تن پہ میرے گوشت کسی جانور کا ہے
سوز و گداز سے ہوں سراسر بھری ہوئی
بجھنی ہوں آگ کے پاؤں میں سر کی لگی ہوئی

پستے

سفید سے مکان میں بیٹھا ہے سبز رنگ
رہتا ہے وہ ولایت میں باشندہ فرنگ
پستے ہیں لوگ وسپہ اس طرح سے جہان کے
بکتے ہیں وہ ولایت سے دہلی میں آن کے

نارنگی

اک قلعے میں نو دس پریاں
جب دیکھوں سر جوڑے کھڑیاں
جب میں کھولے قلعے کے پٹ
جی میں آئی کر جاؤں چٹ

آری

دھڑ لوہا سر کاٹھ کا دیکھتی ایسی ناری
امیر خسرو یوں کہے تو رے سے سر کے آری

موری

تین مہینے بہت چلی اور نو مہینے تھوڑی
امیر خسرو یوں کہے تو بوجھ پہیلی موری

گوندنی

سونے کی ڈبیہ زمرد کا ڈھکنا
پتا ہوتا ویسے ہو وہ نہ بکتا

چارپائی

سونے کی وہ نار کہاوے، بنا کسوٹی بان دکھاوے

اشرفی

پہیلی ہے بین کی نہیں پاتے ہیں
کھانے کی وہ چیز نہیں پر کھاتے ہیں

ناخن

بیسیوں کا سر کاٹ لیا، نہ مارا نہ خون کیا

آئینہ

فارسی بولی آئینہ — ترکی بولی پائینہ
ہندی بولی آرسی آوے — منھ دیکھے سو وہ بتادے

انار

رات سمے اک میوہ آیا، — پھولوں پاتوں سب کو بھایا
آگ دینے بن جائے رکھ — پانی ڈالے جائے سُکھ

باز

بعضی بات کہی نہ جائے، — ناری ہو کے نر کہلائے

آئینہ

کیا جانو وہ کیسا ہے — جیسا دیکھو ویسا ہے

بنولی

ترور سے ایک تریا اُتری اُس نے بہت رجھایا — باپ کا اُس کے نام جو پوچھا آدھا نام بتایا
آدھا نام پتا پر پیارا بوجھ پہیلی موری — امیر خسرو سے یوں کہنا اپنا نام بنولی

دو معنیاں

درزن کو میں نے پوچھا تم سینے کو کب لگوگی — وہ خوش ادا سے بولی سینے قطع کب کیا ہے

دختر درزی کا سینا دیکھکر — جی میں آتا ہے کہ ململ دیجئے

دختر نداف کل اپنی دکان پر — گالوں کو صاف کرکے بیچے تھی خوب روئی

کدو کی دوستی اک دم میں توڑ دی　　اب ایسے بینگنوں کو کیا کریئے

چھالیہ غم نے تیرے ورنہ میں ایسا کتھا　　پان کھانے میں تیرے چونہ لگا نیولے

جاکے کہد و رقیب چوہڑا سے　　اُس کے کوچے میں کم کمایا کر

صاف تھا جب تک کہ خط یا خط سے جواب صاف تھا　　اب خط آنے لگا شاید کہ خط آنے لگا

کیوں نہ ہو ہم سے وہ سجن باغی . .　　قد ہو جس کا نہال کی مانند

تو جو دریا کے پار جاتا ہے ،　　دل مرا وار وار جاتا ہے ،

نہ دیوے لیکے دل وہ جعد مشکیں　　اگر باور نہیں تو مانگ دیکھو

حکاک کا پسر بھی مسیحا سے کم نہیں　　فیروزہ ہوئے مُردہ تو دیتا ہے وہ جلا

لام نستعلیق کا ہے اُس بُتِ خوشخط کی زلف　　ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اسلام کے

لطائف

نئی روشنی کا تیل

نئی روشنی کا ہوا تیل کم ؛　　حکومت نے اُس سے کیا میل کم

ادھر مولوی کس مپرسی میں تھے | نہ آفس میں تھے اور نہ کرسی میں تھے
یہ آپس میں ٹھہری کہ مل جائیے، | سیاسی کمیٹی میں پل جائیے،
اسی میل کا آج کل ہے ظہور، | خدا جانے ظلمت ہے اس میں کہ نور

اکبر

جنگ

انگلش اٹھے فرنچ کی امداد کو اگر... | اس کے سبب عیاں ہو زمانہ ہو باخبر
لیکن میں شاعرانہ کروں اس کا کچھ بیاں | ایسا بیاں کہ وجد کرے بزم عاشقاں
فرماں روائے حاکمِ دریا و کوہ ہیں | انگلش جہاں میں آج سلیمان شکوہ ہیں
بے شبہ ہے فرانس پرستان مغربی | ہے اس پہ ختم زینتِ ایوانِ مغربی
پیرس سے جرمنوں کو بھگانا ضرور تھا | دیووں سے اس پری کو چھڑانا ضرور تھا

اکبر

شکوہ

شکوہ ہے دیکھو بڑے میاں گل سعید کا | ایسے گئے کہ خط بھی نہ لکھا رسید کا
اے عازمانِ ملکِ عدم بے ٹکٹ کہاں | ہو حکم باریابی و گفت و شنید کا
خیرن سے عقد ہو تو نفیسن کو ہو طلاق | کیا خوب فلسفہ ہے قدیم و جدید کا
احمق ہلاکِ غمزۂ سرکار ہو گیا | اللہ اُس کو اجر ملے سو شہید کا

احمق

ڈیم فول

بہت ہی عمدہ ہے اے ہمنشیں برٹش راج | کہ ہر طرح کے ضوابط بھی ہیں اصول بھی ہے
جو چاہے کھول لے دروازۂ عدالت کو | کہ تیل بیچ میں ہے ڈھیلی اس کی چول بھی ہے
عطا ہوئی ہے یہ اسپیکروں کو آزادی | کہ حاکموں میں ہے قال تو یہاں قول بھی ہے
جگہ بھی ملتی ہے کونسل میں آنریبل کی | جو التماس ہو عمدہ تو وہ قبول بھی ہے
طرح طرح کے بنا لو لباس رنگا رنگ | علاوہ روئی کے ریشم بھی اور وول بھی ہے
شگفتہ پارک ہیں ہر سمت مہر وشوں کیلئے | نظر نواز ہے پتی حسین پھول بھی ہے

جب اتنی نعمتیں موجود ہیں یہاں اکبر
تو کیا حرج ہے جو ساتھ اسکے ڈیم فول بھی ہے

اکبر

لنگوٹی

یہ بات تو کھری ہے ہرگز نہیں ہے کھوٹی — عربی میں نظمِ ملت، بی اے میں صرف روٹی
لیکن جنابِ لیڈر یہ شعر سن کے بولے — بندھوائیے یہ حضرت اس قوم کو لنگوٹی
اس بات کو خدا ہی بس خوب جانتا ہے — کس کی نظر ہے غائر کس کی نظر ہے موٹی

نوٹس

طعنے سنتے ہیں مگر شعر کہے جاتے ہیں — داد کے شوق میں بیداد سہے جاتے ہیں
آپ فرماتے ہیں ہو لہر ترقی کی رواں — موجیں کہتی ہیں کہ یہ خود ہی بہے جاتے ہیں
ملک الموت نے نوٹس نہ دیا بھائیوں کو — اس کمیٹی کے بہت کام رہے جاتے ہیں

پریڈ

مذہب کے واسطے نہ شرافت کے واسطے — ہے اب تو جنگ ایک تجارت کے واسطے
لے ہی گئے گھسیٹ کے مجھ کو پریڈ پر — تیار ہو رہا تھا میں جنت کے واسطے

تانا بانا

تانے بانے پر نہ کر دنیا کے ہرگز اعتبار — غور کر چشمِ حقیقت سے کہ سر پر کوچ ہے
اس طرف سے توڑ کر تو اس طرف کو جوڑ لے — پھر تو تو مومن ہے ورنہ مومنوں کا پوچ ہے

فیشن

کر دیا کرزن نے زن مردوں کی صورت دیکھیے — آبرو چہرے کی سب فیشن بنا کر پونچھ لی
سچ یہ ہے انسان کو یورپ نے ہلکا کر دیا — ابتدا ڈاڑھی سے کی، انتہا میں مونچھ لی

تلاوت

نہیں اب شیخ صاحب کی وہ عادت — وضو کی اور مناجاتِ سحر کی
مگر ہاں چائے پی کر حسبِ دستور — تلاوت کرتے ہیں وہ پائنیر کی

آئی۔ڈی۔ٹی

اذانوں سے سوا امیدِ رکنِ انجمن کی سیٹی ہے — اسی پر شیخ بیچارے نے اپنی چھاتی پیٹی ہے
کہاں باقی ہے ہم میں وہ اورادِ سحر گاہی — وظیفہ کی جگہ یا پائنیر یا آئی۔ڈی۔ٹی ہے

کیڑے

اِس ترک موالات کے کیڑے پڑے کیوں — اتنا ہی ہے اِسکا جواب آپ بڑے کیوں

ہو جو تقویٰ کے سوا ترکِ موالات کچھ اور — تو وہ اسلام نہیں بلکہ ہوئی بات کچھ اور — اکبر

پہرہ

فرشتوں نے بھی اب شاید پولیس میں نوکری کر لی — کراماً کاتبیں کا آج کل تھانہ پہ پہرہ ہے

لیا ہے حضرتِ واعظ نے کل سے جیل کا ٹھیکہ — جنابِ محتسب کا آج مے خانہ پہ پہرہ ہے — احمدی جمیری

سیلف گورنمنٹ

تحلیل غذا کر کہ پیپرمنٹ یہی ہے — کر ضبط ہوس سیلف گورنمنٹ یہی ہے — اکبر

نیا ولی

پائنیر کے صفحۂ اول میں جس کا ذکر ہے — میں ولی سمجھوں گر اُس کو عاقبت کی فکر ہے — ”

خاتمہ بالخیر

غالباً خاتمہ بالخیر سمجھ لو اُس کا — جس کے مرنے کا نئی روشنی نے غم نہ کیا — ”

آبِ زمزم اور مے

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے — مگر یونہی کہ گویا آبِ زمزم مے میں داخل ہے — ”

گرماتے نہیں

بے نماز ان میں ہیں وہ اور اس پہ شرماتے نہیں — یہ غنیمت ہے کوئی ٹوکے تو گرماتے نہیں — ”

مسئلہ قومی

مسجدیں سنسان ہیں اور کالجوں کی دھوم ہے — مسئلۂ قومی ترقی کا مجھے معلوم ہے — ”

یہ تو بتلاؤ

شکر ہے راہِ ترقی میں اگر بڑھتے ہو — یہ تو بتلاؤ کہ قرآن بھی تم پڑھتے ہو — ”

آندھی کے ساتھ

بدھو میاں بھی حضرتِ گاندھی کے ساتھ ہیں

گو خاکِ راہ ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں — اکبر

خواجہ سرا

ہو تعلق محل شاہی سے — اس کا کیا غم ہے جو خواجہ سرا

خدمتِ آب سواں

پر لگے تہذیب کو کشتیٔ نو ایجاد سے — خدمتِ آب رواں لیتا ہے انساں باد سے

بی بی پاس

شیخ جی گھر سے نہ نکلے مجھ سے فرمانے لگے — آپ بی اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے

مارِ مُردہ

پیری میں بھی چھنال کی سیدھی ہوئی نہ زلف — کھاتا ہے مارِ مُردہ بڑا پیچ و تاب کیا

دُھنیئے کے اوزار کی آواز لفظوں میں،

در پئے جاناں جاں ہم رفت. جاں ہم رفت جاں ہم رفت. رفت. رفت جاں ہم رفت
ایں ہم رفت و آں ہم رفت. آنہم رفت. آنہم رفت. اینہم. آنہم. اینہم. اینہم. آنہم رفت
رفتن. رفتن. رفتن دِہ. دِہ. دِہ. رفتن دِہ. رف. رف. رفتن دِہ. رفتن دِہ

شغلِ تکفیر

اک مولوی صاحب سے کہا میں نے کہ کیا آپ — کچھ حالتِ یورپ سے خبردار نہیں ہیں
آمادۂ اسلام ہیں لنڈن میں ہزاروں — ہر چند ابھی مائلِ اظہار نہیں ہیں
جو نام سے اسلام کے ہو جاتے تھے برہم — اُن میں بھی تعصب کے وہ آثار نہیں ہیں
افسوس مگر یہ ہے کہ واعظ نہیں پیدا — یا ہیں، تو بقول آپ کے دیندار نہیں ہیں
کیا آپ کے زمرہ میں کسی کو نہیں یہ درد — کیا آپ بھی اس کے لئے تیار نہیں ہیں
جھلا کے کہا یہ کہ کیا سوءِ ادب ہے — کہتے ہو وہ باتیں جو سزاوار نہیں ہیں
کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر — بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

کلامِ اکبر

بُدھ جب ہے جھوٹ سچ کی چھڑی بحث ہند میں — سچ کہتے ہیں جو جھوٹ کہیں ہم تو رُو سیاہ
جھوٹے سہی پر آپ تو ہیں ہم پہ حکمراں — جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

دیس کی دھن

دھن دیس کی تھی جس میں گاتا تھا اک دہاتی
بسکٹ سے ہے ملائم پوری ہو یا چپاتی
شانِ نماز اکبر شاہانہ ہو چلی ہے،
مسجد الگ بنائیں اپنی میاں پٹھانی

ضبطیٔ توحید

ضبطی پرچہ توحید ہوئی خیر یہ ہے
قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدْ ضبط نہیں خیر یہ ہے
نورِ ایماں کی ضرورت نہیں سمجھا سائنس
وجہ خاموشیٔ شمعِ حرم و دیر یہ ہے
مغربی پارک میں چکر کے سوا کچھ بھی نہیں
دلِ رنگیں کی ہوا کھاؤ بڑی سیر یہ ہے

مولوی کُش مولوی

صاف کہتا ہوں میں خوش یا ہوں ناخوش مولوی
آسماں اب چاہتا ہے مولوی کُش مولوی

جج اور کارِ خانگی

جج کو کیونکر جائے کارِ خانگی کو چھوڑ کر،
اتنی کثرت ہو جو چوہوں کی تو بلّی کیا کرے

باہنر بیٹے

شیخ جی کے دونوں بیٹے باہنر پیدا ہوئے
ایک ہے خفیہ پولس میں ایک پھانسی پا گئے

کراماً کاتبین

ڈائری میں ہو گیا ہے اختلافِ اندراج
لڑ گئے خفیہ پولس سے کل کراماً کاتبین

حُبِّ وطن

جذباتِ اقبالؔ

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے
اے ہمالہ! تو چھپا لے اپنے دامن میں مجھے
ہے غضب کی بیکلی اپنے نشیمن میں مجھے
مدتیں گزری ہیں مجھکو رنج و غم سہتے ہوئے
شرم سی آتی ہے اب اسکو وطن کہتے ہوئے
آہ ویرانی ہے پنہاں یاں کی ہر تعمیر میں
آشیاں اور اس گلستانِ خزاں تاثیر میں

آشیاں ایسے گلستاں میں بناؤں کس طرح — اپنے ہم جنسوں کی بربادی سناؤں کس طرح

جس کے پھولوں میں اخوت کی بھی بو آئی نہیں — اُس چمن میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

دانۂ خرمن نما ہے شاعرِ معجز بیاں — ہو نہ خرمن ہی تو اس دانہ کی پھر ہستی کہاں

حُسن ہو کیا خود نما جب کوئی مائل ہی نہ ہو — شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی نہ ہو

ذوقِ گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں — میرے آئینہ سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں،

بلبل کی فریاد

صیّاد نے چھڑایا جس دن سے آشیانا — پہلو میں دل کے بدلے غم نے کیا ٹھکانا

گلزار سے نکالا قیدِ قفس میں ڈالا، — بیداد کچھ نہ سمجھا ظالم نے کچھ نہ جانا

آزاد تھا کبھی میں دل شاد تھا کبھی میں — تھے وہ بھی دن الٰہی وہ بھی تھا اک زمانا

رفتا ہوں جو کے آنسو آتا ہے یاد جس دم — غنچوں کا مسکرانا پھولوں کا کھلکھلانا

موجِ صبا کا چلنا تھم تھم کے ہر روش پہ — شاخوں کا جھوم جانا سبزے کا لہلہانا

وہ جانفزا ہوائیں وہ دلکش گھٹائیں — مرغانِ ہمنوا کا ساون کے گیت گانا

بارش کی وہ پھواریں برسات کی بہاریں — پتلی سی ٹہنیوں پر وہ جھولنا جھلانا

صحنِ چمن میں پھرنا وہ شب کو چاندنی میں — دل میں سرور آنا آنکھوں میں نور آنا

وہ شام کے نظارے جگنو وہ پیارے پیارے — وہ صبح کے ستارے اُن کا وہ جھلملانا

اُس قیدِ بیکسی میں کب تھا خیال مجھ کو

مل جائیں کاش واپس وہ ماہ و سال مجھ کو

ایام کے ستم کی گھڑیاں اُٹھا رہا ہوں، — بیداد سہ رہا ہوں دُکھ درد پا رہا ہوں

مجھ بے زباں کی بولی کوئی نہیں سمجھتا — ہر چند چیخ کر میں دکھڑا سنا رہا ہوں

قسمت کو رو رہا ہوں میں اور یہ ستمگر — دل میں سمجھ رہا ہے خوش ہو کے گا رہا ہوں

اک آگ سی لگی ہے یادِ وطن کی دل میں — رو رو کے آنسوؤں سے اُسکو بجھا رہا ہوں

سب ہمصفیر میرے خوشیاں منا رہے ہیں

تن تن کے اُڑ رہے ہیں اُڑ اُڑ کے گا رہے ہیں

میرا نصیب مجھ سے گر سازگار ہوتا | میں بھی ترانہ سنج فصلِ بہار ہوتا
پھولوں کی انجمن سے ہوتی اگر نہ دوری | یہ دل میرا نہ ہرگز یوں داغدار ہوتا
شبنم کے وہ نظارے آنکھوں سے گر نہ چھپتے | کیوں زار زار روتا کیوں اشکبار ہوتا
اس قید سے رہائی ممکن اگر نہیں ہے | میرا بھی کچھ تو چارہ پروردگار ہوتا
شاخِ نہال پر یہ پنجرہ میرا لٹکتا | پنجرے میں یا ہجومِ سرو چنار ہوتا

پنجرے کا آب و دانہ یا رب ہے زہر مجھ کو
کھانا عذابِ جاں ہے پینا ہے قہر مجھ کو

اے کاش جا کے بیٹھوں پھر کنجِ دلنشیں میں | گاتا پھروں ترانے گلشن کی سرزمیں میں
سوزِ نہاں بجھاؤں چھوٹے چمن پہ جا کر | پھر جا ملوں میں اپنے یارانِ دانہ چیں میں
یہ تیلیاں قفس کی اے کاش پھونک ڈالوں | اتنا اثر تو یا رب ہو آہِ آتشیں میں
اُجڑا ہوا نشیمن پھر جا بساؤں اپنا | اب کے جو تھا بسایا گلہائے یاسمیں میں

کب ہو مجھے رہائی کب آشیاں میں پہنچوں
اپنے وطن میں جاؤں اپنے مکاں میں پہنچوں

تلوک چند محروم

جذباتِ ٹگور

یہ اس نظم کا ترجمہ ہے جس پر ٹگور کو انگلستان میں "نوبل پرائز" ملا تھا

جہاں بےخوف دل ہو اور حاصل سربلندی ہو | جہاں دانش کی آزادی سے آساں فیض مندی ہو
جہاں دنیا نہ ہو ٹکڑے ٹکڑے فرقہ بندی سے | جہاں ہر بات نکلی ہو تہِ دل کی سچائی سے
جہاں تکمیل تک پہنچا ہوا ان تھک ہاتھ کوشش کا | جہاں ہو فہم و دانائی کا چشمہ صاف اور اجلا
سراج بد کے ریگستان وحشت میں نہ کھو جائے | صفائی خاک ہو کر آبرو مٹی نہ ہو جائے
جہاں ادراک کے مالک دل کا تو خود رہنما ہووے | سوئے علم و عمل وسعت سدا جس کی ہوا ہووے
بس ایسے چرخِ آزادی کے نیچے اپنی حکمت سے | ہمارا ملک بیدار کر جگا دے خوابِ غفلت سے

عروسِ حبِّ وطن

آ اے عروسِ حبِّ وطن میری بزم میں تو | آنکھیں تیری تلاش میں ہیں محوِ جستجو

آ اے نگار تجھ کو گلے سے لگاؤں میں | آ تجھ سے ہمکنار ہو اے شوخ خوش گلو
وہ دن خدا کرے کہ مناؤں شبِ وصال | گردن ہو تیری اور میرے دستِ آرزو
زانو ہو تیرا اور سرِ شوریدہ ہو میرا | میرا مشامِ جان ہو تیری زلفِ مشکبو
تیری شرابِ عشق کا آنکھوں میں ہو سرور | خلوت میں ہو نہ ذکرِ مے و شیشہ و سبو
پہلوؤں میں بیخودی میں جو تجھ سی شبِ وصال | بانہیں تیرے گلے میں ہوں لب پر نہ گفتگو
ٹوٹے وہ پاؤں جن کو نہ تیری تلاش ہو | پھوٹے وہ آنکھ جس کو نہ ہو تیری جستجو
وہ گھر ہو بے چراغ جہاں تیری ضو نہ ہو | وہ دل ہو داغ جس میں نہ ہو تیری آرزو
دنیا و آخرت میں نہ انجام ہو بخیر | تیرے سوا جو غیر کی ہو مجھ کو جستجو
حوروں پہ میں مروں تو جہنم نصیب ہو | کافر ہوں میں جو مجھ کو بتوں کی ہو آرزو
ناقوس اور اذاں میں نہیں قیدِ کفر و دیں | اس کیلئے کہ جس کا پرستش کدہ ہو تو
گنگا نہائے شیخ اگر تیرا حکم ہو | تیرا اشارہ ہو تو برہمن کرے وضو
تیرا طریقِ عشق ہی ایمان ہے مرا | تیرے فدائیوں میں ہوں اے شوخِ خوبرو

جلوہ نہ ہو کسی مہِ رعنا کا سامنے
وہ دن خدا کرے کہ ہو آنکھوں میں تو ہی تو

پیارا وطن مبارک

اگلی سی تازگی ہے پھولوں میں اور پھلوں میں | کرتے ہیں رقص اب تک طاؤس جنگلوں میں
اب تک وہی کڑک ہے بجلی کی بادلوں میں | پستی سی آگئی ہے پر دل کے ولولوں میں
گل شمعِ انجمن ہے گو انجمن وہی ہے | حبِّ وطن نہیں ہے خاکِ وطن وہی ہے
برسوں سے ہو رہا ہے برہم سماں ہمارا | دنیا سے مٹ رہا ہے نام و نشاں ہمارا
کچھ کم نہیں اجل سے خوابِ گراں ہمارا | اک لاش بے کفن ہے ہندوستاں ہمارا
اس کے بھرے خزانے برباد ہو رہے ہیں | ذلت نصیب وارث غفلت میں سو رہے ہیں
اے صورِ حبِّ قومی اس خواب سے جگا دے | بھولا ہوا فسانہ کانوں کو پھر سنا دے
مردہ طبیعتوں کی افسردگی مٹا دے | اٹھتے ہوئے شرارے اس راکھ سے دکھا دے

حُبِ وطن سمائے آنکھوں میں نور ہو کر | سر میں خمار ہو کر دل میں سرور ہو کر
شیدائے بوستاں کو سرو و سمن مبارک | رنگیں طبیعتوں کو رنگِ سخن مبارک
بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک | ہم بیکسوں کو اپنا پیارا وطن مبارک
غنچے ہمارے دل کے اس باغ میں کھلیں گے | اس خاک سے اُٹھے ہیں اس خاک میں ملیں گے
ہے جوئے شیر ہم کو نورِ سحر وطن کا | آنکھوں کی روشنی ہے جلوہ اس انجمن کا
ہے رشکِ مہر ذرّہ اس منزلِ کہن کا | تلتا ہے برگِ گل سے کانٹا بھی اس چمن کا

گردو غبار یاں کا خلعت ہے اپنے تن کو
مرکر بھی چاہتے ہیں خاکِ وطن کفن کو

خاکِ ہند

اے خاکِ ہند تیری عظمت میں کیا گماں ہے | دریائے فیضِ قدرت تیرے لئے رواں ہے
نورِ جبیں سے تیرے حسنِ ازل عیاں ہے | اللہ رے زیب و زینت کیا اوجِ عز و شاں ہے
ہر صبح ہے یہ خدمت خورشید پرضیا کی | کرنوں سے گوندھتا ہے چوٹی ہمالیہ کی
اس خاکِ دلنشیں سے چشمے ہوئے وہ جاری | چین و عرب میں جن سے ہوتی ہے آبیاری
سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری | چشم و چراغِ عالم تھی سرزمیں ہماری
شمعِ ادب نہ تھی جب یوناں کی انجمن میں | تاباں تھا مہرِ بخشش اس وادیٔ کہن میں
گوتم نے آبرو دی اس معبدِ کہن کو | سرمد نے اس زمیں پہ صدقے کیا وطن کو
اکبر نے جامِ الفت بخشا اس انجمن کو | سینچا لہو سے اپنے راناؔ نے اس چمن کو
سب سور بیر اپنے اس خاک میں نہاں ہیں | ٹوٹے ہوئے کھنڈر ہیں یا اُن کی ہڈیاں ہیں
دیوار و در سے اب تک اُن کا اثر عیاں ہے | اپنی رگوں میں اب تک اُن کا لہو رواں ہے
اب تک اثر میں ڈوبی ناقوس کی فغاں ہے | فردوس گوش اب تک کیفیتِ اذاں ہے
کشمیر سے عیاں ہے جنت کا رنگ اب تک | شوکت سے بہ رہا ہے دریائے گنگ اب تک

تضمین

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا | زیبِ زمن ہمارا فخرِ زماں ہمارا

کرتے ہیں رشک اہلِ کون و مکاں ہمارا — ہے واقعی یہ بھارت جنت نشاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

بستے ہیں مدتوں سے اس کشورِ کہن میں — صدیوں سے ہے ہمارا مسکن اسی چمن میں
پنہاں ہے اس کی الفت کی آگ تن بدن میں — غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہاں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

ٹھیکہ نہیں ملا ہے آلامِ جاوداں کا — اعدائے بدگہر سے کھٹکا نہیں زیاں کا
قابو یہاں کیا ہے خصمِ ضرر رساں کا — پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

اچھا نہیں ہے صلا آپس میں بیر رکھنا — ہم کو نہیں ہے زیبا آپس میں بیر رکھنا
شیوہ نہیں ہمارا آپس میں بیر رکھنا — مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

رفعت سوا تھی جن کی کچھ رفعتِ گماں سے — کس طرح پس گئے وہ سب گردشِ زماں سے
جابر ہوا نہ کوئی بیدادِ آسماں سے — یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

ایران مٹ گیا تو آئی عرب کی باری — عظمت سب اس کی سوئے ملکِ عدم سدھاری
ٹرکی کا آن پہنچا اب وقت جاں نثاری — کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

نئی تصویر ہولی کی

کھلے رنگِ ترقی کھل چلے تقدیر ہولی کی — گھٹے رتبہ جہالت کا بڑھے توقیر ہولی کی
نئی تہذیب دکھلائے نئی تصویر ہولی کی — نئی سرخی سے لکھی جائے اب تقدیر ہولی کی
خط و خالِ حبیبی سے رنگ گلکاری ہویدا ہو — کھنچے اس خوش نگاری سے نئی تصویر ہولی کی
ضمیرِ قوم کی پچکاریوں میں رنگ الفت ہو — رنگائیں جذبِ دل کے قمقمے تخمیر ہولی کی
بجے وحدت کی وہ مرلی جس سے فرنگ دنیا ہو — ہے نورِ صفا سے جلوہ گر تنویر ہولی کی

[illegible]
طالب دہلوی

بھریں حب وطن کا عطر خمخانہ ساغر دل میں
مثال جام جم رقصاں ہے تاثیر ہولی کی

کتاب صنعت و حرفت حساب حکمت و ہمت
یہ ہو تحریر ہولی کی - وہ ہو تقریر ہولی کی

لیاقت سے حمیت سے سرخرو ہو جائیں کل ہندی
جہالت سے نہ ہونے پائے اب تحقیر ہولی کی

وہ سوز نار الفت ساز عاطف میں بھڑک اٹھے
جلے جس کی جلا پر شک سے تنویر ہولی کی

پرانے رنگ کی ہولی جو ہوتی تھی نہ سنبھلی
کھڑی ہو اب نئی بنیاد پر تعمیر ہولی کی

ہم نے جہل سے کی ہولیاں بھی تعصب انگیز تھی طالب
ہمیں جب خاک تھی وہ ہو گیا تقصیر ہولی کی

نیا شوالہ

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے

اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے

پر نہ کر کچھ فکر چھوٹ کی گرمائی ہے تو چمن کا
بوٹوں کو پھونک ڈالا اس میں بھری ہوا نے

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آ، غیریت کے پردوں کو پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقش دوئی مٹا دیں

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ اک نیا شوالا اس دیس میں بنا دیں

دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامان آسماں سے اس کا کلس ملا دیں

پھر اک انوپ ایسی سونے کی مورتی ہو
اس ہردوار دل میں لا کر جسے بٹھا دیں

سندر ہو اس کی صورت چھب اس کی موہنی ہو
اس دیوتا سے مانگیں جو دل کی ہوں مرادیں

زنار ہو گلے میں تسبیح ہاتھ میں ہو
یعنی صنم کدے میں شان حرم دکھا دیں

پہلو کو چیر ڈالیں درشن ہو عام اس کا
ہر آتما میں گویا اک آگ سی لگا دیں

آنکھوں کی ہے جو گنگا لے لے کے اس سے پانی
اس دیوتا کے آگے اک نہر سی بہا دیں

ہندوستان لکھ دیں ماتھے پہ اس صنم کے
بھولے ہوئے ترانے دنیا کو پھر سنا دیں

ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں

مندر میں ہو بلانا جس دم پجاریوں کو — آوازۂ اذاں کو ناقوس میں چھپا دیں
اگنی ہے وہ جو نرگن کہتے ہیں بیت جس کو — دھرموں کے یہ بکھیڑے اس آگ میں جلا دیں

ہے ریت عاشقوں کی تن من نثار کرنا
رونا ستم اٹھانا اور اُن کو پیار کرنا

نوائے حریّت

سنو الفت ہے گر ہندوستاں سے — ندا آئی یا آ رہی ہے آسماں سے
کہ اک لمحے کی آزادی ہے بہتر — غلامی کی حیاتِ جاوداں سے
سبک ہونے میں کیا باقی رہا ہے — اُٹھو اے دوستو خوابِ گراں سے
تمہیں کچھ یاد ہے کیسی تھیں باتیں — تمہاری رفعتیں کل آسماں سے
اُٹھا کر دیکھ لو تاریخ اپنی — لڑے ہو کس سلاطینِ جہاں سے
اُٹھو راہوں کے کانٹے رونڈ ڈالو — تعلق ہو جو اپنے گلستاں سے
قفس کی تیلیوں میں آگ دیدو — محبت ہو اگر کچھ آشیاں سے
زمانہ ہو گیا آخر کہاں تک — جُدا یوسف رہیگا کارواں سے
نہایت تشنۂ نصرت ہے اسلام — اُتر آؤ فرشتو آسماں سے
مناسب ہے جبین ماتر بھومی کی — علاقہ پھر ہو اس کے آستاں سے

زمیں اے جوش پھر سجدوں سے چمکے
فلک روشن ہو آوازِ اذاں سے

بلبل کا ذوقِ آزادی

قفس میں بلبلِ نالاں کی جب بیتابیاں دیکھیں — تو از راہِ عنایت ایک دن صیاد یوں بولا
پریشانی تری اے مشتِ پر ہے سخت نادانی — یہ راحت ہے سراسر جس کو تو نے قید ہے سمجھا
وہ تیرا آشیانہ جس کو تو دن رات روتی ہے — وہ آخر کیا تھا اک تنکوں کا بے ڈھنگا سا ڈھیر تھا
قفس کو دیکھ کاریگر نے کیا اچھا بنایا ہے — تناسب کا نمونہ خوبصورت خوشنما ستھرا
عبث اس آشیانہ زندگی کو یاد کرتی ہے — نہیں افسوس تجھ پر کچھ اثر عہدِ ترقی کا

کبھی صرصر کے حملے تھے کبھی تجھ پے برق کے دھاوے
وہ تیرا آشیانہ آفتوں کا اک نشانہ تھا

محافظ کون تیری جان کا تھا صحنِ گلشن میں
کوئی طائر شکاری تجھ کو چپکے سے جھپٹ لیتا

قفس کیا ہے حصارِ عافیت ہے تو اگر سمجھے
نہ اندر سے کوئی ڈر ہے نہ باہر سے کوئی کھٹکا

ہوا اور روشنی اور دانہ پانی سب میسر ہے
مزے سے چہچہا اور حمدِ خالق کے ترانے گا

یہ فریاد و فغاں و آہ ناشکروں کی باتیں ہیں
اری ناداں! تجھے ممنون ہونا چاہیے میرا

کہا بلبل نے اے صیادِ مشفق سچ کہا تو نے
تری راحت میں کیا شک ہے تری شفقت کا کیا کہنا

مگر حبِ وطن اور ذوقِ آزادی عجب شے ہے
چمن کی یاد دل سے جا نہیں سکتی کبھی جھلا

پرائے دل کا دکھ اے مہرباں ایسا ہی ہوتا ہے
کسی کو کیا خبر ہے دوسرے پر کیا قلق گزرا

حقیقت میری بیتابی کی تجھ پر تب عیاں ہوتی
کہیں صیاد ہوتی تو گرفتارِ قفس ہوتا

ترانۂ قوم

وہ دن بھی نہیں ہیں دور کہ جب بھارت کا ستارا چمکیگا
دیکھیگا مغرب مشرق کو جب بخت ہمارا چمکیگا

پھر ہند میں شاہدِ حبِ وطن کا روئے دل آرا چمکیگا
ہاں جلوۂ حسنِ قدیمی سے وہ پا کے اشارہ چمکیگا

جس سے کہ دلوں میں سوز رہا جو چشم میں اشک افروز رہا
دیکھینگے ہم اپنی آنکھوں سے پھر وہی ستارہ چمکیگا

وحدت کا نور ہمالہ پر برسے گا رحمتِ باری سے
پھر اک دن معنی حقیقت سے گنگا کا کنارا چمکیگا

پھر اوجِ سپہرِ قومی پر اقبال کے تارے نکلے ہیں
کہتے ہیں منجم دنیا کے یہ دیش ہمارا چمکیگا

محروم رہیں گے کب تک ہم مغموم رہیں گے کب تک ہم
دل شاد ہوا جب اہلِ وطن بھارت کا ستارا چمکیگا

مادرِ وطن کے سپوت

کیا کیا وطن پرست وطن سے نکل گئے
خوشبو کی طرح صحنِ چمن سے نکل گئے

جو لعل بے بہا تھے یمن سے نکل گئے
جو دُر تھے آبدار عدن سے نکل گئے

اے مادرِ وطن ترے بیٹے کہاں گئے
کچھ تو پتہ نشان بتا دے جہاں گئے

زیرِ زمیں گئے کہ سوئے آسماں گئے
کس کعبۂ حسن میں پئے امتحاں گئے

سب ہموطن ہیں اپنے اسی دیکھ بھال میں — آنکھیں لگی ہوئی ہیں انہیں کے خیال میں
چرخ ستم شعار ہی لایا ہے چال میں — معلوم ہو گیا ہمیں کالا ہے دال میں
اپنے وطن پرستوں کی امداد کیلئے — بیتاب دل ہیں شکوہ بیداد کیلئے
ایسا بیان چاہیے فریاد کیلئے — ماں باپ جیسے روتے ہیں اولاد کیلئے

آنکھوں کے اپنے نور ہیں گھر کے چراغ ہیں؛
یہ ہم سے دور ہیں تو کلیجے پہ داغ ہیں؛

نوکری اور جاہ طلبی

کچھ صنعت و حرفت پہ بھی لازم ہے توجہ — آخر یہ گورنمنٹ سے تنخواہ کہاں تک
مرنا بھی ضروری ہے خدا بھی ہے کوئی چیز — اے حرص کے بندو! ہوسِ جاہ کہاں تک

درد قوم

آہ و زاری

کس کو سناؤں ساقی جو کچھ بھرا ہے جی میں — تو نے اڑائیں اکثر باتیں میری ہنسی میں
لیکن میری مصیبت رندوں کی ہے کہانی — غمخوار بن خدارا اس دردِ بیکسی میں
لا بھر کے ایک ساغر ساقی مے کہن کا — اک تازہ غم ہے مجھکو اس رنج بیدلی میں
اہل وطن نے مجھکو برباد کر دیا ہے؛ — جس گھر کی تھی ضرورت ہم سب کو زندگی میں
بھولے ہیں دوست باہم الفت سے مل کے رہنا — کیوں جا گرے ہیں ہمدم غفلت کی گہری میں
جینے کیواسطے اب ہر قوم مر رہی ہے؛ — پر موت ڈھونڈتے ہیں ہر جا یہ زندگی میں
کیوں قید ہے برہمن شیخ حرم نشیں سے — کیا شیخ کا بُرا ہے مندر کی آرتی میں
نیتر نفع ہے گیانیوں کا من کی احد صبا میں — پرم آتما کی مایا رکھی ہے سب کے جی میں
توحید ہی کا قشقہ پنڈت کی ہے جبیں پر — طرّہ ہے حق کی وحدت دستار مولوی میں
یارو جدائیاں ہیں بے سود سب ہماری — پنہاں نجات سب کی ہے صلح و آشتی میں

دلِ مسلم کبھی قوت سے نہ ہوگا مفتوح
جھوٹ ہے جھوٹ ہے اس حصن کی خواہش سقوط

یاوہ گوئی نہ سنو مدعیِ ناداں کی،
سنو بچے کی زباں سے سخنِ نامربوط

مجھ کو معلوم ہے مایوسیِ ملت کا مآل
کیوں نہ ہوں لعنتِ عشا جو تماشائے قنوط

اَنزَلَ اللّٰہُ سَکِینَۃ سے کرو کسبِ فیوض
پڑھ کے لَم مِن فِئَۃٍ دل کو بنالو مضبوط

پھیر و مال ہے گر شرحِ کشتی کا تاوان
پھینکدو دودھ ہے گر رنگنیوں سے مخلوط

وردِ لب فَاعتَبِرُوا یَا اُولِی الاَبصَار ہوا
دیکھ کر خیرِ اُمم کا وہ عروج اور یہ ہبوط

منحصر اَنتُمُ الاَعلَونَ تھا اِن کُنتُم پر
حسرت اے شرط فراموش! کہ فات المشروط

لذتِ دید ہے اب بندگیِ مستانہ روش
سوئے چشم ہے اب شیخ کی ریش مخروط

کبھی ہیگن کبھی نیوٹن کبھی مل کی تعریف
زیرِ بحث اب نہ ابراہیم نہ اسحاق نہ لوط

از رنج

خودداری

جس سے تو کر سکے پھر سارے جہاں کو تسخیر،
اپنی آنکھوں میں وہ اندازِ نظر پیدا کر

پھونکدے ہستیِ باطل کا جو خرمن دم میں
وہ جہاں سوز تو آہوں میں شرر پیدا کر

جس سے ایوانِ رعونت میں بپا ہو محشر
اپنے نعروں میں وہ بجلی سا اثر پیدا کر

تا کجا دام و قفس سے تو رہے گا مانوس
جس سے آزاد ہو دنیا میں وہ پر پیدا کر

سر بکف ہو کے تو میدانِ عمل میں آجا
دل میں اپنے نہ کسی کا بھی تو ڈر پیدا کر

قوم سے، ملک سے، مذہب سے وفاداری سیکھ
زندگی چاہیئے دنیا میں تو خودداری سیکھ

اقبال

منزلِ لیلیٰ

پردہ چہرے سے اُٹھا انجمن آرائی کر
چشمِ مہر و مہ و انجم کو تماشائی کر

تو جو بجلی ہے تو یہ چشمکِ پنہاں کیسی
بے حجابانہ مرے دل سے شناسائی کر

ہو تری خاک کے ہر ذرے سے تعمیرِ حرم
دل کو بیگانۂ اندازِ کلیسائی کر

تا کجا طور پہ دریوزہ گری مثلِ کلیم
اپنے سینے سے عیاں شعلۂ سینائی کر

پہلے خوددار تو تو مثلِ سکندر ہو لے
پھر ہوا و ہوس و شوکتِ دارائی کر

باغِ عالم میں نہیں حد سے گذرنا اچھا　　پر از بھی کر تو باندازۂ رعنائی کر

مل ہی جائیگی کبھی منزلِ لیلیٰ اقبال
کوئی دن اور ابھی بادہ پیمائی کر

اقبال

خاموش رہنا چاہیئے

عشق کہتا ہے جنوں کا جوش رہنا چاہیئے　　ضبط کی تاکید ہے خاموش رہنا چاہیے

پی کے مے ساقی یہ کیوں مدہوش رہنا چاہیئے　　کچھ خیالِ خاطرِ مےنوش رہنا چاہیئے

ہو جُدا دل سے تو لِلّٰہِ امیدِ وصال　　میرے ارمانوں سے ہم آغوش رہنا چاہیئے

قصۂ موسیٰ سبق ہے ہوش والوں کیلئے　　اس طرح مشتاق کو بیہوش رہنا چاہیئے

حضرتِ ناصح کا احساں ہو جو یہ جائز رکھیں　　قدرِ شربتِ اسقدر مدہوش رہنا چاہیئے

دیکھکر مے کو مریدوں کی نہ لگ جائے نظر　　ان خموں پر ساقیا سرپوش رہنا چاہیئے

نصرتِ اعداء کے بیت اللہ میں ڈنکے بجیں　　پھر بھی کیا مسلم تجھے خاموش رہنا چاہیئے

فکرِ عقبیٰ کی بھی کچھ لازم ہے فکری آپ کو
بیخودی اچھی ہے پر اتنا ہوش رہنا چاہیئے

فکری

ملّت فروش

چڑیمار نے کر کے تیار جال　　لیا جال کو اپنے کندھے پہ ڈال

دیا جا کے وہ جال اک جا لگا　　لگاتے ہی تیتر اک اس میں پھنسا

سمجھ کر یہ اس نے کہ موت آگئی　　نہائت خوشامد سے یہ عرض کی

اگر جان بخشی ہو اے مردِ نیک　　تجھے میں بتاتا ہوں تجویز ایک

ذرا چھوڑ دے مجھ کو میدان میں　　وہ بولو لگا بولی کہ اک آن میں

نہ آجائیں تیتر اگر بے شمار　　نہ کرنا میرا پھر کبھی اعتبار

چڑیمار بولا کہ اے فیلسوف　　سمجھتا ہے کیا تو مجھے بیوقوف

تیری بات کا کر کے میں اعتبار　　کروں ضائع کیوں ہاتھ آیا شکار

علاوہ ازیں فکر ہے یہ مجھے　　نہیں جانتا معتبر میں تجھے

دردِ قوم

جب اپنوں سے ہی تیرے دل میں دغا — تو اُمید غیروں کو ہو تجھ سے کیا
بہت ایسے ہوتے ہیں ملت فروش — نہیں جن میں قومی حمیت کا جوش
نہ حق کی حمایت نہ مذہب کا پاس — صداقت سے ایثار سے ناشناس
اُنہیں ہے فقط حُبِّ جاہ کا مرض — ذلیل اس قدر ہیں وہ اور خود غرض
تباہ ہو اگر قوم پرواہ نہیں — کریں زجر اور لوم پرواہ نہیں
نہیں ایسے لوگوں کی عزت کہیں — کہیں اُن کی توقیر و وقعت نہیں

سمجھتے ہیں وہ بھی اُنہیں دل میں خوار
جو ظاہر میں کرتے ہیں اُن کا وقار

محمد حبیب

جذباتِ اکبر

گردُوں کے ستم دیکھے اُجڑا ہوا گھر دیکھا — دیکھا تو نہ جاتا تھا ناچار مگر دیکھا
اب آنکھ اُٹھانا ہے ایماں کی بربادی — اُس بُت کی نظر دیکھی اور اُس کا اثر دیکھا
تقدیر مخالف تھی تدبیر ہوئی قاصر — ممکن تھا جو کچھ ہم سے سب ہم نے وہ کر دیکھا
تکبیر ہی اچھی تھی تقریر میں تھے جھگڑے — ترک اُس کو کیا ہم نے جس شے میں شر دیکھا
دُنیا کی یہ زینت ہے عقبیٰ کے ہیں وہ وعدے — غافل نے اِدھر دیکھا عاقل نے اُدھر دیکھا
اس عہد میں اے اکبر میں اُس کو ولی سمجھا — تھوڑا سا بھی کچھ جس میں اللہ کا ڈر دیکھا

اکبر

عبدالقادر کے نام

اُٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا اُفقِ خاور پر — بزم میں شعلہ نوائی سے اُجالا کر دیں
ایک فریاد ہے مانندِ سپند اپنی بساط — اسی ہنگامے سے محفل تہ و بالا کر دیں
پھونک ڈالا تھا کبھی دفترِ باطل جس نے — حدّتِ دم سے اُسی شعلے کو پیدا کر دیں
اہلِ محفل کو دکھا دیں اثرِ صیقلِ عشق — سنگِ امروز کو آئینۂ فردا کر دیں
جلوۂ یوسفِ گم گشتہ دکھا کر اُن کو — تپش آلودہ تر از خونِ زلیخا کر دیں
اِس چمن کو سبقِ آئینِ نمو کا دے کر — قطرۂ شبنمِ بے مایہ کو دریا کر دیں
رختِ جاں بتکدۂ چیں سے اُٹھا لیں اپنا — سب کو محوِ رُخِ سعدیٰ و سلیمیٰ کر دیں

درد ہے سارے زمانے کا ہمارے دل میں
جنس کمیاب ہے! اس نرخ کو بالا کر دیں

دیکھ یثرب میں ہوا ناقۂ لیلیٰ بیکار
قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دیں

زاہدِ شہر کہ ہے سوختہ طبعی میں مثال
خشک ہے اس کو غریقِ نمِ صہبا کر دیں

بادۂ دیرینہ ہو اور گرم ہو ایسا کہ گداز
جگرِ شیشہ و پیمانہ و مینا کر دیں

سنگ رس شاخ چنی ہم نے نشیمن کیلئے
اپنے دردوں کو آمادۂ ایذا کر دیں

گرم رکھتا تھا ہمیں سردیٔ مغرب میں جو داغ
چیر کر سینہ اسے وقفِ تماشا کر دیں

شمع کی طرح جئیں بزم گہِ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

ہرچہ در دل گذرد وقفِ زباں دارد شمع
سوختن نیست خیالے کہ نہاں دارد شمع

اقبال

جذبات اقبال

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا

گذر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
بنیگا سارا جہاں میخانہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا

کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبسیں گے
برہنہ پائی وہی رہیگی مگر نیا خارزار ہوگا

سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں
تو پیرِ میخانہ سن کے کہنے لگا کہ منہ پھٹ ہے خوار ہوگا

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

سفینۂ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

جنھوں نے میری زبانِ گویا کو محشرستانِ صدا کا جانا
میرا وہ دل چیر کر جو دیکھیں تو واں سکوتِ مزار ہوگا

چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا

جو ایک تھا اے نگاہ تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کسے اعتبار ہوگا

کہا جو قمری سے میں نے اکدن یہاں کے آزاد پا بگل ہیں
تو غنچے کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ رازدار ہوگا

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے — میں اُس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا
یہ رسم بزمِ فنا ہے اے دل گناہ ہے جنبشِ نظر بھی — رہیگی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بیقرار ہوگا
میں ظلمتِ شب میں لیکے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو — شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس میرا شعلہ بار ہوگا
نہیں ہے غیر از نمود کچھ بھی جو مدعا تیری زندگی کا — تو اک نفس میں جہاں سے مٹنا تجھے مثالِ شرر ہوگا
نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اُسکی — کہیں سرِ راہ گذار بیٹھا ستم کش انتظار ہوگا

جذباتِ ظفر علیخاں

وفود بھیجکر اُن سے پیام کر لینگے — ہم آج فیصلۂ صبح و شام کر لینگے
ہمارے خون کے آنسو ہیں اور دامنِ قوم — لہو لگا کے شہیدوں میں نام کر لینگے
مٹائینگے بدویت کے تفرقے جا کر — اور اسکے واسطے کچھ قرض و دام کر لینگے
ہمارے منہ میں زباں اور اسمیں ہے تاثیر — اسی کو وجہ حصول مرام کر لینگے
ہمارے ہاتھ میں ہے اشہبِ قلم کی عناں — اسی سمند کو محشر خرام کر لینگے
رہی مساعدتِ بختِ نارسا تو یہ کام — جنابِ حضرتِ خیر الانام کر لینگے
خلیفہ چاند بنے سورج اور ہم تارے — مرتب آپ ہم اپنا نظام کر لینگے
وہ کام جو نہ ہوا دلیم اور روسن سے — محمدِ عربی کے غلام کر لینگے
نسیم وادیٔ بطحا جو چل کے ہند میں آئی — تو ہم بھی اُس سے معطر مشام کر لینگے
ہزار آپ کے فتوے سہی مگر مسلم — حلال چیز کو کیونکر حرام کر لینگے
عرب کی خاک اُڑی اور عجم ہوا برباد — ہم اب زمین کے نیچے مقام کر لینگے
وہ خاک جسمیں ٹھکانا ہے غوثِ اعظمؒ کا — سنا ہے اس میں اجانب قیام کر لینگے
خدا کرے کہ وہ اس خاکِ پاک میں نہ رہیں — وگرنہ کام ہم اپنا تمام کر لینگے
جو ڈھل کے آ گیا خورشیدِ خاوری لبِ بام — تو ہم ستم زدہ بھی سیرِ بام کر لینگے
ہمارے دل میں اگر جلوہ گر ہے نورِ خدا — تو سومنات کو بیت الحرام کر لینگے
جو مولوی نہ ملیگا تو مالوی ہی سہی — خدا خدا نہ سہی رام رام کر لینگے
کریں جو دیں کو رسوا وہ آپ ہوس رسوا — ہم اب دعا میں یہی التزام کر لینگے

طوفان فریاد

کیسا ٹوٹا ہے سر پہ یہ کوہ ستم سچ یہ ہے موت کا سامنا ہو گیا
لٹ رہی ہے خلافت اب اسلام کی دار اسلام کا خاتمہ ہو گیا

حضرت مسیح علیہ السلام سے خطاب

اے مسیحائے چرخ چہارم نشیں تو نے مردے جلائے ذرا شک نہیں
تیری امت کے جور و ستم سے مگر آج زندوں کو جینا بلا ہو گیا
تیری امت کی بھیڑیں تھیں بھیڑیں کبھی آج دنیا کی حالت بدلنے لگی
تیری ہر بھیڑ خونخوار اب ہو گئی تیرا ہر امتی بھیڑیا ہو گیا
ظلم پر صبر کی انتہا ہو چکی غیرت اہل اسلام بس سو چکی،
روک امت کو اپنی ابھی وقت ہے پھر نہ کہنا کہ مسلم کو کیا ہو گیا

نبی کریم علیہ التسلیم سے خطاب

اے طبیب عجم اے مسیح عرب رہے ہیں سنبھالے تیرے جاں بلب
اہل اسلام کا آخری وقت ہے درد اسلام اب لا دوا ہو گیا
تیری امت بھٹکتی ہے اب دربدر آہ ملتی نہیں کوئی راہ مفر
راہبر سب کے سب بن گئے راہزن خضر گمراہ ہر رہنما ہو گیا
دشمن جاں ہمارے بنے چارہ گر چارہ سازوں نے بدلی ہے ہم سے نظر
کسکو معلوم ہے ہم پہ کیا بنگئی کس سے پوچھیں ہمیں آج کیا ہو گیا
دار السلام پامال اغیار ہے ارض پاک حرم وقف ادبار ہے
دن دہاڑے لٹی شوکت اسلام کی یہ خدا کی خدائی میں کیا ہو گیا
منتظر ہیں نوید حریت کے سب جوش دریائے رحمت میں آئیگا کب
شافع روز محشر ہے تیرا لقب اٹھ! کہ دنیا میں محشر بپا ہو گیا

فاطمہؓ

ایک کمسن عرب لڑکی جو میدان کارزار میں پانی پلانے کی خدمت اپنے سر لیتی ہے، اور اسی دھن میں

جام شہادت نوش کرتی ہے،

فاطمہ تو آبروئے ملّتِ مظلوم ہے — ذرّہ ذرّہ تیری مُشتِ خاک کا معصوم ہے

کس قدر عزت تجھے اے حورِ صحرائی ملی — غازیانِ ملّت بیضا کی سقائی ملی

ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر — دل کہ برگِ نازکِ گل سے بھی تھا پاکیزہ تر

موت کے اندیشۂ جانکاہ سے بیگانہ تھا — موجہ خوں کی ہم آغوشی سے بھی ڈرتا نہ تھا

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی — ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

سینۂ ملّت میں ایسا جلوۂ نادیدہ تھا — جس کے نظارہ میں اک عالم سراپا دیدہ تھا

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

رازِ عافیت

تجھے کیا فکر ہے ای گُل دلِ صد چاک بلبل کی — تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کرلے

اگر منظور ہے تجھکو خزاں نا آشنا رہنا — جہانِ رنگ و بو سے پہلے قطع آرزو کرلے

تمنّا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں، — تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنیکی خو کرلے

تنک بخشی کو استغنا سے پیغام خجالت دے — نہ ہو منّت کشِ ساقی نگوں جام و سبو کرلے

نہیں یہ شانِ خودداری چمن سے توڑ کر تجھ کو — کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیب گلو کرلے

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بگل بھی ہے — انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کرلے

چمن میں غنچۂ گل سے یہ کہہ کر اُڑ گئی شبنم
مذاقِ جورِ گلچیں ہو تو پیدا رنگ و بو کرلے

فسانۂ قوم

مسلمانوں بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے — تمہارے کیا مدارج رہ گئے ان پر نظر کچھ ہے

اگر کچھ ہے تو سوچو دل میں کیا اسکا اثر کچھ ہے — حریفوں کی تعلّی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے

تمہیں معلوم ہے کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آ نکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں
کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں
تمہیں نے فرق بتلایا تھا سب کو گندم و جو میں
تمہیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی قومیں
شرف پایا تھا تم نے امتیاز حق و باطل میں
مخالف بھی تمہاری قدردانی کرتے تھے دل میں

تمہاری عزتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
تمہاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آئینیں تھیں
تمہارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمہیں تم تھے زمانہ میں تمہاری داستانیں تھیں
غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سر تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

تمہارا اتفاقِ باہمی دیوارِ آہن تھا
مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سب کا دشمن تھا
تمہاری ہمتوں کا عرشِ اعظم پر نشیمن تھا
تمہارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم و ہر فن تھا
تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو
خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے دنیا کو

نہ آپس کے جھگڑے تھے نہ یہ ناحق پرستی تھی
طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی
نہ دل میں بدگمانی تھی نہ ہمت میں یہ پستی تھی
نظر میں مظہرِ نورِ حقیقت ساری ہستی تھی
تمہاری وضع دلکش تھی تمہاری شان عالی تھی
خوش اخلاقی تمہاری مظہرِ شانِ جمالی تھی

نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چلن باقی
نہ وہ حسنِ عمل باقی نہ اب وہ حسنِ ظن باقی
نہ وہ ذوقِ ہنرمندی نہ شوقِ علم و فن باقی
نہ دل میں ہے وہ جوشِ حبِ یارانِ وطن باقی
جو فکریں ہیں وہ اپنے نفس کو راحت رسانی کی
توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطرافِ دنیا میں سفر سیکھو
خواصِ خشک و تر سیکھو علومِ بحر و بر سیکھو
خدا کے واسطے اے نوجوانو ہوش میں آؤ

دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

مرثیہ سسلی

رو لے اب دل کھول کر تو اے دلِ خونابہ بار — یہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار

یہ محل خیمہ تھا ان صحرا نشینوں کا کبھی — بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے — شعلۂ جانسوز پنہاں جن کی تلواروں میں تھے

آفرینش جن کی دنیائے کہن کی تھی اجل — جن کی ہیبت سے لرز جاتے تھے باطل کے محل

زندگی دنیا کو جن کی شورشِ قم سے ملی — مخلصی انساں کو زنجیرِ توہم سے ملی

جن کے آوازے سے لذت گیر اب تک گوش ہے
وہ جرس کیا اب ہمیشہ کیلئے خاموش ہے

آہ اے سسلی سمندر کی ہے تجھ سے آبرو — رہنما کی طرح اس صحرا کے پانی میں ہے تو

زیب تیرے خال سے رخسارِ دنیا کو رہے — تیری شمعوں سے تجلی بحر پیما کو رہے

ہو سبک چشمِ مسافر پر ترا منظر مدام — موج رقصاں تیرے ساحل کی چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گہوارہ تھا — حسنِ عالم سوز جس کا آتش نظارہ تھا

نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر — داغ رویا خون کے آنسو جہاں آباد پر

آسماں نے دولتِ غرناطہ جب برباد کی — ابن بدروں کے دلِ ناشاد نے فریاد کی

مرثیہ تیری تباہی کا مری قسمت میں تھا — یہ تڑپنا [illegible] میری قسمت میں تھا

ایم۔اے کے امتحان سے

بے ربط پاؤں کو جب رفعت کے زینہ ہائے — [illegible]

ہر شعر کا نرالا مضمون ہو جہاں سے — ہاں ہر [illegible] غزل کی [illegible] جاتے [illegible] سے

عصرِ جدید ہے یہ سنتے ہو نوجوانو! — بدو پرانے مضمون نیچے بیاں سے

اس باغ میں بساؤ جدت کی قمریوں کو — [illegible] بلبل [illegible] سے

چھپ چھپ کے گوشِ گل سے سرگوشیاں نہ [illegible] — غنچے چٹک [illegible] سے

یورپ کی طرح تم بھی اے اہلِ ہند جاگو — دنیا کی سیر کیجو [illegible] سے

بیکار جا رہی ہے سب آپ کی لیاقت　　کچھ کام لو دہن سے کچھ کام لو زباں سے
افسوس قومیت کی کچھ ماہیت نہ جانی　　فارغ ہوئے ہزاروں ایم اے کے امتحاں سے

اے میرؔ کیوں سخن میں آتی ہے بوئے مغرب
کیا تو بچھڑ گیا ہے مشرق کے کارواں سے

خُذ مَا صَفَا

چلن دُنیا کا بدلا وضعِ شیخ و برہمن بدلی　　پُرانے لوگ اُٹھے انجمن کی انجمن بدلی
رواجِ نو ہوا جاری ہر اک رسمِ کہن بدلی　　نئے الفاظ کی بندش سے ترکیبِ سخن بدلی

سب اگلی صورتیں خوابِ پریشاں ہو گئیں محشر
عدم کے پردہ میں جا جا کے پنہاں ہو گئیں محشر

حسینانِ جہاں کا بدلا اندازِ جفا کاری　　رہی عشاق میں باقی نہ اگلی سی وفاداری
نئی دُنیا ہوئی آباد زیرِ چرخِ زنگاری　　نظامِ کارِ عالم بھی بطرزِ نو ہوا جاری

پلٹتے ہی ہوا کے آئی وہ جدت طبیعت میں
نئے انداز پیدا ہو رہے ہیں رنج و راحت میں

جنابِ شیخ کا ممبر پہ اندازِ بیاں بدلا　　نئی حوریں ہوئیں پیدا گلستانِ جہاں بدلا
ہوئے دل مطمئن ایسے خیالِ این و آں بدلا　　بزورِ فلسفہ رنگِ زمین و آسماں بدلا

ہر اک سر میں بھری ہے قوتِ سودائے آزادی
جسے دیکھو وہ جان و دل سے ہے شیدائے آزادی

ہوئی تخییل شائستہ مذاقِ شاعری بدلا　　مہذب ناولوں سے رنگِ افسانہ گری بدلا
کرشمہ سازیوں سے جلوۂ حُسنِ پری بدلا　　ادائے مغربی سے کہنہ رنگِ دلبری بدلا

نگاہِ اہلِ نظارہ خبر لے آئی لندن کی
ہے برقی روشنی میں جستجو عیسیٰ کے روزن کی

مسیحا سے مریضِ ہجر اچھا ہو نہیں سکتا　　ہوا ہے شربتِ دیدارِ جاناں کا مزہ پھیکا
گیا اے اردوئے صحت نے اثر تقدیر سے اُٹھا　　سرِ بالیں پہ باہم مشورہ ہے چارہ سازوں کا

سول سرجن کو لاؤ سینہ اگر معین کرے آ کر

جگر میں زخم کتنے ہیں یہ دل ہے کس لئے مضطر

مجھے وہ دن کہ روز ہجر تھا جب آفت جانی شب فرقت حیات خضر کی صورت تھی طولانی

مضامین نظم ہوتے تھے خلاف عقل انسانی معاذ اللہ بتان دیر ہیں اوصاف ربانی

یہ سب باتیں فقط اگلے زمانہ ہی میں زیبا تھیں

کہاں تک کر سکے کوئی خدا جانے کہ کیا کیا تھیں

مگر اب دور اس کا ہے کوئی نیچرل سماں باندھو سمجھ میں آ سکے اس طرح جور آسماں باندھو

میان شعر ایسے حسن سے حسن بتاں باندھو قرین عقل ہوں مضمون یوں تم میری جاں باندھو

سنانے جس کو بیٹھو واقعہ پیش نظر ہو جائے

اثر ایسا ہو جس سے سینکڑوں ٹکڑے جگر ہو جائے

جو ہیں جدت پسند اب ان کے ساماں اور ہی کچھ ہیں خیالات اور ہی کچھ دل کے ارماں اور ہی کچھ ہیں

ترقی کے ارادے تا بہ امکاں اور ہی کچھ ہیں، طلسم سعی و کوشش کے یہ انساں اور ہی کچھ ہیں

معطل لوگوں کو سب صاحب آزاد کہتے ہیں

جنہیں ہے عقل وہ بیکار کہ بیمار کہتے ہیں

نہ ہونے پر بھی ہم میں ہیں بہت روشن دماغ ایسے کئے حاصل جنہوں نے عمر کھو کر علم یورپ کے

کمال اپنے وہ ظاہر کر رہے ہیں قوم کے آگے غرض یہ ہے سکھائیں ہم جو کوئی سیکھنے آئے

مگر رستے نئی تعلیم کے جب ہم سکھاتے ہیں

جو کاہل ہیں وہ ان پہ قہقہے کیا کیا لگاتے ہیں

کوئی رفتار پہ ہنستا ہے اور گفتار پر کوئی بناتا ہے نہیں اپنی جگہ پہ فتنہ گر کوئی

سخن کو ان کے کہتا ہے کلام بے اثر کوئی ہنر کو کہتا ہے ترکیب سب [illegible] کوئی

مقدر پر بھروسہ کر کے شل بن بیٹھنا آیا

تماشہ اس زندگانی کے اگر آیا تو کیا آیا

اٹھو اے کاہلی کے ناز بردارو بس اب اٹھو اٹھو اے قید ہستی کے گرفتارو بس اب اٹھو

اُٹھو اَز اِ بیکاری کے بیمارو بس اب اُٹھو — اُٹھو اے بادۂ سستی کے سرشارو بس اب اُٹھو
مثالِ النوم اخ الموت کی گو سنتے آتے ہو،
مگر اِس کان سے سنتے ہو اور اُس سے اُڑاتے ہو

حریفانِ جہاں کی تازہ کاری دیکھ لو اُٹھ کر — بمیدانِ ترقی بیقراری دیکھ لو اُٹھ کر
حصولِ علم و فن میں جان سپاری دیکھ لو اُٹھ کر — حدِ تکمیل تک محنت شعاری دیکھ لو اُٹھ کر
اُٹھو بس مل کے آنکھیں لو سبق روشن دماغی کا
ہوئی ہے اور ہی کچھ صورتِ دنیا و ما فیہا

پڑا تھا جو دنیا کا وہ دستورِ اصل بدلا — مفید مدعا کاموں سے امرِ بے محل بدلا
نہ بدلے زندگی کیونکر کہ اندازِ اجل بدلا — نرے جدت جو فیشن آج جاری ہے وہ کل بدلا
نہ بیٹھے رہیں ہم سب پرانی پوتھیاں اپنی
رٹیں نہ رات طوطے کی طرح سے داستان اپنی

شکایت ہو اگر افراط اور تفریط کی پیدا — تو از انتخابی عقل سے لیں کام تھوڑا سا
موافق ہم وقت و ملت کے ہم کو مل سکے جتنا — نکالیں بس اسی رستے میں اک سنہ ترقی کا
کریں جی توڑ کر کوشش معین اپنا خدا ہو گا
عمل خذ ما صفا پر کون کہتا ہے برا ہو گا

قولِ حافظ ؒ

اے قوم اب نہیں ہے کوئی تیرا سہارا — کچھ سعی کر خدارا کچھ فکر کر خدارا
اصلی جو تھی حرارت اُس میں بھی اب کمی ہے — وہ ڈگریاں نہیں ہیں اب گھٹ گیا ہے پارا
تھا آسمانِ ہستی روشن ترے سبب سے — طلعت میں تھا زیادہ تجھ سے نہ کوئی تارا
تاریخ پڑھ کے تیری آنسو بھر آئے میرے — کیا ہو گیا بتا دے علم و عمل وہ سارا
وہ منقول کے موتی وہ علم کے خزانے — اخلاق کے جواہر جو تھے طبیعت آرا
تو نے لٹا دیئے سب برباد کر دیئے سب — بتلا تو زندگی کا اب کیا رہا سہارا
ممتاز تھے جہاں میں افراد تیرے کل تک — حکمت میں کوئی لقمان دولت میں کوئی دارا

افسوس اب کہاں ہیں وہ لوگ سب جنھوں نے — اصلاح کر کے تیرے اخلاق کو سنوارا
دل گرمیٔ سخن سے کچھ بھی نہیں پگھلتا — سینہ میں تیرے شاید پنہاں ہے سنگ خارا
تاریکیاں ہوئی ہیں ہر وقت تیری رہبر — اب جھلملا رہا ہے تقدیر کا ستارا
دلچسپیاں تیری سب محدود ہو گئی ہیں — چھڑتا ہے ساز مطرب بجتا ہے یا چکارا
عزت تھی خاندانی دولت پہ کی تصدق — دولت جو خود تھی فانی اُس کو جوئے میں ہارا
کی جس نے بھی نصیحت پایا جواب خورا — یہ مال ہی ہمارا تیرا ہے کیا اجارا
جو معرکہ ہو پہلے ہو اُس میں جان دیدیں — گر مہوشوں کا پائیں ادنیٰ سا اک اشارا
جام شراب بھر کر بزم طرب میں لائے — شیشہ میں اس پری کو کس شوق سے اُتارا
مونچھوں پہ تاؤ دے کر پھر تن گئے ہیں پہ — انگڑائی لی ذرا سی سینے نے اگر اُبھارا
یا ہے پتنگ بازی یا ہے بٹیر بازی، — کوٹھے پہ رات دن ہے یہ شور و غل وہ مارا
دن کو ہے گرم صحبت یارانِ باوفا کی — شب کو وہ تھیٹروں میں ہوتے ہیں جلوہ آرا
ہم دیکھکر یہ نقشہ حیران ہو گئے ہیں — ٹکڑے ہیں سب کلیجہ اور دل ہے پارا پارا
اللہ رے تیری مستی اللہ رے تیری غفلت — سب کچھ کہا کیا میں اور تو نے دم نہ مارا
کیوں گلشن وفا میں تخم نفاق بو کر — اس نخل بے ثمر کا تو نے کیا نظارا
حافظ کے قول پر بھی تو نے نظر نہ ڈالی — بالفرض تھا غلط ہی کہنا اگر ہمارا

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

کلام صفی

ہم آج اس بزم میں اک آہ پُر تاثیر کھینچیں گے — جو دل میں آجکل پیوست ہیں وہ تیر کھینچیں گے
پگھل جائیگا کے اہل معتدل آنچیں محبت کی — ترقی کے ہوس دعزن اکسیر کھینچیں گے
نہ ٹوٹیں ارتباطِ باہمی کی خوشنما کڑیاں — سنا ہے قوم کے تدور آزما زنجیر کھینچیں گے
خدا حافظ ہے پھر ہم سینہ ریشانِ محبت کا — جو یونہی چارہ گر باہمدگر شمشیر کھینچیں گے
دکھا دینا ہی نقشہ قوم کی نا اتفاقی کا، — ہم اس دل کی جو سو ٹکڑے ہیں اک تصویر کھینچیں گے

دلوں سے کھینچ لیں زہرِ نفاق اتنا تو مشکل ہے
جو زحمت کھینچی ہی وہ بہر تقدیر کھینچیں گے
کریں گے سرکشانِ قوم کو اپنی طرف مائل
جہاں تک ہو کمانِ چارۂ تدبیر کھینچیں گے

کسی سے داد لینی ہے نہ پیدا نام کرنا ہے
ہمیں کچھ کام کرنا ہے ہمیں کچھ کام کرنا ہے

گمگزوریٔ خلق محبت بڑھتی جاتی ہے
کہ یارانِ طریقت میں عداوت بڑھتی جاتی ہے
ہماری قوم تیرا بھی ستارہ کیا ستارہ ہے
سعادت گھٹتی جاتی ہے نحوست بڑھتی جاتی ہے
غبار آلودہ ہے کیسی زمانہ کی ہوا یارب
جو دل آئینہ تھے اُن میں کدورت بڑھتی جاتی ہے
زمانہ چونکتا جاتا ہے قومیں جاگتی جائیں
قیامت ہے ہماری غفلت بڑھتی جاتی ہے
لہو ہو کر دلِ بیتاب آنکھوں تک اب آپہنچا
یہ پارہ بڑھتا جاتا ہے حرارت بڑھتی جاتی ہے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

وہ یونانی شفاخانہ کا اک بیمار زندانی
جسے گھیرے ہوئے ہیں آج کل امراضِ نفسانی
جو آگے دو قدم اپنی جگہ سے بڑھ نہیں سکتا
مریضِ ناتواں بدبخت فنِ طبِ یونانی
جسے آئے ہوئے ہندوستان میں مدتیں گذریں
جو ہے مانندِ ویدک چارہ سازِ نوعِ انسانی
وہی موضوع علمِ طب ہی جو موضوع ویدک ہے
جسے کچھ بھی سمجھ ہوگی سمجھ لیگا بآسانی
جُدا گانہ روش ظاہر میں ہے باطن میں یکساں ہیں
علاوہ اک طرح کا طبِ ویدک میں ہے روحانی
سبب کیا ہی انہیں کیوں آخر اس ویدک سے نفرت ہے
دواؤں کا ذخیرہ جسمیں ہے اسوقت لاثانی
خزانہ تجربوں کا مفت ملتا ہی نہیں لیتے
سمجھتے ہی نہیں کچھ نفع نقصان ہائے نادانی

طبائی طب میں ویدک بھی تو آخر تم خفا کیوں ہو
خلافِ شرع خذ ما صفا دع ما کدر کیوں ہو

خداوندا عطا کر ناتواں کو اب توانائی
ترقی طب کو دینا چاہتے ہیں یہ طب کے شیدائی
بدن میں روح تازہ پھونک دے اس قوم بے حس کی
کہ میدانِ ترقی میں کرے ہنگامہ آرائی
بزرگوں نے ہمارے کیا نمایاں کوششیں کی تھیں
کہ اب تک صفحۂ ہستی پہ ہیں آثارِ دانائی

ہمارے ابھی علم الادویہ کو چھو نہیں سکتے — وہ سیانے جنہیں اس دور میں ہے ناز یونانی
انہیں کی طرح اب دل چاہئے ہمکو بھی سرگرمی — ہماری بھی رگوں میں ہو وہی تو خون آبائی
یہی دھن ہے منازل طے کرینگے وادئ طب کے — سمائی ہے سروں میں پھر ہوائے جادہ پیمائی
پھر ینگے گلستانوں میں جنگلوں کی خاک چھانیں گے — چنیں گے جا کے اب گلہائے بستانی و صحرائی

یہ گلہائے حقیقت سارے لے جا کر چڑھا دینگے
مزار بو علی سینا پہ اک چادر چڑھا دینگے

فیض اسلام

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اٹھی — پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی — جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی

رہی اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

کیا امیوں نے جہاں میں اجالا — ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا — ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا

زمانہ میں پھیلائی توحید مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آواز حق حق

ہوا غلغلہ نیکیوں کا بدوں میں — پڑی کھلبلی کفر کی سرحدوں میں
ہوئی آتش افسردہ آتشکدوں میں — لگی خاک سی اڑنے سب معبدوں میں

ہوا کعبہ آباد سب گھر اجڑ کر
جمے ایک جا سارے دنگل بچھڑ کر

لئے علم و فن ان سے نصرانیوں نے — کیا کسب اخلاق روحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے — کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے

ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا — فلاطوں کو زندہ پھر آکر دکھایا
ہر اک شہر قریہ کو یوناں بنایا — مزہ علم و حکمت کا سب کو چکھایا
کیا ہر طرف پردہ چشمِ جہاں سے
جگایا زمانہ کو خوابِ گراں سے

شکوۂ جور و جفا

کلام اثر

طاقتِ ضبطِ فغاں اب نہیں صیاد مجھے — دم گھٹا جاتا ہے دے رخصتِ فریاد مجھے
ہو چکی جب مرے پرواز کی طاقت پرواز — تب کیا قید سے صیاد نے آزاد مجھے
کوئے جاناں سے نہ لیجائے جنونِ صحرا کو — بیڑیاں پاؤں میں درکار ہیں حداد مجھے
دادرِ حشر سے کیا دادِ جفا کی اُمید — اے ستمگر نہیں جب عادتِ فریاد مجھے
خود بہا لیتا ہوں جب جوشِ جنوں ہوتا ہے — خارِ صحرا ہوا اثر نشترِ فصاد مجھے

حسرت کی بہار

منظور ہو جو سیر تمہیں لالہ زار کی — دیکھو بہار میرے دلِ داغدار کی
اے بلبلِ اسیر تجھے بھی ہے کچھ خبر — ہے دھوم آمد آمدِ فصلِ بہار کی
خلقِ خدا پہ رحم کر اے بانیِ ستم — آہیں ہیں وہ خراش ہر اک دلفگار کی
چھوٹا چمن قفس میں پڑی آشیاں جلا — بلبل کے کیا خلاف ہوا تھی بہار کی
کنجِ قفس سے پھر بھی نہ باہر ہوئے اثر — دل میں ہمارے رہ گئی حسرت بہار کی

کلام اثر

قفس میں تجھے کیا چنتی ہے بلبل — اسیری میں تمنا آشیاں کی
سمجھ کر رکھ قدم گلشن میں بلبل
روش اچھی نہیں ہے باغباں کی

کلامِ رند

اُداس دیکھ کے مجھکو چمن دکھاتا ہے | کئی برس میں ہوا ہے مزاج داں صیا
رہے نہ قابلِ پرواز بال و پر میرے | قفس سے اُڑ کے میں جاؤنگا اب کہاں صیا
قفس کو شام سے لٹکا کے فرشِ خواب کے پاس | سُنا کیا مری تا صبح داستاں صیا
کرے گا یاد مرے زمزموں کو بعد مرے | ہوں چند روز ترے گھر میں میہماں صیا
چمن میں رکھا نہ بلبل کا نام تک باقی | خدا کرے یونہیں ہو جائے بے نشاں صیا
اسیرِ کنج قفس کر بہ شوق دام میں کھینچ | قضا لے آئی ہے مجھ کو کشاں کشاں صیا
پروں کو کھولدے ظالم جو بند کرتا ہے | قفس کو لیکے میں اڑ جاؤنگا کہاں صیا
عزیز رکھتا ہے کرتا ہے خاطریں میری | ملا ہے خوبیٔ قسمت سے قدرداں صیا
مرے بیان کو سُن سُن کے کانپ اُٹھتا ہے | غضب یہ ہے کہ سمجھتا نہیں زباں صیا
قفس میں دیکھئے کیوں کر نباہ ہوتا ہے | زباں دراز ہوں میں اور بدزباں صیا

فریب دانہ نہ کھاتا میں نہار اے رند
نہ کرتا دام اگر خاک میں نہاں صیاد

ایمان رہ نہ جائے

چُن چُن کے ظلم کر و ارمان رہ نہ جائے | ایسا ستاؤ ہم کو پہچان رہ نہ جائے
دل کو تو چھید ڈالا اتنا تو رحم کھاؤ | آہستہ تیر کھینچو پیکان رہ نہ جائے
ہم سر بکف ہیں اب تو جو چاہو ظلم کر لو | دل کھول کر ستاؤ ارمان رہ نہ جائے
اغیار کے ستم پر صبر و سکون رکھو | یہ حق کا معرکہ ہے ایمان رہ نہ جائے
چاروں طرف سے حملے غیروں کے ہو رہے ہیں | اس معرکہ میں دیکھو ایمان رہ نہ جائے

مقتل کو جا رہے ہیں ہم سر بکف تحریر
قاتل کا کوئی ہم پر احسان رہ نہ جائے

کلامِ عصری

مآل تھا مجھے معلوم آشنائی کا — ملال دلکو نہیں تیری بیوفائی کا

لبِ خموش سے میں عرضِ حال کرتا ہوں — ادا شناس ہوں میں بزمِ آشنائی کا

ہوا ہے بوالہوسوں کو بھی شوقِ نظارہ — اثر ہوا یہ ترے شوقِ خودنمائی کا

نگاہِ لطف تری اب دکھائے راہ کوئی — کہ شوق میرا ہے محتاج رہنمائی کا

یہ کیا ستم ہے گرفتارِ شوق پر صیاد — پیامِ مرگ ہے مژدہ نہیں رہائی کا

ملا بھی اُنسے اُٹھایا بھی لطف ملنے کا — مزا پر اور ہی کچھ تھا غمِ جدائی کا

حریمِ ناز کہاں اور کہاں یہ خاک نشیں — ہوا ہے دلمیں عبث شوق جبہ سائی کا

متاعِ حسن کے نرخِ گراں کا شکوہ نہیں — گلہ ہے جنسِ محبت کی ناروائی کا

چلی نہ ایک بھی ساقی کے آگے عصری کی
اُسے تھا زعم بہت اپنی پارسائی کا

عرض دربار رسول میں (صلی اللہ علیہ وسلم)
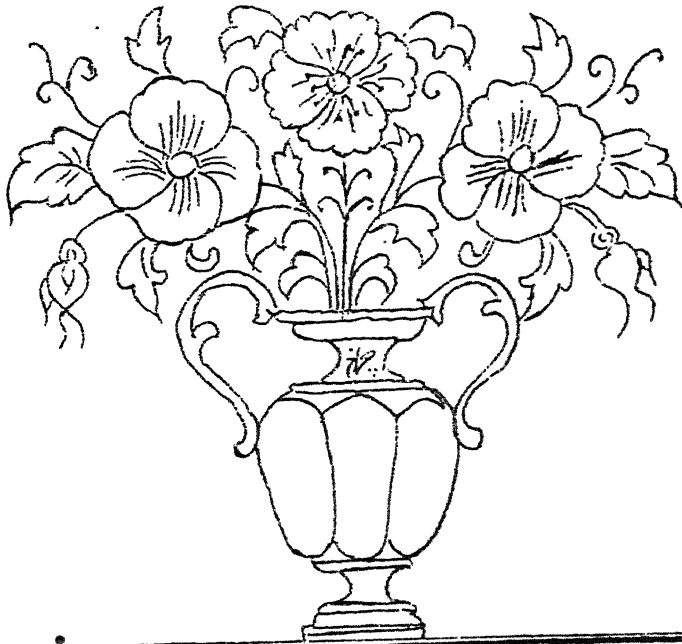
اے خاصۂ خاصانِ رسلؐ وقتِ دعا ہے — اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے — پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسریٰ — خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے

وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں — اب اُسکی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے — اُس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے

جس دین نے تھے غیروں کے دل آکے ملائے — اُس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب — اب معترض اُس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے

ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی — دیں داروں میں پر آب ہے باقی نہ صفا ہے

دولت ہو نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے — اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی — پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر — مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

فریاد ہے اے کشتیٔ اُمت کے نگہباں — بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے

بھیجے حیدرِ کرار کو میدانوں میں

آہ پُر درد نہ کیوں صورتِ [illegible] — لاکھوں دل ہوئے شمشیرِ جفا سے [illegible]

اب نہ وہ زر ہے نہ وہ زور نہ [illegible] — ایسی حیرانی میں دل [illegible]

المدد خواجۂ اسلام نہیں وقتِ درنگ   جان ہے جسم سے بیزار تو ہم جان سے تنگ
ذرہ ذرہ نظر آتا ہے ہمیں چشمِ پلنگ   لوگ کہتے ہیں مسلمان نہیں قابلِ جنگ

عالمِ بدر ہو بلقان کے ویرانوں میں
بھیج دے حیدرِ کرّار کو میدانوں میں

ہو چکی ہونی تھی برگشتہ جہاں تک تقدیر   کر چکے کرنی تھی جو کچھ ہمیں اپنی تدبیر
گھٹ چکی گھٹنی تھی جس درجہ ہماری توقیر   مل چکی ملنی تھی جو ہم کو گناہ کی تعزیر
یا رسولِ عربی صدقۂ روحِ شبیرؓ   ملتجی اہلِ خطا ہیں پئے عفوِ تقصیر
آج خطرے میں پڑی دینِ متیں کی تعمیر   رحم کر رحم کہ اب وقت ہے اور وقت اخیر

ہو چکی زندگیاں خوب خفا جانوں سے
بھر چکے غار کئی لاکھ مسلمانوں سے

یوں ہی دینداروں پہ گر یورشِ اعدا ہوگی   اور آفت پہ اک آفت نئی پیدا ہوگی
انقلابوں سے خدائی تہ و بالا ہوگی   کہتے ہیں اور بھی برباد یہ دنیا ہوگی
سن رہے ہیں کہ قیامت ابھی برپا ہوگی   تپشِ مہرِ تپاں حوصلہ افزا ہوگی
عرضِ اعمال کو ہر قوم صف آرا ہوگی   وہ قیامت نہ ہوئی آج تو کل کیا ہوگی

آسماں ٹوٹ پڑے شور ہو جبّاری کا
دیکھنے والے مزا دیکھ لیں قہاری کا

صفاتِ جمیلہ

خدا خود نبیؐ کی صفاتِ جمیلہ   کہے جب مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا
جو آیہ ہے اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ   وہ بارِ امانت ہے قَوْلًا ثَقِیْلًا
زمیں پر نہیں خلد میں یا محمدؐ   ترے قد کا سایہ ہے ظِلًّا ظَلِیْلًا
گزاریں شبیں تو نے غارِ حرا میں   تجھے حق سے تھا شوق سَبْحًا طَوِیْلًا

ہوا اہلِ ایماں سے تجھ کو توصل	جو کفار ہیں ان سے هَجْرًا جَمِيلًا
جزا و سزا عدل و انصاف سے ہے	کہا حق نے لَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا
بشر تو ہے کیا چیز محشر میں ہوگی	پہاڑوں کی صورت كَثِيبًا مَّهِيلًا
ہے امر خدا روح، بندوں نے اسکا	نہ پایا مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا
ہے جنت کی آب اور ساغر کی خوبی	کہیں سَلْسَبِيلًا کہیں زَنْجَبِيلًا
نتیجہ یہ فرعون کا ہے کہ حق نے	سنایا اَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيلًا
توکل رکھ اے کمترؔ اب ذاتِ حق پر	ہے مالک وہی فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا

نتیجہ فکر

حافظ کرم الٰہی صاحب کمترؔ نابینا، سوہنوی

ضلع گوڑگانوہ

عرضِ دربارِ الٰہی میں (جل جلالہٗ)

دعائے انور

یارب! دلِ مسلم کو اسلام کی اُلفت دے — پھر جذبِ محبت دے پھر جوشِ اخوّت دے

صحرائی و شہری کو پھر سوئے عرب لیجل — پھر رنگِ عقیدت دے پھر زورِ حمیت دے

چھائی ہے گھٹا غم کی اسلام کے گلشن پر — خورشید کی کرنوں سے اس باغ کو طلعت دے

ہوں پیر و جواں شیدا دربارِ رسالتؐ پر — کمزور مسلماں کو پھر پاسِ خلافت دے

گلچیں کی نگاہیں ہیں کاشانۂ ایماں پر — ایمان کے طالب کو تعلیمِ حفاظت دے

طوفانِ حوادث میں اسلام کا بیڑا ہے — مغموم مسلماں کو پھر ہمت و قوت دے

تو یاور و حامی ہے حرمینِ مقدس کا — خدامِ مدینہ کو توفیقِ اطاعت دے

ترسی ہوئی آنکھوں کو کچھ شانِ کرم دکھلا — بچھڑے ہوئے نبدونکو الفت کی حلاوت دے

مومن کا جگر تڑپا اسلام کی الفت میں — بے دین مسلماں کو پھر دین کی غیرت دے

ایثار کی ہمت دے محتاج و تونگر کو — پھر شوق دے خدمت کا پھر ذوقِ شہادت دے

کاشانۂ مسلم سے گم جہل و ضلالت کر — ویرانۂ عالم کو اسلام سے زینت دے

دیکھی ہے مصیبت ہی ہم جب سے ہوئے پیدا — آرام دکھا اب تو کچھ لذّت و راحت دے

وحدت کے گلستاں میں تثلیث کی یورش ہے — توحید کے طالب کو ہر بات میں نصرت دے

آپہنچا ہے اب آخر ہنگامِ پریشانی — حیرانِ مسلماں کو امیدِ مسرّت دے

ویرانیِ مسلم کا چرچا ہے زمانے میں — ایماں کے محافظ کو ایمان کی طاقت دے

ملتی نہیں جاپیے ہم کو کونین کی وسعت میں — نادار مسلماں کو پھر شوکت و عظمت دے

ایمانِ بطالت کی اس وقت کشاکش ہے — جویائے حقیقت کو ایمان کی دولت دے

میں بلبل نالاں ہوں اک اُجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

محمد اقبال

کلامِ حق

جو کلامِ حق کو پڑھتے، دیکھتے، سنتے نہیں — وہ تو صُمٌّ بُكْمٌ ہیں عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ
چاہیئے انساں کو قرآں میں تدبر عقل سے — اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ
شہ نے کی حق سے شکستِ دُرِّ دنداں پر دعا — اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ
اپنی اولادِ گرامی سے خلیل اللہ نے — لَا تَمُوْتُنَّ کہا اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ
رہنے کو بندوں کے فرمایا زمیں کو مستقر — لکھے وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰھَا فَنِعْمَ الْمٰھِدُوْنَ
رزق دیتا ہے پھلوں سے تم کو وہ رازق عُلا — تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
دے دیا میری حمایت میں فرشتوں کو جواب — حق نے اِنِّیْٓ اَعْلَمُ فرما کے مَا لَا تَعْلَمُوْنَ
کون ہے جز مصطفٰےؐ جس نے کہا للکار کر — مجمع کفار میں لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ

لرم الٰہی کبتر بینا ہنوی

ترکیب بند
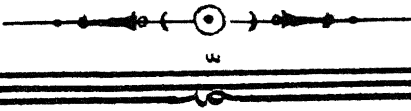
جامع

نورالدین نور عفا اللہ عنہ

بمقام لاہور
بماہ شعبان المعظم ۱۳۴۴ھ

بغیر مُہر مؤلّف مال مسروقہ ہوگا۔

کتبہ ابو یوسف محمد الدین الدہلوی